عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
ماضی کی کہر

عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

سلمان بن حبیب

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

۳۷ - اردو بازار - کراچی
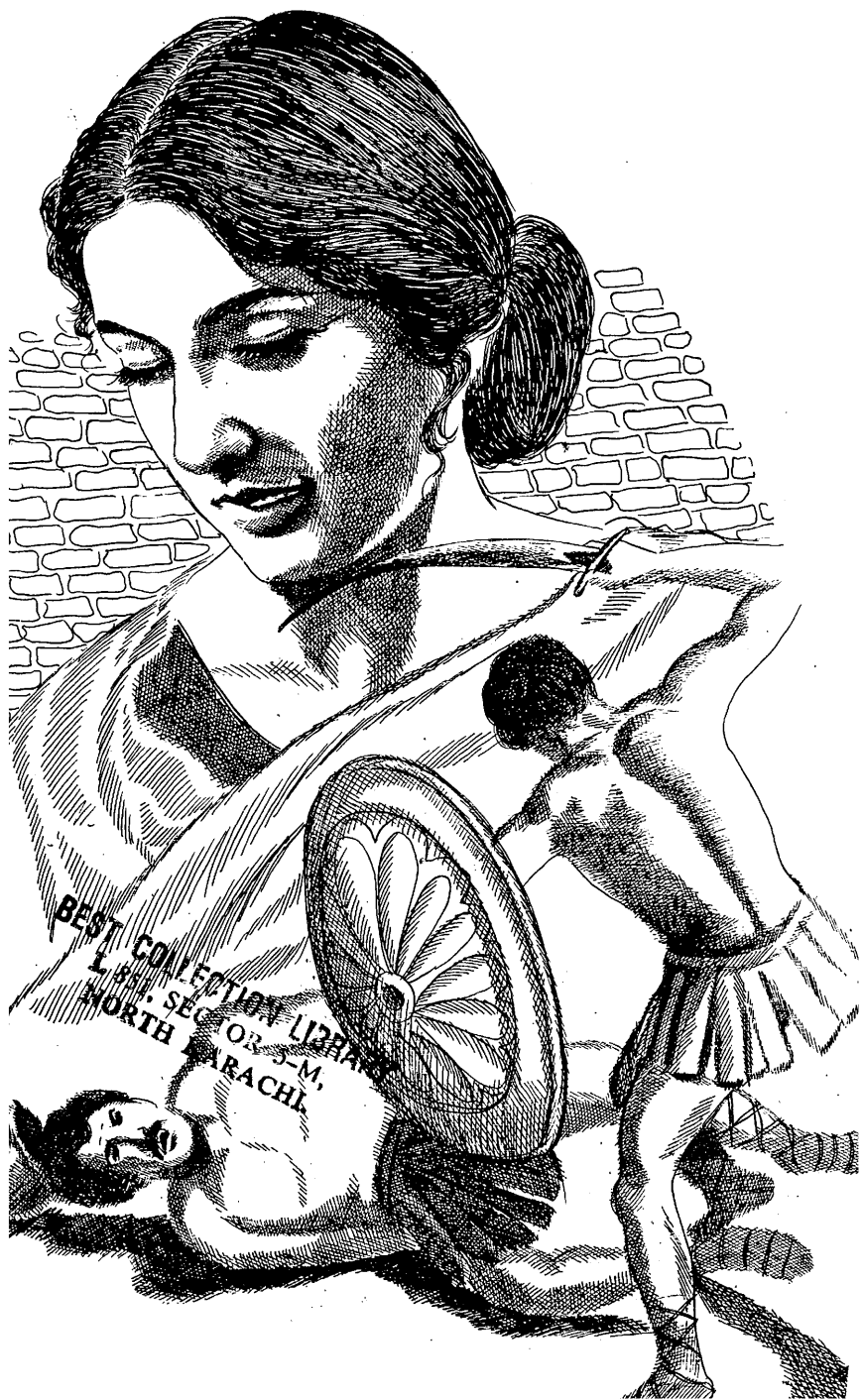
ماضی کی کہر

زمانۂ قدیم کے ایک نوجوان نے جب نئی دنیا میں آنکھ کھولی
تو حیران رہ گیا۔ دیوی دیوتاؤں کی سازشوں کے شکار لیپاس
کی انوکھی داستان جو آپ کو قدیم یونان کی پراسرار داستانوں
کی سیر کراتی ہے۔
وہ اپنے دور کا مانا ہوا بہادر تھا اور کاہن نہیں چاہتے تھے کہ
وہ کوئی بڑا عہدہ حاصل کرے

چچا حسام الدین بلوغی تو ابتداء سے ہی سیاست میں تھے۔ اور جب سے انہوں نے سیاسی زندگی شروع کی تھی ایک ہی پارٹی میں شامل رہے تھے۔ ان کی پارٹی تین بار الیکشن میں ناکام رہ کر چوتھی بار کامیاب ہوئی تھی اور ملک کا نظم و نسق سنبھالنے کے بعد عہدے تقویض ہو گئے تھے۔ چچا جان وزیر ریلوے بنائے گئے تھے۔ لیکن میری یہ ملازمت ان کی رہین منت نہیں تھی۔ وہ تو اب ریلوے کے وزیر بنے تھے جبکہ میں ایک معمولی عہدے سے ترقی کر کے اب ریلوے کا چیف انجینئر تھا۔ اور اس ترقی کو حاصل کرنے کے لئے میں نے شدید محنت کی تھی۔

وہ تو شکر تھا کہ میں تین سال سے اس عہدے پر کام کر رہا تھا ورنہ لوگ تو یہی کہہ دیتے کہ یہ عہدہ چچا جان کی وجہ سے ملا ہے۔ البتہ چچا جان کے عہدِ وزارت سے میں نے ایک فائدہ ضرور اٹھایا۔ ایک منصوبہ بہت عرصہ سے میرے ذہن میں تھا اس کے لئے میں نے ریلوے حکام سے بات بھی کی تھی لیکن میری شنوائی نہیں ہوئی تھی اور زبردست اخراجات کا بہانہ کر کے ٹال دیا گیا تھا۔

حالانکہ اس میں کسی کا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا، سب کچھ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے تھا۔ البتہ اتنا مفاد میرا اس سے ضرور وابستہ تھا کہ اگر میں اپنے اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکا تو پھر میرا اپنے محکمے اور العباسا کے رہنے والوں کے ذہنوں میں میرا نام ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گا۔ میں ایک یادگار حیثیت اختیار کر جاؤں گا۔ حالانکہ جس منصوبے کا میں نے تصور کیا تھا، وہ بےحد کٹھن تھا اور اس کی تکمیل اتنی آسان نہیں تھی۔

العباسا کا علاقہ دشوار گذار برف پوش پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ اونچے نیچے برف پوش ٹیلوں کو طے کر کے آنا اور پھر واپس جانا ایسا دشوار گذار مرحلہ تھا جس کی وجہ سے بہت کم لوگ ان راستوں پر سفر کر پاتے تھے۔

العباسا کے لوگ بیچارے ایک طرح سے شہری سہولتوں سے بالکل کٹ کر رہ گئے تھے، اور بے شمار حادثات اس راستے پر سفر کرتے ہوئے انہیں پیش آ چکے تھے۔ کئی بار انہوں نے اعلیٰ حکام سے درخواست کی تھی کہ انہیں بھی زندگی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع دیا جائے۔ اور العباسا سے شہر تک ایک ایسی ریلوے لائن ڈالی جائے جس کے ذریعے وہ لوگ بآسانی پہاڑوں سے درمیان سفر کر سکیں۔ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ہی ایک سڑک بنانے کا مطالبہ بھی تھا۔

کئی بار حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں نے اس سلسلے میں توجہ بھی دی لیکن پھر دشوار گذار مرحلوں کا تصور کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ اور ابھی تک اس سلسلے میں کوئی موثر کارروائی نہیں ہوئی تھی۔

لیکن میری شدید خواہش تھی کہ العباسا کو دوسرے شہر سے ریل کے ذریعے ملا دیا جائے۔ یہ پہاڑی علاقہ اب تک متمدن دنیا سے کٹا ہوا تھا۔ ریلوے لائن بن جانے سے وہاں کے لوگ دوسرے شہروں میں آ جا سکیں گے۔ اور چچا حسام الدین کے وزیر ریلوے ہونے کے بعد جب سب سے پہلے میں ان سے ملا تو سلام کے بعد یہ مسئلہ بھی میں نے ان کے سامنے رکھ دیا۔ میں نے پُرزور انداز میں ان سے کہا۔

"چچا حسام الدین اگر آپ اپنے دورِ وزارت میں یہ کام کر سکے تو آپ کا یہ کارنامہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔"

چچا حسام الدین نئے نئے وزیر بنے تھے، اور وزارت کو مضبوط کرنے کے لئے ایسے کچھ کام ضروری تھے، چنانچہ انہوں نے پوری سنجیدگی سے وعدہ کیا اور نئے نئے ہونے کی وجہ سے میری درخواست پر غور بھی کر ڈالا بلکہ منظوری بھی دے دی اور اس منظوری کے ساتھ مجھ سے کہا گیا کہ میں اپنی تجاویز پیش کروں۔

سب سے بڑا مسئلہ مزدوروں کی فراہمی کا تھا، شہروں سے مزدور اس دور دراز علاقے میں جانا پسند نہیں کرتے تھے اور باشندوں کا تعاون حاصل کرنا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا۔

لیکن میرا عزم میری ہمت پست نہیں ہوئی تھی، میں بہت جلد کوئی نہ کوئی بہتر طریقہ نکال لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں اجازت طلب کی اور پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا۔ میں نے پہاڑی لوگوں کو ایک دعوت میں بلانے کا فیصلہ کیا۔ پروگرام یہ تھا کہ کھانے کے بعد ان لوگوں کے سامنے منصوبے کی اہمیت بیان کروں گا اور ان سے مدد مانگوں گا۔

لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس، کھانے کے دوران ہی وہ لوگ آپس میں بحث کرنے لگے اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ مجبور ہو کر میں نے ان لوگوں کا خیال ذہن سے نکال دیا۔ لیکن پھر میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی۔

میں نے چچا حسام الدین کی معرفت محکمہ جیل سے رابطہ قائم کیا اور اس بار مجھے خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ ریل

کا یہ راستہ بنانے کے لیے پانچسو قیدی منظور ہو گئے۔ اور مجھ سے کہا گیا کہ میں اپنی پلاننگ مکمل کر لوں۔ دو سو قیدیوں کی یہ پہلی کھیپ دس دن کے اندر اندر پہنچ جائے گی۔

میں نے اپنے پورے محکمے کو مصروف کر لیا اور جلدی جلدی سارے انتظامات کر کے ریل کے آخری اسٹیشن پر قیدیوں کی پذیرائی کے لیے پہنچ گیا۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ ریل کی چھک چھک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اور گاڑی قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر پُرشور آواز کے ساتھ بریک لگے اور گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گئی۔ میرا دل مسرت سے لرز رہا تھا جو منصوبہ برسوں سے میرے ذہن کے گوشوں میں محفوظ تھا اب وہ عملی شکل میں سامنے آئے گا۔ ریلوے لائن بچھے گی۔ سڑک تعمیر ہو جائے گی اور اس پر میرے نام کا بورڈ لگایا جائے گا۔ سنگِ مرمر کا ایک بہت بڑا کتبہ جس پر لکھا ہوگا کہ فلاں ابنِ فلاں نے اس سڑک کی تعمیر کے لیے منصوبہ پیش کیا اور وہی سڑک کی تعمیر کا باعث بنا۔

نعمان جمیلی نامی ایک نوجوان کو میں نے محکمہ جیل روانہ کیا تھا۔ تاکہ وہ اپنی نگرانی میں قیدیوں کو نہایت اطمینان کے ساتھ یہاں تک لا سکے۔ حالانکہ قیدیوں کا معاملہ بڑا خطرناک تھا۔ میں نے ان کے بارے میں بہت سی کہانیاں اور افسانے سُن رکھے تھے۔ خود میں کوئی سخت گیر یا ایسا آدمی نہیں تھا جو ان قیدیوں سے صحیح کام لے سکے۔ لیکن بہرصورت میں نے اپنی لگن میں یہ خطرہ بھی مول لے لیا تھا۔

نعمان جمیلی ایک ڈبے سے باہر نکل کر میرے پاس پہنچ گیا اور مودبانہ انداز میں بولا۔

"جنابِ عالی دو سو قیدی ہمارے حوالے کر دیئے گئے ہیں اور وہ ان ڈبوں میں موجود ہیں۔"

"ان کے محافظ۔" میں نے سوال کیا۔

"وہ آخری ڈبے میں ہیں۔" نعمان جمیلی ایک جانب اشارہ کر کے بولا اور میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آخری ڈبے کی جانب چل پڑا۔

میں نے کھڑکی سے اندر جھانکا، چالیس کے قریب انسان نما جانور یا جانور نما انسان ڈبے کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے، بال بڑھے ہوئے، کپڑے میلے اور بدبودار، آنکھوں میں وحشت اور نفرت کے آثار، سب زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور ان میں بیشتر تاش کھیل رہے تھے۔

میں نے گہری نگاہوں سے ان کا جائزہ لیا تب نعمان جمیلی نے انہیں مخاطب کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی، وہ مزے سے تاش کھیل رہے تھے۔ ٹرین رُک جانے کا انہیں کوئی احساس نہیں تھا۔

چند ساعت کے بعد ایک اسسٹنٹ انجینئر نے قریب پڑا ہوا لکڑی کا لٹھ اُٹھایا اور ڈبے پر دے مارا۔ آواز سُن کر ایک قیدی اُٹھا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

"کیا بات ہے۔"؟ اس نے خونی نگاہوں سے اسسٹنٹ انجینئر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نیچے آ جاؤ۔ چلو۔ سب لوگ نیچے اُترو۔" اسسٹنٹ انجینئر نے کہا اور وہ مڑ کر لوگوں کو سفر کے اختتام کے بارے میں بتانے لگا۔ بہرحال محافظ ایک ایک کر کے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے نیچے اُترنے لگے۔ ہر ایک کے بدن پر خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے راستے بھر یہ لوگ لڑتے ہوئے آئے ہوں۔ محافظِ اعلیٰ جو ایک تندرست و توانا آدمی تھا اور گارڈ کے ڈبے میں سفر کر کے یہاں پہنچا تھا۔ گارڈ کے ساتھ یہاں پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھ میں لمبا ہنٹر تھا اور یہ ہنٹر بہت زیادہ کارآمد ثابت ہوا۔

تمام محافظ جلدی جلدی تاش کے پتے جیبوں میں چھپا کر گاڑی سے باہر کودنے لگے۔ محافظِ اعلیٰ نے انہیں ہدایات جاری کیں۔ اور ان میں ڈبے تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ بہرصورت محافظوں نے قیدیوں کے ڈبے کی جانب رُخ کیا اور پھر قیدیوں کو نیچے اُتارنے کا منظر بھی بڑا عجیب تھا۔

شڑاپ شڑاپ کوڑوں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں اور قیدی نیچے اُتر رہے تھے۔ میں اسسٹنٹ انجینئر اور میرا ساتھی نعمان جمیلی متحیرانہ انداز میں کھڑے ان عجیب و غریب انسانوں کو دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ان شیطانوں سے کس طرح کام لیا جا سکے گا۔ انہیں قابو میں رکھنے کے لیے تو بہت سے لوگ درکار ہوں گے۔ بہرصورت جب عزم کیا تھا تو اس پر عمل کرنا ہی تھا۔

میں نے قیدیوں کے استقبال کا عمدہ بندوبست کیا تھا تاکہ انہیں اچھے اخلاق کی مار ماری جائے۔ سب سے پہلے ان قیدیوں کو صاف ستھرے برتنوں میں چائے اور تھوڑی سی نمکین چیزیں پیش کی گئیں۔ آخر ایک مختصر سی تقریر میں انہیں کام کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ میں سے جو لوگ محنت اور خلوص سے کام کریں گے۔ میں ان کی سفارش کروں گا میں نے جیل خانے والوں

سے وعدہ لیا ہے کہ جو لوگ محنت سے کام کریں گے اِن کی سزا میں کمی کر دی جائے گی۔ ہم آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیں گے لیکن اس کے لیے آپ کو ڈٹ کر کام کرنا ہوگا۔ آپ کو پیٹ بھر کر عمدہ قسم کی خوراک دی جائے گی۔ زخمیوں اور مریضوں کے لیے طبی امداد کا بندوبست ہوگا، تماشوں اور مقابلوں کی اجازت ہوگی تاکہ اس برفانی علاقے میں دلچسپی کے مواقع پیدا ہو جائیں۔ یہ بات آپ لوگ ذہن نشین کر لیجیے کہ آپ ایک عظیم مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں اور اس کام کی تکمیل پر ہم یہاں ایک پتھر نصب کریں گے جو اس کام کی تکمیل کرنے والوں کے نام ہوگا، جس میں آپ لوگوں کی محنتیں درج ہوں گی، لوگ آپ کا عزت سے نام لیں گے، اور جب اس علاقے کے لوگ بغیر کسی مشکل کے ریل گاڑی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آ جا سکیں گے تو وہ آپ کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ آپ اِن کے ہیرو ہوں گے، مجھے اُمید ہے کہ آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔"

اور میری بات سمجھنے والے منہ پھاڑ پھاڑ کر ہنس پڑے۔

"عظیم۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"جانفشانی۔"

"کارنامہ۔"

"عزت۔ احترام۔ ہاہاہا ۔ ہاہاہا۔ ہاہاہا۔" وہ بُری طرح قہقہے لگانے لگے اور مجھے جھینپ کر خاموش ہو جانا پڑا۔ میری ساری باتیں شاید اِن کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

لیکن دوسرے لمحے کوڑوں کی پھنکاریں اُبھرنے لگیں اور اِن کی ہاہاکار ختم ہو گئی۔ لیکن جس طرف بھی کوڑوں والے محافظ نہ پہنچتے اس طرف سے کوئی نہ کوئی آواز پھسل جاتی۔ اور اس آواز میں خاصا مضحکہ طنز اور حقارت ہوتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ میں اِن آوازوں پر توجہ نہ دوں۔ اور اس بات کو ذہن میں رکھوں کہ اِن لوگوں سے اچھے اخلاق اور لالچ کی باتوں سے کام نہیں لیا جا سکتا، یہ ایک مخصوص زندگی کے عادی ہو چکے ہیں۔ اور وہی باتیں اِن کی سمجھ میں آتی ہیں جو اِن کو کوڑوں کے ذریعے سمجھائی جاتی ہیں۔ چنانچہ باقی ساری باتیں کرنا بیکار ہیں۔ تاہم میں نے اپنے طور پر اس بات کا انتظام کیا تھا کہ قیدیوں کے ساتھ زیادہ سختیاں نہ ہوں اور یہ سافی کے ساتھ کام کرنے لگیں۔ بہرصورت قیدیوں کا ایک کیمپ ترتیب دیا گیا اور جلد ہی کام شروع کر دیا گیا۔ انہوں نے کدالیں سنبھال لیں اور مصروف ہو گئے۔

برف کے اس پھیلوان ویرانے میں جگہ جگہ درخت اُگے ہوئے تھے، دس دس اور بارہ بارہ فٹ قطر کے درخت گرنے تو دُور دُور تک آواز سُنائی دیتی تھی۔ ایک ایک گٹھے کو کھینچنے کے لیے سو سو قیدیوں کو جُتنا پڑتا تھا۔ وہ اس سرد ماحول کے موسم کے باوجود پسینے میں شرابور ہو جاتے اور اِن کی زبانیں باہر نکل آتی تھیں۔ لیکن اِن ساری مشکلات کے باوجود کام تیزی سے جاری تھا۔

درختوں کی صفائی ہو رہی تھی، قیدیوں پر کوڑے برستے تھے اور انہی کے زور پر وہ زیادہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ پھر دوسری کھیپ بھی اِن میں آ کر شامل ہو گئی اور اس کے ایک ہفتے کے بعد تیسری کھیپ بھی۔

پانچسو قیدی اب سڑک بنانے کے اس کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ دُور دُور تک کا علاقہ صنوبر کے اور چیل کے درختوں سے صاف کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد نقشے کے مطابق مخصوص علاقے کی صفائی ہونے کے بعد کھدائی کا کام شروع ہو گیا۔ اور کدالیں، برف کاٹنے کی بڑی بڑی مشینیں اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

میں دن رات اس کام کی نگرانی کر رہا تھا اور جب بھی مجھے تنہائی میں بیٹھنے کا موقع ملتا میری آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھتی تھیں۔ میں اپنے بنائے اس لمبے راستے پر ریل کی سیاہ پٹڑیاں بچھی ہوئی دیکھتا اور اِن پر رواں دواں ٹرین جو اپنی منزل پر جا رہی ہوتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ العباسا کے لوگ میرے اس احسان کو تازندگی فراموش نہ کر سکیں گے۔

بہرصورت کام جاری تھا اور اب برف کے بڑے بڑے بلاک کاٹے جا رہے تھے، مخصوص قسم کی بڑی بڑی مشینیں برف کی سلیں کی سلیں کاٹتیں اور پھر یہ سلیں کرینوں کے ذریعے اِن جگہوں سے ہٹائی جاتیں اور بڑے بڑے دیوہیکل ٹرکوں پر رکھ کر انہیں وہاں سے دور لے جا کر پھینک دیا جاتا تھا۔

صدیوں سے جمی ہوئی یہ برف پتھروں سے زیادہ ٹھوس اور سخت تھی۔ اور اگر مشینوں سے اس کی کٹائی نہ ہوتی تو میرا خیال تھا کہ ایک ایک سل کو کاٹنے کے لیے مہینوں کوشش کرنا پڑتی لیکن سائنس نے انسان کو بے شمار آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔ یہ مشینیں مہینوں کا کام گھنٹوں میں کر لیا کرتی تھیں اور برف کی کٹائی کا کام تیزی سے جاری تھا۔ اس دوران بہت سے خوفناک حادثے پیش آ چکے تھے۔ چند مزدور برفانی تودوں میں پھنس کر ہلاک ہوئے تھے۔ چند کو دوسرے ذرائع

سے نقصان پہنچا تھا لیکن اس کے باوجود کام جاری تھا۔ قرب و جوار کے مقامی لوگ بھی اب اس کام میں شریک ہوگئے تھے۔ ان کے ذہنوں میں اب اس کی افادیت آگئی تھی۔ بڑی بڑی مشینیں صبح سے لے کر رات تک مصروفِ عمل رہتی تھیں۔ اُن کے قرب و جوار میں بکھرے ہوئے قیدی اپنے کام میں مصروف رہتے۔ شام کو انہیں ان کے احاطے کی جانب لے جایا جاتا۔ انہیں ساز مہیا کر دیئے گئے تھے اس کے علاوہ دوسری بے شمار سہولتیں بھی فراہم کر دی گئی تھیں۔ کیونکہ بہرصورت تھے تو وہ انسان ہی۔

کھانے کے لئے انہیں عمدہ خوراک دی جاتی تھی جو یقینی طور پر انہیں جیل میں نہ ملتی ہوگی۔ اِن تمام چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اب وہ خاصی دلچسپی اور لگن سے کام کر رہے تھے اور اب اِن کے درمیان مار پیٹ اور جھگڑے بھی نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ شام کو جب خنک ہوائیں پہاڑوں کی برف کو چھوتی ہوئی چلتیں تو ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو جاتا تو اس ماحول میں قیدیوں کے گانے کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں۔ اور پہاڑوں میں گونجتی تھیں۔ ہوائیں اِن آوازوں کو نجانے کہاں سے کہاں منتشر کر دیتی ہوں گی۔ بعض قیدی بڑا اچھا گانا گاتے تھے اور بعض اوقات میں خود بھی اِن میں شامل ہو جاتا تھا۔

یہ ایک چمکدار دوپہر کی بات ہے جب سورج عین سروں پر تھا۔ ہر چند کے برفانی علاقہ ہونے کی وجہ سے سورج کی تپش کوئی خاص نقصان نہیں پہنچاتی تھی، لیکن محنت کا کام کرتے ہوئے یہاں پر بھی گرمی محسوس تو ہوتی ہی تھی۔

برف کا ایک بلاک کاٹا جا رہا تھا اور مشینیں اپنے عمل میں مصروف تھیں۔ میں اس وقت اس برفانی گڑھے کے پاس موجود تھا جس کا برف اتنا صاف شفاف تھا کہ اوپر سے نیچے تک اس کی تہہ دیکھی جا سکتی تھی، شاید یہ بہت ہی قدیم سل تھی یوں بھی اسے کافی گہرائی میں کاٹا جا رہا تھا۔ اور اس کے اُوپر سے چالیس چالیس اور پچاس پچاس فٹ کی موٹی کئی سلیں کاٹی جا چکی تھیں۔ تب کہیں جا کر ہم اس ہموار جگہ تک پہنچے تھے۔ حالانکہ اس جگہ کے بارے میں ہمارے درمیان کچھ اختلاف تھا۔

میرے اسسٹنٹ نعمان جمیلی کا خیال تھا کہ یہ قدیم برف ہے اس کی کٹائی بہت مشکل ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے سڑک کو تھوڑا سا ترچھا کر دیا جائے اور برابر کے ٹیلے سے گزار کر لے جایا جائے۔ لیکن میں ابھی باہمت تھا۔

میں نے نعمان جمیل سے یہی کہا کہ میں نقشے میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا، یہ علاقہ گو بے حد مشکل ہے اور ہمیں برف کے گڑھے سے برف صاف کرنے کے بعد اس کی بھرائی بھی کرنا ہوگی، بیشک اس میں کچھ وقت لگ جائے گا لیکن جہاں تک ہم سڑک سیدھی لے جا سکتے ہیں ہمیں یہی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ سیدھی ہی رہے۔ ہاں اگر برف کی یہ کٹائی ناممکن رہی تو پھر نقشے میں تبدیلی کے بارے میں غور کیا جائے گا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ سخت سے سخت چیز کاٹ ڈالنے والی مشینیں، اس برف کو کاٹنے میں خاصی قوت صرف کر رہی تھیں اور ان کا کام بہت سست رفتار ہو گیا تھا۔

لیکن بہرصورت برف کٹ رہی تھی۔ برف کی شفاف سلیں جو صدیوں سے منجمد پڑی تھیں، آہستہ آہستہ اپنے اندر رخنے پیدا کر رہی تھیں کہ دفعتاً نعمان جمیلی نے مجھے مخاطب کیا۔

"اوہ — اوہ — ذرا یہ دیکھئے جناب — میرا مطلب ہے اس گہرائی میں۔"

"کیا ہے۔"؟ میں نے جلدی سے سوال کیا۔

"ذرا غور کیجئے، براہِ کرم ایک منٹ کے لئے مشین بند کرا دیں۔" وہ متحیرانہ انداز میں بولا اور میں نے مشین آپریٹر کو مشین کے آرے بند کرنے کی ہدایت کی۔ آرے بند ہوئے تو شور کی آواز رک گئی اور میں نعمان کے اشارے کی جانب دیکھنے لگا۔

خاصی گہرائی میں مجھے ایک عجیب و غریب شے نظر آ رہی تھی۔ اس عجیب و غریب شے کو دیکھ کر بلاشبہ میرے چہرے پر بھی حیرت کے وہی نقوش نمایاں ہو گئے۔ حالانکہ وہ کافی گہرائی میں تھی۔ اور اس کے اوپر تقریباً بیس فٹ موٹی اور اونچی برف کی تہہ تھی۔ لیکن جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ یہ برف اتنی شفاف اور صاف تھی کہ اس میں کوئی ہلکا سا نشان بھی نہیں تھا۔ بالکل شیشے کی سطح کی مانند۔ اس میں نیچے تک دیکھا جا سکتا تھا۔ اور بیس پچیس فٹ نیچے مجھے ایک انسانی بدن نظر آ رہا تھا۔ ایک گندمی رنگ کا انسان جو برف میں جما ہوا تھا۔

یہ ناقابلِ یقین بات تھی۔ بالکل یقین نہ کرنے کے قابل بھلا اس بات پر کیسے یقین کیا جا سکتا تھا کہ سو ڈیڑھ سو فٹ اونچی برف اس کے اُوپر سے کاٹی جا چکی ہے۔ برف کا پہاڑ اس کے اُوپر سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اور برف کے پہاڑ کی گہرائیوں میں کوئی انسانی جسم اس طرح پڑا ہوا ملے۔

اگر وہ کوئی ڈھانچہ ہوتا یا ایسی کچھ ہڈیاں ہمیں نظر آتیں

جو برف کی گہرائیوں میں دفن ہوتیں تو ہمیں حیرت نہ ہوتی، لیکن شفاف برف کی گہرائیوں میں وہ انسان مکمل تھا۔ گوشت پوست سے بھرپور، لباس سے عاری۔ گلے میں ایک خاص قسم کا ہار پڑا ہوا۔ سر پر پیتل کی ایک پٹی لگی ہوئی اور اس کے سینے پر ایک نیزہ بھی رکھا ہوا تھا۔

اگر یہ کوئی مافوق الفطرت بات نہیں ہے تو ہم اسے دنیا کی حیرت انگیز چیز کہہ سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ انسان یہاں کیسے پہنچ گیا۔ لیکن میرے ذہن میں جو تجسس اور جو احساس جاگا وہ بے حد انوکھا تھا۔ تب میں نے یہاں کا سارا کاروبار روک دیا۔ قرب و جوار میں برف کی کٹائی بھی رک گئی۔ میرے کچھ اور دوست بھی آ گئے۔ ہم سب بخوبی برف میں جمے ہوئے اس انسان کو دیکھ سکتے تھے۔

"ایک ناقابلِ یقین بات ہے۔" جمیلی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"کہیں کوئی نظری دھوکہ نہ ہو۔"

"نظری دھوکہ کسی ایک انسان کو ہو سکتا ہے ہم سب ایک ہی چیز دیکھ رہے ہیں اور ہوش و حواس کے عالم میں دیکھ رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ اور میرے دوسرے ساتھیوں نے میری تائید کی۔

"اسے احتیاط سے برف توڑ کر نکالا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ یہ کیا ہے۔"

"بھئی ایک انسان ہے اور جس ہیئت میں نظر آ رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی قدیم قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔"

"سنو دوستو۔ اگر ہم برف توڑ کر اسے نکال لیں گے اور یہ ہمارے ہاتھوں ضائع ہو گیا تو بے مقصد رہے گا۔ میرے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی ہے۔"

"وہ کیا؟" میرے دوستوں نے پوچھا۔

"البصارہ میں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ شاید تم لوگوں نے پروفیسر علی فیضان العیصاری کا نام سنا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ ہاں شائد۔ علی فیضان آرکیالوجسٹ ہیں۔ قدیم دور کے نوادر نامی کتاب انہی کی تصنیف ہے نا۔" جمیلی بولا۔

"بالکل، میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں نے کہا۔

"میں یہ جانتا ہوں میرے دوستو کہ برف کا یہ بلاک بے حد مضبوط ہے۔ ہم اس کی کٹائی اس انداز میں کریں گے کہ یہ ٹوٹنے نہ پائے۔ برف میں جمے ہوئے اس شخص کو اسی طرح بلاک کی شکل میں نکالیں گے اور پھر ایک بڑے ٹرک میں لاد کر البصارہ پہنچا دیں گے۔ بلاشبہ علی فیضان کے لیے یہ ایک بہت بڑا تحفہ ہوگا کیونکہ یہ اسی کا کام ہے اور وہ اس تحفے کو قبول کر کے اس پر ریسرچ کرے گا۔ میرے خیال میں جس قدر بہتر طور پر وہ ہمیں اس کے بارے میں بتا سکتا ہے ہم اپنے طور پر نہیں معلوم کر سکتے۔"

اوّل تو میں ان لوگوں کا انچارج تھا تو یہ بات ایسی نہ تھی کہ ان میں سے کسی کو اعتراض ہوتا۔ میرے دوست جمیلی، فرقان اور حید مصالحی نے مجھ سے اتفاق کیا اور ہمارے درمیان یہ بات طے پا گئی کہ برف کی ایک طویل و عریض سِل صاف شفاف طور پر کاٹ کر ایک بڑے ٹرک میں لاد دی جائے اور اسے علی فیضان کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نئے پروگرام کے تحت اس بلاک کو کاٹنے کا کام نہایت احتیاط سے شروع کر دیا گیا۔ میں خود اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے جمیلی کو ٹرک کا انتظام کرنے کے لیے روانہ کر دیا تاکہ جونہی برف کا یہ بلاک اپنی جگہ سے ہٹایا جائے اسے ٹرک میں لاد کر روانہ کر دیا جائے۔ صدیوں سے جمی ہوئی اس برف کو پگھلنے کے لیے بھی طویل وقت درکار ہوگا۔ اس لیے ہمیں اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اس جسم کو البصارہ تک پہنچنے میں کوئی نقصان پہنچ جائے گا۔

تیز آروں سے برف کو ایک مخصوص نشان کے ساتھ ساتھ کاٹا جا رہا تھا۔ ہم نے اس کی گہرائی کی پیمائش بھی کر لی تھی۔ گویا ایک اتنی وزنی سِل ہمیں برف کے اس لق و دق ویرانے سے نکالنی ہوگی جس کے وزن کا کوئی صحیح تعین نہیں کیا جا سکتا۔ پھر فرقان نے کہا۔

"کیوں نہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے اوپر سے ایک مخصوص پیمائش سے کر مزید برف کاٹ لی جائے تاکہ نیچے کے بلاک کو کم وزن کے ساتھ ٹرک پر لادا جا سکے۔" میں نے اس کی یہ تجویز منظور کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم بلاک کی اوپر کی سطح کو ایک مخصوص پیمائش کے ساتھ اوپر سے نکال سکو تو اس کارروائی پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ شرط یہی ہے کہ کوئی ہلکا سا نشان بھی اس انسانی جسم تک پہنچنے نہ پائے۔ یعنی اس کے اوپر جو برف جمی ہوئی ہے وہ جوں کی توں اس مقدار میں برقرار رہنی چاہیئے کہ ہوا یا

سورج کی تپش اس کے بدن تک نہ پہنچے اور اس کا جسم کسی طور بگڑ نہ جائے۔"

میرا دوست فرقانی اپنے کام میں ماہر تھا۔ اُس نے اس بات کی ذمہ داری لی۔ اور یوں تقریباً دس فٹ موٹا بلاک اس انسانی جسم پر سے اُتار لیا گیا۔ گویا اب ہم جو اس کی کٹائی کر رہے تھے اس کا مجموعی حجم بارہ سے پندرہ فٹ تک تھا۔ شام تک بڑی احتیاط کے ساتھ یہ کام مکمل کیا گیا۔ سورج مغرب کی گود میں چھپنے کی تیاریاں کر رہا تھا تو ہم بڑی بڑی کرینوں کے ذریعے برف کے اس تودے کو اس کی جگہ سے نکالنے میں کامیاب ہو سکے۔

انتہائی طاقتور اور وسیع و عریض ٹرک کے پچھلے حصے میں برف کے اس بلاک کو ہم نے پچاس قیدیوں کی مدد سے رکھا۔ اور پھر اس کے لئے جو کچھ انتظامات کئے گئے تھے اُس سلسلے میں کارروائی ہونے لگی۔ سیلوفین کے بڑے بڑے تھیلے اس برف پر ڈال دیئے گئے اور پھر ٹین کی بوریوں سے اسے اچھی طرح ڈھک دیا گیا۔ بلاک نکالنے کے بعد ہم نے انسانی بدن کو بغور دیکھا تھا۔ یہ بلاشبہ ایک مکمل انسان تھا۔ لیکن اُس کے حلیئے اور شکل و صورت سے یہی اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ کسی قدیم قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ کونسے قبیلے سے اس کا تعلق ہے اس کا تعین تو علی فیضان ہی کر سکتا تھا۔ یہ بات ہمارے بس کی نہ تھی۔ میں نے علی فیضان کے نام ایک رقعہ لکھ کر تیار کر لیا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ خود ہی ٹرک میں بیٹھ کر البصارہ روانہ ہو جاؤں اور اُسے اپنے ہاتھوں سے یہ تحفہ پیش کروں۔ لیکن ظاہر ہے یہاں پانچسو مزدور اور ایک اہم کام کا مسئلہ درپیش تھا اس لئے اس جگہ کو چھوڑنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ البتہ میں نے اپنے ایک خاص دوست کو رقعہ دیکر ٹرک کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ٹرک میں چار آدمی مزید بیٹھ گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر علی فیضان خود ہی اس بلاک کو اُتروانے کا ذمہ دار تھا۔ میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ لیکن میرے ذہن میں یہ تجسس تھا کہ جس وقت بھی علی فیضان اپنا یہ کام مکمل کرے تو میں یہ معلوم کروں کہ یہ برف میں جما ہوا انسان کون ہے اور اس کا تعلق کس قبیلے سے تھا۔ کیا یہ مر چکا ہے۔ اگر مر چکا ہے تو اس کی موت کو کتنا عرصہ ہو گیا اور برف میں دبے رہنے سے اور مزید کتنے عرصے تک اس کا جسم گلنے اور سڑنے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ بہت سے سوالات میرے ذہن میں تھے لیکن اُن کا جواب اُسی وقت مل سکتا تھا۔ جب علی فیضان اپنا کام مکمل کر لیتا۔

⁂

میرا دوست احمد رضا ہمدانی ایک اعلیٰ نصب انسان ہے۔ پشتوں سے یہ خاندان ایک باعزت اور صاحب حیثیت خاندان کی حیثیت سے روشناس ہے اور ایک بے داغ ماضی کا حامل ہے۔ اس خاندان میں ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگ شامل رہے ہیں اور انہوں نے اپنے فن اور پیشے میں ایک نمایاں حیثیت حاصل کی ہے۔ رضا ہمدانی بھی ایک چھوٹی سی حیثیت سے محکمہ ریلوے میں ملازم ہوا تھا۔ لیکن اپنی ملازمت کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی تعلیم بھی جاری رکھی۔ اور بالآخر اس محکمے میں چیف انجینئر کی حیثیت سے مقرر ہو گیا۔ میرے لئے اور اس خاندان کے جاننے والوں کے لئے یہ کوئی قابل حیرت بات نہیں ہے اس کے چچا حسام الدین بلوغی جو پہلے ایک تاجر تھے۔ لیکن تجارت کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی ان کا نمایاں دخل رہا۔ ابتداً ایک پارٹی سے کی اور شاید انتہا بھی اُسی پارٹی میں ہو۔ یہ پارٹی ان دنوں برسر اقتدار ہے اور حسام الدین بلوغی ریلوے وزیر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ خود میں اپنا تعارف آپ سے کراؤں۔

"مجھے علی فیضان کہتے ہیں۔ اگر خود ستائی نہ سمجھی جائے تو یہ کہوں کہ میرا خاندان بھی ایک اچھا خاندان شمار ہوتا ہے۔ میں اتفاق سے اپنے والد دو چچا اور دو تایاؤں میں تنہا اولاد نرینہ ہوں۔ اس خاندان میں لڑکیاں تو عموماً پیدا ہوتی رہیں لیکن لڑکا صرف میں ہوں۔ اس طرح خاندان بھر کا چہیتا رہا، ہر ایک کی محبت حاصل رہی لیکن ایک ذرا سی بد قسمتی بھی شامل ہے وہ یوں کہ ہمارے خاندان میں چھوٹا سا تنازعہ ہو گیا۔ اُس وقت جب میرے والد حیات تھے میرے ایک چچا نے کوشش کی کہ میری شادی اُن کی صاحبزادی سے ہو جائے لیکن میرے مشاغل ذرا مختلف تھے۔ میں زمین کے سینے میں دیکھنے کا خواہاں تھا اور میری تمام تر دلچسپیاں میرے اپنے فن سے وابستہ تھیں۔ ہاں میں اسے پیشہ نہیں کہوں گا۔ پھر میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ سفارشوں سے اور کچھ میری انفرادیت سے متاثر ہو کر مجھے بہت سے عہدے پیش کئے گئے لیکن میں نے ان میں سے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔ میں اپنے طور پر زندگی گزارنے کا شائق تھا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے جیسے کروڑوں افراد جو اپنے آپ میں مگن رہکر

اپنے شوق کی تکمیل کرنے میں مصروف رہتے ہیں وہ ایسا نہیں کر پاتے۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مالی وسائل اِن کے آڑے آتے ہیں اور وہ اپنے شوق کو پسِ پشت ڈال کر زندگی کے بوجھ کو اُٹھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں لیکن بفضلِ تعالیٰ میرے ساتھ ایسا نہیں ہے والد صاحب کی چھوڑی ہوئی دولت اتنی ہے کہ میں اگر ساری زندگی اسی انداز میں گزار دوں تو اپنے بعد بھی اوروں کے لئے بہت کچھ چھوڑ جاؤں گا۔ البتہ اس دولت کا بہترین مصرف میں نے یہی سوچا کہ اپنے لئے ایک اعلیٰ پائے کی لیبارٹری قائم کروں۔ چنانچہ شہر سے الگ تھلگ البصارہ کے خوبصورت مقام پر میری عظیم الشان کوٹھی ہے اور اس کا ایک چھوٹا سا حصہ میں نے اپنی رہائش گاہ کے لئے رکھا ہے۔ بقیہ حصہ میں ایک عجائب خانہ ہے۔ اسے عجائب خانہ ہی کہنا بہتر ہے کیونکہ آرکیالوجی سے متعلق بے شمار چیزیں لاکھوں نوادرات اور میرے شوق کی تکمیل کا بیشتر سامان یہاں بکھرا پڑا ہے۔ ملک بھر سے اور ملک کے باہر سے جن افراد کو میرے شوق اور خزینہ کا علم ہوتا ہے وہ یہاں آکر مجھ سے ملاقات کرتے ہیں اور میری اس حقیر سی کوشش کو بہت سراہتے بھی ہیں۔

انسانی اجسام کے بارے میں میرا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ہزاروں کتابیں میری لائبریری میں موجود ہیں۔ اور میرے لئے ایک بہترین مشغلہ یہی ہے کہ میں اِن کتابوں میں ماضی تلاش کروں۔ زمین کی تبدیلیاں، قدیم لوگوں کا اندازِ فکر اور نہ جانے کون کون سے موضوعات ہیں جو میری دلچسپی کا باعث ہیں اور جن پر میں کافی محنت کر رہا ہوں۔ انسانی جسم کے بارے میں میں نے بے شمار مقالے لکھے ہیں، بہت سی تحقیقات کی ہیں اور اب بھی اِن میں مصروف ہوں۔ اگر میری زندگی میں رنگینیوں کا تصور کیا جائے تو میں کبھی ان تمام معاملات میں ملوث نہیں رہا ہوں۔ عورت کائنات کی ایک لطیف شے ہے۔ مجھے اس کی لطافت کا اعتراف ہے لیکن اس لطافت کو میں داغدار نہیں دیکھنا چاہتا۔ بے شمار واقعات میری زندگی میں آئے یہاں مجھے بہت سی اُلجھنوں سے واسطہ پڑا۔ لیکن اِن کا تذکرہ اس وقت بے مقصد ہے یعنی اگر میں یگانہ کی بات کروں تو ممکن ہے آپ کو اس میں کچھ دلکشی محسوس ہو۔ لیکن میرے لئے وہ ایک الگ موضوع ہو جاتا ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ یگانہ سے میری ملاقات ایک چھوٹے سے ہوائی سفر کے دوران ہوئی۔ نہائی لسنعلیق خاتون تھیں۔ بہت ہی شگفتہ مزاج اور زندگی کے ہر موضوع پر بولنے میں ماہر۔ میری شریکِ سفر تھیں۔ میں اُن سے متاثر ہو گیا لیکن صرف اس حد تک کہ اچھی گفتگو کی جا سکے۔ سو دورانِ سفر ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے اُنہوں نے میرے بارے میں جانا اور بہت دلچسپی ظاہر کی۔ میں چونکہ اپنے بے شمار دوستوں کو اپنی اس عجائب گاہ میں دعوت دے چکا تھا چنانچہ سرسری طور پر میں نے خاتون یگانہ کو بھی دعوت دے ڈالی۔ انہوں نے فوراً ایک وقت مقرر کر لیا۔ وہ بڑی پابندِ وقت تھیں کہ جونہی گھڑیال نے اُس وقت کا اظہار کیا اِن کی خوبصورت کار میری کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ میں نے اِن کی اس ادا کو بھی پسند کیا تھا۔ بہرصورت میں نے خود سے اپنے نوادرات سے انہیں متعارف کرایا اور وہ اتنی متاثر ہوئیں کہ اُنہوں نے مجھ سے اجازت مانگی کہ کبھی کبھی انہیں وہاں آنے دیا جائے۔ چنانچہ خاتون یگانہ آتی رہیں اور جب مجھے محسوس ہوا کہ وہ دورانِ گفتگو کچھ جذباتی سی ہو جاتی ہیں اور میری تنہائی اور شخصیت کے بارے میں بڑی فکرمندی کا اظہار کرتی ہیں تو میں بھی فکرمند ہوا۔ ظاہر ہے میں اپنی شخصیت پر کسی کا تسلط پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے خاتون یگانہ سے اِن کے اپنے بارے میں پوچھا تو وہ اُداس ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے حالات بتاتے ہوئے کہا کہ اب سے کچھ عرصہ قبل زیادہ بہتر حالات میں نہ تھیں لیکن مجبور ہو کر اُنہوں نے ایک ایسا پیشہ اختیار کر لیا جو شرفا کی نگاہ میں قابلِ احترام نہیں ہے۔ یعنی وہ ایک کلب میں رقاصہ تھیں۔ یوں تو رقص و سرود کو اعضاء کی شاعری سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن اگر خاندانی نقطۂ نگاہ سے اُس پر غور کرتا جس کی ابھی تک نوبت نہیں آئی ہے تو مجھے عورت کی یہ برہنگی یہ نمائش دل سے ناپسند تھی۔ عورت کا جو منصب قدرت نے ودیعت کیا ہے اگر وہ اس سے ہٹ جائے تو پھر وہ ایک حقیقت نہیں رہتی۔ میں حقیقت کو حقیقت کے رُوپ میں دیکھنے کا قائل تھا۔ لیکن اگر یہ حقیقت میری ذات میں شامل نہ ہوتی۔ بہرصورت میں نے خاتون یگانہ کی دعوت پر اِن کے کلب کو بھی دیکھا اور اِن کے رقص کو بھی۔ یہاں سے میرا دل اِن سے کچھ اُچاٹ سا گیا۔ ہر چند کہ میں نے اِن خاتون سے کسی قسم کی بیزاری یا نفرت کا اظہار تو نہیں کیا لیکن اس دن کے بعد سے میں نے انہیں اپنے ہاں مدعو نہیں کیا جبکہ وہ آج تک کبھی کبھی مجھ سے ملنے چلی آتی ہیں اور اب بھی یہ احساس اِن کے ذہن میں جاگزیں ہے کہ میں اِن سے بیحد متاثر ہوا ہوں۔

دیکھئے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ عورت ایک جھٹکا دینے والا لفظ ہے تو غلط نہ ہوگا۔ یعنی موضوع تھا اپنے دوست رضا ہمدانی کا۔ اور آگے ہم تحریر بیگانہ پر... تو رضا ہمدانی سے میری ملاقات بہت ہی کم ہوتی تھی۔ وہ بے چارا اپنی مصروفیات میں رہتا تھا اور میں اپنے طور پر ان مصروفیات میں مصروف تھا۔ ہاں جب اس شام۔ بلکہ اس رات کہنا چاہیئے کہ ایک دیوہیکل ٹرک میری کوٹھی کے دروازے کے پاس آکر رک گیا تو میں اس وقت اپنی کوٹھی کے بالائی حصے کے ایک دریچے میں کھڑا بہت دور چھوٹے سے چاند کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ آہستہ سن بلوغت کی طرف گامزن تھا۔ اس چھوٹے سے چاند کو دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات تھے لیکن اس دیوہیکل ٹرک کے پرشور انجن کی آواز نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس کا اس طرح میری کوٹھی کے سامنے رکنا ذرا تعجب خیز تھا۔ میں نے اپنے ایک ملازم کو صورتحال کی دریافت کے لئے بھیجا تو وہ ایک حسین و جمیل شخص کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص کا نام جمیلی تھا۔ جمیلی نے مجھے ایک رقعہ پیش کیا۔ اور بتایا کہ یہ رقعہ رضا ہمدانی کی طرف سے ہے۔ رقعے میں، میں نے جو کچھ پڑھا اسے پڑھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔ میں فوراً جمیلی کے ساتھ اس ٹرک کے نزدیک آیا اور میں نے برف کی وہ عظیم سل ٹرک کے پچھلے حصے میں رکھی ہوئی دیکھی چکنی شفاف اور ٹھوس برف کے درمیان وہ انسانی وجود ایک دھندے نقطے کی مانند نظر آ رہا تھا کیونکہ فضا میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹرک کو اندر داخل ہونے میں کچھ مشکلات در پیش تھیں طے یہ کیا گیا کہ کسی بھی ذریعے سے برف کی یہ سل کوٹھی کے باہر ہی اتار لی جائے اور پھر اسے اندر پہنچایا جائے۔ لیکن کسی ذریعے کا حصول رات کے اس وقت آسان نہ تھا۔ تب ...نے رضا ہمدانی کے نائب جمیلی سے کہا کہ اگر وہ صبح تک ...ظار کرے تو بڑی عنایت ہوگی اس کی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جس طرح آپ مناسب سمجھیں انتظام کرائیں۔"

میں نے سب سے پہلے جمیلی اور آنے والے باقی ماندہ افراد کے قیام کا بندوبست کیا۔ ان کی خاطر مدارت کے لئے جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔ پھر ایک دوست کو فون کیا جو مقامی محکمے میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھے۔ میں نے انہیں اپنی مشکل بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے ایک ایسی کرین درکار ہے جو میری کوٹھی میں داخل ہو سکے اور جو ایک نہایت وزنی برف کی سل اٹھا سکے۔ میرے دوست نے اس سل کا وزن وغیرہ معلوم کرنے کے بعد مجھ سے کہا۔

"اگر میں یہ کام کل تک کے لئے ملتوی کر دوں تو کیا حرج ہے؟"

میں نے اپنی بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ زیادہ سے زیادہ صبح تک انتظار کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ مجھے الجھن ہوگی قصہ مختصر یہ کہ میرے دوست نے میری ضرورت کے مطابق سب انتظامات کرا دیئے۔ اور برف کی یہ عظیم الشان سل جو نہ جانے کتنے گھنٹے کا سفر کرنے کے بعد بھی ذرا سی بھی نہیں پگھلی تھی میری اس عظیم الشان تجربے گاہ میں پہنچ گئی۔ ایک بہت بڑے ہال میں میں نے اسے ایسی جگہ رکھوایا تھا جہاں اگر وہ بہے تو ایک مخصوص ذریعے سے وہ پانی تجربے گاہ سے باہر نکل جائے یہ تمام انتظامات میں نے دوسری صبح ساڑھے دس بجے تک کر لئے تھے۔ جب میرے مہمان ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوئے تو میں انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے تیار تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خود میری یہی خواہش تھی کہ میں ان لوگوں کو جلد از جلد روانہ کر دوں۔ اور اس کے بعد اپنی تجربے گاہ میں مصروف ہو جاؤں چنانچہ میں نے رضا ہمدانی کے نام شکریئے کا ایک خط لکھا۔ اور اس نادر تحفے پر بے پناہ مسرت اور ممنونیت کا اظہار کیا۔ اور اس کے بعد یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ ان کی روانگی کے بعد میں اپنی تجربہ گاہ میں آ گیا۔ عموماً میں یہاں تنہا ہی ہوتا تھا۔ اگر کوئی خاص ہی سلسلہ در پیش ہوتا تو میں اپنے چند رفقاء کو اپنے پاس بلا لیا کرتا تھا۔ یہ سب کے سب آرکیالوجی کی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ اور ملازمت کرتے تھے۔ لیکن اگر کبھی مجھے ان کی ضرورت ہوتی تھی تو یہ میرے ساتھ مکمل تعاون کرتے تھے یہاں سے کچھ سیکھتے تھے کچھ مجھے بتاتے تھے اور برابری کی بنیاد پر ان سے رابطہ قائم تھا۔ لیکن اس وقت اس نادر شے کے بارے میں میں نے کسی کو کچھ بتانا پسند نہ کیا۔ میں اس کا تفصیلی معائنہ کرنا چاہتا تھا اور اس کے بعد کوئی بہت ہی عمدہ بات مجھے معلوم ہو جاتی تو اس کا انکشاف میرے لئے زیادہ دلکش ہوتا۔

بہر حال میں اپنے دوست رضا ہمدانی کا تہہ دل سے شکر گزار تھا کہ اس نے میرے لئے میری پسند کے مطابق ایک ایسا دلچسپ مشغلہ فراہم کر دیا تھا جو میری زندگی میں بہت سے تجربات کے نئے باب کھول سکتا تھا۔ اس انوکھے انسان کے بارے میں جو تفصیلات بلکہ مختصر تفصیلات مجھے ملی تھیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ سڑک کی تعمیر کے سلسلے میں جس قدیم ترین

برفانی تودوں کی کھدائی کی جا رہی تھی یہ اُن تودوں کے درمیان ایک گہرے غار میں سے فراہم ہوا تھا۔ اس گہرے غار میں اس کی موجودگی کیا معنی رکھتی تھی اور پھر یہ کہ برف میں جم جانے کے بعد ایک انسان میں زندگی کے کیا آثار باقی رہ سکتے ہیں۔ نیز اس شخص کی شکل و صورت اُس کے بدن پر موجود اشیاء اور اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے نیزے کی تاریخ کیا ہے۔ یہ کتنا قدیم انسان ہے اور برفانی تودوں کے درمیان کس طرح پہنچا جس علاقے کے بارے میں میرے دوست نے نشاندہی کی تھی اُس کے بارے میں مجھے بھی کچھ تفصیلات معلوم تھیں۔ یہ قدیم ترین علاقہ صدیوں سے برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہاں تقریباً سال کے دس مہینوں میں برفباری ہوتی رہتی تھی۔ باقی دو ماہ کا موسم بھی ایک طرح سے برف آلود ہی رہتا تھا۔ یہ برف قدیم ہونے کی وجہ سے جم جم کر اس قدر ٹھوس ہو گئی تھی کہ اسے کاٹنا یا توڑنا کسی عام ذریعے سے ممکن نہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے دوست نے اس برف کی کٹائی کے لئے یقیناً بہت بڑی بڑی مشینیں منگوائی ہوں گی اور ان کے ذریعے اسے کاٹ کر مجھے روانہ کیا ہوگا۔ بہرصورت اس کی عزت افزائی اور یادآوری کا میں ممنون تھا اور میں نے اپنے خط میں اُسے بہت بہت شکریہ لکھ کر بھیجا تھا۔ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر میں اپنی تجربہ گاہ میں پہنچ گیا اور برف کی اس عظیم الشان سل کے نزدیک کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ میری نگاہیں برف کے درمیان جمے ہوئے اس انوکھے وجود کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ ایک جوان آدمی تھا، تندرست و توانا اور خوبصورت خدوخال کا مالک۔ اس کے جسم پر بنے ہوئے نقش و نگار اب بھی اسی طرح محفوظ تھے اور شفاف برف میں سے بہت عمدگی سے نظر آ رہے تھے۔ نیزے کی انی چمک رہی تھی گویا اس کی دھار بے داغ تھی اور کہیں سے مڑی نہ تھی۔ نیزہ اس کے سینے پر رکھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں اس انداز میں بند تھیں جیسے وہ کسی قدر کرب و اذیت کے عالم میں ہو۔ جبکہ چہرے کے تاثرات سے اس کرب کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق یہ شخص جس طرح کے موتی اور ہار وغیرہ پہنے ہوئے تھا۔ یہ تقریباً چار ہزار سال پرانے ہوں گے۔ تاہم یہ صرف ایک ایسا اندازہ تھا جسے ہم دُور دُور کی بات کہہ سکتے ہیں۔ اصل بات تو اُس وقت معلوم ہوگی جب یہ موتی میرے سامنے اور ان مشینوں کے پاس پہنچ جائیں جو ان کی قدامت کا صحیح تجزیہ کر کے مجھے ان سے آگاہ کر سکتی تھیں۔ بےشمار خیالات میرے ذہن میں رقصاں تھے۔ کئی افراد مجھے یاد آئے جو میری طرح آرکیا

آرکیالوجسٹ تھے اور اُنہوں نے کچھ اضافی خصوصیات حاصل کر لی تھیں۔ مثلاً پروفیسر فردوسی، سلمان فردوسی صاحب ایک عمر رسیدہ انسان تھے اور زمانہ قدیم کے بارے میں ان کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ ان کا کام بھی بہت بڑا تھا اور ایک آرکیالوجسٹ کی حیثیت سے وہ بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے۔ لیکن ایسے لوگوں کو اس جسم پر توجہ دینے کی دعوت اُس وقت دی جا سکتی تھی جب میں اس کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہتا۔ بہتر تو یہ تھا کہ میں اپنے طور پر سب کچھ کر لیتا اور پھر انہیں اس قدیم ترین انسان سے روشناس کراتا۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اپنے اس کام میں کامیابی حاصل کر لوں۔ برف کے پگھلنے کے انداز کو میں نے بخوبی محسوس کر لیا تھا مجھے یقین تھا کہ اگر برف کا یہ بلاک چھ ماہ تک بھی اس لیبارٹری میں پڑا رہے تو اس میں سے چند قطرے پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکے گا۔ وہ ٹھوس ہو ہو کر ایسی سخت ماہیت اختیار کر چکا تھا کہ اسے اب باآسانی نہیں پگھلایا جا سکتا تھا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق ملازم نے مجھے کافی پیش کر دی۔ کافی کے سپ لیتے ہوئے میں اسی کے بارے میں سوچتا رہا کہ مجھے اپنے کام کی ابتداء کہاں سے شروع کرنی چاہیئے۔ یہ میرا اُصول ہے کہ جب میں کوئی کام کرتا ہوں تو اس کی باقاعدہ ترتیب کی جاتی ہے۔ یعنی میں خود ہی اس کام کو کرنے کے لئے اپنے وقت کے ایک ایک لمحہ کا حساب لگاتا ہوں ایک طرح سے میں اپنا سیکریٹری خود بن جاتا ہوں اور اُس وقت کا تعین کرتا ہوں جس وقت میں مجھے مختلف کام کرنے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ نیا طریقہ میرے سامنے تھا اس میں سب سے پہلا کام یہ تھا کہ میں اس برف کو پگھلاؤں اور اس کے درمیان سے اس انسانی جسم کو برآمد کر دوں۔ برف کو پگھلانے کے لئے مختلف طریقے میرے ذہن میں آئے۔ اگر میں اسے ایٹمی گرمی پہنچاتا ہوں تو اس بات کا امکان بھی ہے کہ ایٹمی شعاعیں برف سے گزر کر اس جسم کو چھو لیں اور اس کو نقصان پہنچا دیں۔ برف میں جما ہوا ایک انسانی بدن ظاہر ہے اپنی اندرونی خصوصیات کھو بیٹھا ہوگا۔ اس میں خستگی پیدا ہو گئی ہوگی اور ایک ہلکا سا دھماکا یا کوئی ارتعاش اس وجود کو ریزہ ریزہ کر سکتا ہے۔ ایٹمی شعاعوں کو برف میں سے گزارنے یا برف میں شامل کرنے سے اس جسم کو نقصان پہنچ سکتا تھا دوسری صورت یہی ہو سکتی تھی کہ میں بہت لطیف اور دھیمی آنچ اس برف کو دوں جس سے یہ آہستہ آہستہ پگھلے ہاں اگر مجھے اس کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا حاصل ہو جاتا تو میں اس کو ایک

مشین پر رکھ کر اس کا یہ تجزیہ کرنا کہ اس ٹکڑے کو پگھلانے کے لئے مجھے کتنی قوت صرف کرنا ہوگی۔ لیکن اس ٹکڑے کا حصول آسان کام نہ تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ جب میرے دوست رضا ہمدانی نے اس برف کو کاٹنے کے لئے مشینیں فراہم کر لی تھیں تو اس کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کا حصول میرے لئے دشوار تو نہ تھا۔ یہ خیال خاصا دلچسپ تھا اور کام کی ابتدا یہیں سے کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ کافی ختم کر کے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور میں نے لیبارٹری کے دوسرے حصے میں جا کر وہ تیز الیکٹرک آریاں نکالیں جن کی مدد سے لوہا، فائبر، لکڑی اور ہر قسم کی سخت سے سخت دھات کاٹی جا سکتی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے ان آریوں سے سخت ترین پتھر اور ربڑ تک کاٹے تھے۔ الیکٹرک کی آری میں اپنی پسند کا بلیڈ لگانے کے بعد میں نے اس کا پلگ ایک لمبے تار سے منسلک کیا تاکہ ساکٹ سے برف کی سِل تک آری کو لانے میں کوئی دقت نہ ہو۔ پھر آری کا سوئچ لگانے کے بعد میں اسے لئے ہوئے برف کی سِل تک پہنچ گیا اور میں نے اس پُراسرار وجود کی آرامگاہ میں مداخلت شروع کر دی۔ برف کے ایک سائڈ میں نے آری رکھ دی۔ اور آری ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ اس پر پھسلنے لگی۔ برف میں ایک باریک سا نشان پڑ گیا تھا اور مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ میرے ہلکا سا دباؤ ڈالنے سے یہ نشان اندر ہی اندر بڑھنے لگا۔ بیشک برف بہت ٹھوس تھی اور اب اس کے پگھلنے کی رفتار بہت سست تھی۔ لیکن اسے آری سے کاٹا جا سکتا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ پگھلائی بھی جا سکتی ہے اور یہ کام ناقابلِ عمل نہیں تھا۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد میں تقریباً ایک کلو وزن کے برابر برف کا ٹکڑا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر خوشی خوشی میں نے ایک ٹکڑے کو اٹھایا اور پھر تجربہ گاہ کی ایک میز پر پہنچ گیا۔ میں نے ایک چارٹ اپنے نزدیک رکھ لیا تھا۔ ایٹامک لیمپ روشن کر کے میں نے برف کے ٹکڑے کو اس کی شعاعوں کی زد میں دبا دیا اور پھر اس ایٹامک لیمپ کے ڈائل پر اس کی قوت کا تجزیہ کرتا رہا ڈائل کی سوئی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی اور شعاعیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اسی درجے پر پہنچ کر برف میں کچھ حرارت محسوس ہوئی۔ اور اس سے ہلکی ہلکی بھاپ خارج ہونے لگی۔ میں نے ان شعاعوں کو تیز کیا تو یہ بھاپ بند ہو گئی۔ گویا اس برف کو اسی درجے کی حرارت چاہیئے تھی۔ چنانچہ میں نے تین لیمپ مختلف سمتوں میں رکھ دیئے اور ان کی شعاعیں برف کے ٹکڑے پر ڈالنے لگا۔ ساتھ ہی گھڑی بھی نزدیک ہی رکھ لی تھی۔ تقریباً تین یا چار منٹ کے بعد اس ٹکڑے میں پھر تحریک شروع ہوئی اور وہی بھاپ پھر خارج ہونے لگی اور اس بار اس کے بلند ہونے کا حجم زیادہ تھا۔ میں صبر و سکون سے انتظار کرتا رہا۔ برف کا ٹکڑا آہستہ آہستہ پگھل رہا تھا۔ اور اس ایک کلو کے ٹکڑے کو پگھلنے میں تقریباً بیس منٹ صرف ہوئے اب میز پر پانی پانی رہ گیا تھا۔ میں اپنے اس چھوٹے سے تجربے سے خوش تھا۔ برف کو پگھلایا جا سکتا تھا۔ اس ٹکڑے کو جس درجہ حرارت پر پگھلایا جا سکتا تھا تو اس پورے بلاک کو یقیناً زیادہ ٹمپریچر پر پگھلایا جا سکے گا اور اس احتیاط کے ساتھ کہ اس بدن کو نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ میں نے کافی پنسل لگا کر حساب لگانا شروع کر دیا اور اپنے طور پر دیر تک مصروف رہا اس کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ تودے کو کہاں پگھلایا جائے گا جس جگہ میں نے اسے رکھوایا تھا وہاں سے ہٹانا کسی طور ممکن نہیں تھا لیکن مجھے پگھلی ہوئی برف کے پانی کو باہر نکالنے کے لئے بندوبست کرنا تھا چنانچہ میں نے اپنے ملازموں کو ہدایات جاری کیں اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ سارا دن ضروری تیاریوں میں صرف ہو گیا تھا بس میری تجربہ گاہ میں اتنی سی تبدیلی ہوئی تھی کہ تھوڑا سا پانی اس اسٹینڈ سے نیچے آ رہا تھا جس پر وہ برف کی سِل رکھی ہوئی تھی۔ اگر میں اخباری نمائندے یا اپنی فیلڈ کے لوگوں کو اس کی ذرا سی بھنک بھی دے دیتا تو اس وقت یقیناً میری کوٹھی پر مجمع لگ چکا ہوتا، طرح طرح کے سوال کئے جاتے اور ممکن ہے کہ حکومت اس سلسلے میں مجھے کوئی کاروائی نہ کرنے دیتی اور خود معلومات حاصل کرنا چاہتی تو برف کا یہ تودا سرکاری تحویل میں چلا جاتا۔ میں قطعی طور پر اس کے لئے تیار نہیں تھا اور نہ ہی مجھے اس بات کا شوق تھا کہ میں اس کی نمائش کروں۔ میں خود تو پہلے اندازہ لگا لوں کہ یہ چکر کیا ہے چنانچہ میں نے اس مسئلہ کو انتہائی خفیہ رکھا۔ ملازموں کو بس یہ بات معلوم تھی کہ برف کا ایک بہت بڑا بلاک یہاں آیا ہے۔ کس نے بھیجا ہے کیوں بھیجا ہے؟ اور اس میں کیا چیز پوشیدہ ہے۔ وہ کچھ نہیں جانتے تھے اور نہ انہیں یہ بتانے کی ضرورت تھی

رات کو ساڑھے گیارہ بجے تک اپنے تمام اُمور سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سارے انتظامات مکمل کر دیئے تجربہ گاہ کے اس حصے کو مخصوص درجۂ حرارت دے دیا گیا۔ یہ درجۂ حرارت اتنا تھا کہ میں وہاں خود نہیں بیٹھ سکتا تھا البتہ اس وقت تک میں وہاں رہا جب تک کہ اس درجۂ حرارت

کو میں برداشت کر سکتا تھا اور یہ نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ برف خاطر خواہ طور پر پگھلنے لگی ہے۔ چنانچہ تمام تر کارروائیاں کرنے کے بعد میں نے تجربہ گاہ کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور وہاں سے نکل آیا۔ اب مجھے وہاں جانے کی ضرورت نہیں تھی اور میں آرام کر سکتا تھا۔ لیکن برف میں جما ہوا انسان میرے لیے حیرت انگیز تھا۔ میں اس کے بارے میں بہت سی باتیں سوچ رہا تھا۔ چنانچہ بستر پر لیٹے لیٹے جب مجھے نیند نہ آئی تو میں اپنی لائبریری میں جا گھسا وہاں میں نے انسانی جسم کو منجمد کرنے اور اس پر اس کے اثرات پر تبصرہ کرنے والی کتاب نکال لی۔ اور کافی دیر تک اس کتاب کی ورق گردانی کرتا رہا اور بہت سے مفید پوائنٹ ایک علیحدہ کاغذ پر نوٹ کرتے رہے۔ تقریباً ساڑھے تین بجے میں نے سوچا کہ ایک چکر لگا کر دیکھ آؤں کہ برف پگھلنے کی رفتار کیا ہے چنانچہ میں اسی سمت چل پڑا۔ جو نالیاں پگھلے ہوئے پانی کو باہر نکالنے کے لئے بنائی گئی تھیں ان میں سے پانی بہتا دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔

میں نے تجربہ گاہ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا برف خاطر خواہ طور پر پگھل رہی تھی۔ لیکن ابھی اس کی ایک انچ کی تہہ بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ میں گہری سانس لے کر واپس آ گیا۔ اس کام کے لئے میں وقت کا کوئی تعین نہیں کر سکتا تھا بہرصورت مجھے صبر و سکون سے کام لینا تھا۔ رات کا بقیہ حصہ میں نے اطمینان سے سو کر گزارا۔ صبح ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے ملازموں کو ہدایت کی کہ اگر مجھ سے کوئی ملنے آئے تو ان سے کہہ دیا جائے کہ میں موجود نہیں ہوں۔ میں نے اپنی گاڑی بھی گیراج میں بند کر دی تھی۔ تاکہ لوگ گاڑی دیکھ کر ملازموں سے یہ سوال نہ کریں کہ گاڑی تو موجود ہے وہ کیسے چلے گئے اور پھر میں تجربہ گاہ میں آ گیا۔ برف تقریباً دو فٹ پگھل چکی تھی۔ اب اس کی رفتار بھی تیز ہو گئی تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ مسلسل درجہ حرارت نے اس کے مسامات کمزور کر دیئے ہوں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اگر اس کی یہی رفتار رہی تو آج کا دن اور رات شاید اس میں صرف ہو جائے۔ گویا دوسری صبح مجھے ہوشیار رہنا تھا لیکن اس وقت تک تو میں مسلسل ہوشیار ہی رہتا جب تک برف پگھل نہ جاتی اور یہ کام دوسری رات تقریباً چار بجے مکمل ہو گیا۔ بارہ بجے میں لیبارٹری سے نکلا تھا اور اس وقت برف کی سل تقریباً چوتھائی کے قریب رہ گئی تھی۔ لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے پگھلنے کی رفتار بڑھ گئی ہے چنانچہ میں ٹھیک ساڑھے تین بجے لیبارٹری چلا گیا اور مجھے اپنا آنا بروقت ہی

ہی محسوس ہوا۔ اب وہ وقت آگیا تھا جب برف کی موٹائی کم ہوتے ہوتے اس انسانی جسم تک پہنچ جائے۔ یعنی درمیان میں پھنسا ہوا جسم اب آزاد ہونے والا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس آزاد جسم کو میں کس طرح اٹھاؤں گا بقیہ برف کی پگھلنے کی مجھے کوئی فکر نہیں تھی کتنی ہی دیر سے پگھلے۔ بہرصورت اسے پگھلنا تو تھا ہی البتہ میں وہ انسانی جسم میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس کے لئے میں نے مناسب طور پر کاروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔

کمرے میں، میں نے ایک آرامدہ بستر تیار کر دیا ایک اچھے قسم کا اسٹریچر میں نے مہیا کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ تمام ضروری چیزیں جو کسی ایسے انسانی جسم کے لئے کارآمد ہو سکتی تھیں۔ تقریباً پونے پانچ بجے برف اس کے بدن پر سے ہٹ گئی۔ اب وہ برف کے پیالے میں رکھا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ میں اسٹریچر اپنے قریب لے آیا اور پھر میں نے پیروں میں موٹے بوٹ پہن کر برف کی سل پر چڑھ جانے کا فیصلہ کیا۔ برف کی سل پر چڑھ کر میں نے پہلی بار اس قدیم انسان کو چھو کر دیکھا۔ اس کا بدن برف ہی کی طرح سخت اور یخ تھا۔ اس پر انگلی رکھنے سے یہ احساس ہوتا تھا کہ جیسے برف پر انگلی رکھ دی ہے۔ میں نے سوچا کہ اس شخص کو برف میں سے اکھاڑنا کیا آسان ہوگا۔ اس وقت تک جب تک برف خود پگھل کر اس کی پشت سے نیچے نہ ہو جاتی۔ اس کو اٹھانا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ تاہم میں نے کوشش کی اور اس کا نیزہ اس کے بدن پر سے اٹھا لیا۔ مضبوط تانت کا نیزہ تھا۔ اس میں لگی ہوئی فولادی انی بیحد مضبوط معلوم ہوتی تھی۔ نیزہ اٹھاتے وقت میں نے اپنے جسم میں شاید سنسنی محسوس کی نہ جانے یہ نیزہ کتنا قدیم ہے، نجانے اس کی انی کتنے انسانوں کا خون پی چکی ہوگی۔

ایک قدیم ترین شے میرے ہاتھ میں تھی۔ نوادرات کی دنیا میں اس کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ یہ ایک انمول شے تھی اور اس کی نمائش ہزاروں انسانوں کو میری جانب متوجہ کر سکتی تھی۔ میں زیادہ جذباتی نہ ہوا اور اسے احتیاط سے ایک جگہ رکھ دیا پھر میں دوبارہ برف کی سل پر پہنچ گیا اور اس شخص کو دوبارہ چھوا وہ بدستور منجمد تھا۔ میں نے چند ساعت غور کیا پھر اپنا ہاتھ اس کے بازوؤں کے نیچے لگایا اور اپنی انگلیوں کو برف میں گھسانے کی کوشش کی۔ انگلیاں تو برف میں نہ گھسیں البتہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کا جسم برف کے اس پیالے میں یعنی وہ پیالہ جو اس کے جسم کے دباؤ سے برف میں بن گیا تھا۔ اس طرح رکھا ہے کہ اگر اسے اٹھانے کی کوشش کی جائے تو وہ باآسانی اٹھ سکتا ہے۔ اس کا بدن برف میں جما ہوا نہیں تھا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ وہ کنارے جو برف سے بن گئے تھے خالی ہو چکے تھے اور اب اس بدن کو اس برف پر سے اٹھایا جا سکتا تھا۔ میں نے اپنے جسم کی قوت کو آزمایا۔ تنومند و توانا جوان جو لکڑی کی طرح اکڑا ہوا تھا۔ میرے بازوؤں میں آ کر کیا مجھے اس کا موقع دیگا۔ کہ میں اسے اٹھا کر برف کی سل سے نیچے اتر جاؤں۔

میں نے اس کے وزن کا جائزہ لیا۔ ہرچند کہ میں بھی ایک توانا و تندرست آدمی ہوں اور ہلکی پھلکی ورزش کرنے کا عادی۔ میں نے اپنی صحت کا ہمیشہ خیال رکھا ہے اس لئے میں خود کو طاقتور لوگوں میں شمار کرتا ہوں۔ ہرچند کہ یہ طاقت کسی غلط ذریعے میں آج تک نہیں استعمال ہوئی۔ بہرصورت پھر بھی میں اپنے آپ سے مطمئن ہوں۔ میں نے اس بدن کو اٹھانے کی کوشش کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اسے یوں اٹھا لینا اس قدر آسان نہ ہوگا۔ البتہ میں گھسیٹ کر اسے برف کی سل کے کنارے لا سکتا تھا اور میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کی موتیوں کی مالا جس ڈوری میں پڑی ہوئی تھی وہ بھی اسی طرح سخت تھی۔ ہر چیز اکڑی ہوئی تھی۔ اور میں اس اکڑی ہوئی شے کو برف کے کنارے تک گھسیٹ لایا۔ جس میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی۔ برف کے کنارے پر لانے کے بعد میں نے پھرتی سے وہ اسٹریچر سل کے کنارے لگا دیا جس کا میں پہلے سے انتظام کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد برف میں جما ہوا وہ عجیب و غریب آدمی اسٹریچر پر منتقل ہو گیا۔ میں نے جلدی سے اسے کمبل سے ڈھک دیا تھا۔ قریب رکھا ہوا نیزہ میں نے اسٹریچر پر رکھا اور اس اسٹریچر کو دھکیلتا ہوا تجربہ گاہ کے اس حصے میں آگیا جہاں میں نے اس کے لئے ایک بستر کا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ بستر بھی مخصوص طرز کا تھا۔ اور اس میں مختلف قسم کے برقی تار لگے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں، میں ترتیب شدہ پروگرام کے مطابق مہارت سے عمل کر رہا تھا۔ اسٹریچر سے میں نے اسے بستر پر منتقل کر دیا۔ اور پھر گرم کمبلوں سے اسے ڈھک دیا گیا اب مجھے یہ انتظار کرنا تھا کہ اس کے جسم کی یہ یخ بستگی ختم ہو جائے تو میں معلوم کروں کہ اس میں زندگی کے کوئی آثار ہیں یا نہیں حالانکہ یہ ایک احمقانہ خیال تھا۔ طبی نقطۂ نگاہ سے ہزاروں سال پہلے اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔ لیکن یہ بھی ایک

احمقانہ سوچ تھی۔ میں کیسے کہہ سکتا تھا کہ یہ ہزاروں سال پرانا
انسان ہے۔ ممکن ہے اس کی عمر اتنی زیادہ نہ ہو۔ تاہم اسے
حاصل کر کے مجھے ایک خوشی سی ہو رہی تھی۔ میں اپنی تمام تر
ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے اس کے بدن کی یخ بستگی
کو ختم کرنے کا عمل کرتا رہا۔ میں نے آہستہ آہستہ اس کے بدن
میں الیکٹرک شاک پہنچائے۔ اس کے علاوہ الیکٹرک ہیٹر
میں نے اس کے قرب و جوار میں رکھ دیئے۔ تاکہ اسے ایک
ہلکی ہلکی حرارت ملتی رہے۔ تاہم ایک دم بھی اس کے بدن میں
حرارت دوڑا دینا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کا نیزہ البتہ
میں نے ہٹا کر ایک کونے میں رکھ دیا تھا۔ صبح ہونے کو تھی۔ میرے
ذہن میں خوشگوار احساسات تھے۔ میری آنکھیں نیند سے
بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اب مجھے کچھ آرام کرنا چاہیئے
آرام۔ یا پھر اس کے پاس مصروف رہوں۔

لیکن یہ ایک ایسی نایاب شے میرے ہاتھ لگی تھی کہ
آرام کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ جب تک اس کے بارے میں
مکمل انکشاف نہ ہو جائے۔ میں نے ملازم کو اپنا ناشتہ یہیں
لانے کی ہدایت کر دی تھی۔

پورا دن گزر گیا لیکن اس کے جسم کی یخ بستگی میں
کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی پتھر کی طرح سخت
اور زندگی سے عاری معلوم ہو رہا تھا۔ اس میں زندگی کا احساس
صرف میری اپنی اپج تھا۔ ورنہ کسی بھی طور اس کے بارے میں
یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس میں زندگی کی لہر دوڑ سکتی ہے
برف میں انسانی جسم محفوظ ضرور رہ سکتے ہیں لیکن ان میں زندگی
کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ بہرصورت اگر یہ جسم گرم ہو جائے اور اپنی
اصل حالت میں آ جائے تو کیفیت میں بھی اس کا تجزیہ برا نہ ہو گا۔
میں نے اس کے کئی فوٹوگراف بنائے۔ مختلف زاویوں سے
اس کی تصویر کشی کی۔ پھر کیمرہ رکھ کر میں نیزے کی طرف مڑ گیا۔
لیکن دوسرے لمحے میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ نیزہ اپنی اصل
حالت میں آ گیا۔ لیکن اس کی لکڑی کا رنگ عجیب و غریب ہو گیا
تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس میں تبدیلیاں ہو رہی ہوں۔ لیکن
یہ لکڑی انی کا بوجھ برداشت نہ کر سکی۔ اور زمین پر برادے کی
مانند بکھر گئی۔ میں ششدر رہ گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو
میں کچھ سوچ ہی نہ سکا۔ پھر میں نے اس کی کئی تصاویر بنا لیں
گویا لکڑی سوکھنے کے بعد اپنی بوسیدگی کی وجہ سے اس قابل
بھی نہ رہی تھی کہ چھوٹا سا وزن اٹھا سکتی۔ بہرصورت یہ ایک نیا
انکشاف تھا۔ اور میں یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ نیزہ کتنا قدیم ہو سکتا
ہے۔ میں نے پہلا کام یہی کیا کہ اس لکڑی کے برادے
کو ایک اخبار کے کاغذ کے ذریعے سمیٹ کر اسے ایک شیشے کے
جار میں بند کر دیا اور انی اپنے پاس محفوظ کر لی۔ یہ بدستور بہتر
حالت میں تھی اسے کسی خاص ذریعے سے بنایا گیا تھا۔ بہرصورت
ان دونوں چیزوں کو میں نے ایک میز پر رکھ دیا۔ یہ حیرت انگیز
واقعہ میرے لئے خاصا دل خوش کن تھا۔ میں اس برادے
کا تجزیہ کر کے کم از کم تھوڑا بہت اندازہ قائم کر سکتا تھا کہ یہ کتنا
پرانا ہو سکتا ہے لیکن ابھی اس کی فرصت نہ تھی۔ ابھی ایک
انسانی جسم میرے سامنے موجود تھا۔ مجھے یہ خدشہ تھا کہ کہیں
خشک ہو کر یہ بھی نہ بکھر جائے اور اس کے اجزا بنجر نہ نمایاں
ہو جائیں، کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ ہڈیاں بھی اسی طرح سے
خشک ہو کر برادہ بن جائیں اور میں اس عجیب و غریب
شے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ تصاویر تو بہرحال میرے کیمرے
میں محفوظ تھیں، میں آپ کو نہیں بتا سکتا کہ اس بدن پر
میں نے کس قدر محنت کی۔ میں نے اپنی تمام تر مہارتیں
آزما ڈالی تھیں۔ میں نے اس کے بدن کو موم کے غلاف میں
ملفوف کر دیا تھا تاکہ اگر اس کی خستگی نمایاں ہو تو بھی وہ اس
طرح بکھر نہ سکے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد میں انگلی سے
اس کی نرمی کا احساس کر لیتا تھا اور اس کام میں مجھے تقریباً
تین دن لگے۔ چھ سات دن سے میں انتھک محنت کر رہا
تھا اور میرے ملازم حیران تھے کہ میں ایسے کونسے کام میں
مصروف ہوں جس کی وجہ سے مجھے کھانے پینے تک کا ہوش
بھی نہیں رہا ہے۔ ان بیچاروں کو کیا پتہ تھا کہ میں اپنی زندگی
کے سب سے اہم تجربے میں مصروف ہوں۔ اور اگر یہ تجربہ
کامیاب ہو گیا تو میں اس دنیا کے سامنے واقعی ایک بہت
بڑا عجوبہ پیش کر سکوں گا۔ بہرصورت یہ نواں دن تھا جب میں
نے محسوس کیا کہ اس کے جسم میں نرمی پیدا ہو گئی ہے میں
نے اس کے سینے پر انگلی رکھ کر اسے دبایا تو مجھے اس کے بدن
میں نرمی کا احساس ہوا اور یہ احساس ہوتے ہی میں اچھل پڑا
تھا۔ چنانچہ وہ تمام مشینیں جو میں نے پہلے سے تیار کر رکھی تھیں
اس کے نزدیک لا کر رکھ دیں۔ میں نے ان سے کچھ تار جوڑے
اور ان کا ایک ایک سرا اس کے بدن اور دماغ سے جوڑ دیا
اس طرح میں اس کے بدن کی اس نرمی کو دائم و قائم رکھنا
چاہتا تھا۔ اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ نرم ہونے کے بعد اس کے
بدن میں درجہ حرارت کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ میں نے تجربگاہ
کا درجہ حرارت نارمل کر دیا۔ نواں دن بہت مصروف گزرا اور

میں اس جسم کی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ میرا وہ خدشہ بے بنیاد ہے۔ یعنی یہ کہ خشک ہونے کے بعد یہ بدن بھی بُرادے میں تبدیل ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے اُس پر سے مومی غلاف صاف کر دیا اور اس کی اصل کھال نمایاں ہو گئی۔ حالانکہ مومی غلاف اُتارتے وقت مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ کہیں زیادہ دباؤ نہ پڑ جائے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی اور وہ بدن بالکل انسانی بدن کی شکل میں نمایاں ہو گیا۔ اُس وقت تو میں حیرت سے بُری طرح اُچھل پڑا جب میں نے اپنے بنائے ہوئے ایک آلے پر بدن کا درجۂ حرارت دیکھا۔ آہستہ آہستہ اُس کے بدن کا درجۂ حرارت اُسی پوزیشن میں آتا جا رہا تھا جو انسانی جسم کا ہوتا ہے۔ یہ بات شدید تعجب خیز تھی۔ اس بات سے یہ امکان نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس میں زندگی بھی دوڑ سکتی ہے۔ ورنہ کسی مُردہ آدمی کا بدن ایک ایسے سرد بدن سے جو رُوح نکل جانے کے بعد رہ جاتا ہے تو نمایاں ہو سکتا تھا، لیکن اس میں گرمی کا وجود کسی طور پر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میری دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں جو محنت تو دن تک میں نے اُس پر کی تھی اب بارآور ہو رہی تھی یہ انتہائی تعجب خیز بات ہوتی اگر اس میں زندگی مل جاتی۔

مجھے یہی احساس ہو رہا تھا کہ اس قدیم انسان میں زندگی موجود ہے۔ یہ میرے لئے نہیں بلکہ دُنیا کے تجربات میں ایک حیرت انگیز اضافہ تھا۔ انسانی جسم اگر منجمد کر دیا جائے تو اس میں زندگی برقرار رہ سکتی ہے۔ اب میں ایک لمحہ کے لئے بھی اُس کے پاس سے نہیں ہٹ سکتا تھا۔ میں نے اُسے جس جگہ لٹایا ہوا تھا وہ ہر لحاظ سے ایک آرام دہ جگہ تھی۔ میں نے اُس کے بدن سے سارے تار وغیرہ ہٹا دیئے اور اُسے مکمل آزادی دیدی۔ ہاں ان چیزوں میں سے میں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا جو اُس کے پاس موجود تھیں یعنی موتیوں کی مالائیں اور اُس کی پیشانی پر چڑھی ہوئی وہ پیتل کی پٹی مجھے یہ احساس تھا کہ اگر وہ جاگ گیا اور کوئی چیز اُس نے کم پائی تو کہیں اُس کے ذہن میں کوئی بُرائی نہ جاگ اُٹھے۔ البتہ مجھے نیزے کی فکر تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اپنا نیزہ اپنے پاس نہ پا کر وہ کسی خوف یا پریشانی کا شکار نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس کے لئے بھی میں نے فوری بندوبست کرنا مناسب سمجھا۔ میں نے اپنے ایک ملازم کو دیکھ کہا کہ وہ اس میں لکڑی کا ایک ایسا لمبا دستہ ڈلوا کر لے آئے جس کی لمبائی اور قطر اتنا ہو جتنا میں نے پہلے سے موجود نیزہ کا تجزیہ کیا تھا۔ ملازم سے میں نے کہا کہ کتنے ہی پیسے خرچ ہوں اور کتنی ہی مشکل ہو بہرصورت یہ کام جلد از جلد کرانا ہے اور ملازم وہ انی لے کر چلا گیا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ میری مرضی کے مطابق نیزہ تیار کرا کر لے آیا۔ میں نے وہ نیزہ اُس نوجوان کے پاس بالکل پہلے کی طرح رکھ دیا۔ اور پھر انتظار کرنے لگا۔ کئی گھنٹے گزر گئے میری آنکھیں صرف چند لمحات کے لئے اُس پر سے ہٹ جاتی تھیں اس دوران مجھے کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ میری تمام تر دلچسپی اُسی پر مرکوز تھی اور اُس وقت میری حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے اس کی ہاتھوں کی اُنگلیوں میں حرکت دیکھی۔ یہ میری نظر کا دھوکہ نہیں تھا۔ ہاتھوں میں تشنج سا پیدا ہو گیا تھا۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ اس کا ایک ہاتھ اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہلا ہے۔ وہ پہلے جس طرح رکھا ہوا تھا وہ پوزیشن اب بدل گئی تھی۔ میں بھونچکا سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میں اس کی آنکھوں کے سامنے موجود نہیں تھا پشت پر موجود تھا تاکہ جاگنے کے بعد اس کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے اور وہ کسی غلط خیال کا شکار نہ ہو جائے۔ لیکن تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا اور کوئی تحریک نہ ہوئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر اُس کے بدن میں حرکت ہوئی اور ایک ہلکی سی آواز بھی اُس کے حلق سے نکلی۔

میں اس کی طرف بڑھا لیکن رُخ نہیں بدلا تھا۔ مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں وہ آنکھیں نہ کھولدے۔ آنکھیں کھولنے کے بعد اُس کی کیفیت کیا ہو گی اُس کا کوئی صحیح اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ بہرصورت میں اس صدی کے سب سے انوکھے تجربے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

مجھے میرے دوست نے ایک گراں قدر تحفے سے نوازا تھا۔ اور اس کے ذریعے میں نے ایک حیرت انگیز دریافت کر لی تھی۔ اور میں اس دریافت پر جس قدر بھی نازاں ہوتا کم تھا۔ تھوڑی دیر تک میں انتظار کرتا رہا پھر میں نے اس کے بازو میں ایک ایسا مادّہ انجکیٹ کیا جو اُس کے خون کی روانی میں تحریک لا سکتا تھا۔ یہ تمام امکانی چیزیں میں نے مہیا کر لی تھیں اور ضرورت پڑنے پر انہیں استعمال کر رہا تھا۔ یہ مادّہ انجکیٹ کرنے کے بعد میں اُس کے نتیجہ کا انتظار کرنے لگا۔ البتہ میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا ہو گیا تھا۔ میں تنہا اس پورے سلسلے کو کنٹرول نہیں کر سکوں گا۔ یہاں تک مجھے کامیابی نصیب ہو گئی تھی اور آگے کچھ شعبے میرے شعبے نہ تھے۔ اگر یہ انوکھا قیدی زندگی پا گیا ہے تو پھر اس کے بارے میں تحقیق بہرطور اتنی آسان نہ ہو گی جتنی میں سمجھ رہا تھا ممکن ہے اُسے کچھ اور چیزوں کی ضرورت پڑے اگر میں اس سلسلے میں اپنے رنگ

دوست سلمان قدوسی سے رابطہ قائم کروں تو وہ یقینی طور پر میری مدد کریں گے۔ اس خیال پر میں سوچتا رہا اور پھر فیصلہ کیا کہ سلیمان قدوسی کو بھی اس راز میں شریک کروں۔ چنانچہ میں نے ٹیلیفون کر کے سلیمان قدوسی سے رابطہ قائم کیا۔

"خادم علی فیضان بول رہا ہے۔"

"بہت عرصے کے بعد تمہاری آواز سُنی کہو کیسے مزاج ہیں۔ کیا کر رہے ہو آجکل"؟

"جو کچھ بھی کر رہا ہوں قدوسی صاحب اس میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"میری۔ کیا کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے۔"

"جی ہاں۔ اتنی ہی خاص کہ میں نے آپ کے قیمتی وقت کی بھی پرواہ نہیں کی۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہاری ذہانت کا قائل ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا کام بہت اہم ہوتا ہے۔ اور اگر تمہیں میری ضرورت درپیش آگئی ہے تو میں اسے اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔ میری بھی آجکل کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں فرخندہ کو بھی ساتھ لیتا آؤں وہ تم سے ملاقات کے لئے اکثر بے چین رہتی ہے۔ میں نے چند ساعت توقف کیا۔ خاتون فرخندہ بلاشبہ ایک اچھی شکل و صورت اور اچھے ذہن کی مالک تھیں لیکن جس مسئلہ کے لئے میں نے سلمان قدوسی کو بلوایا تھا۔ اس میں ان کی مداخلت ایک طرح سے مشکلات پیدا کر سکتی تھی۔ ظاہر ہے ہم ان پر توجہ نہ دے پاتے اور وہ اس بات پر ہم سے شاکی رہتیں میں خود کو کوئی ایسی شخصیت نہیں سمجھتا جس جانب لڑکیاں خاص طور سے راغب ہوں۔ لیکن بس اسے کیا کہا جائے کہ فرخندہ بھی خاتون بیگانہ کی طرح میری توجہ کی طالب تھیں اور کئی بار اس جانب اشارہ کر چکی تھیں لیکن میں اپنی دُنیا میں مگن آدمی تھا مجھے ان لطیف اشاروں سے کوئی خاص رغبت نہ تھی تاہم پروفیسر قدوسی نے جس انداز میں یہ درخواست کی تھی میں اسے رد نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے چند لمحات کے توقف کے بعد کہا۔

"فرخندہ اگر آنا چاہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے میرے ذہن میں تو بس ایک ہی خیال تھا کہ یہاں ان کی کوئی ہمعصر نہیں ہے ہم جس شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اس میں خشک گفتگو اور بے تکے تجربات کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ فرخندہ خاتون اس زمانے کی خاتون ہیں اور انہیں ہم جیسے ویران لوگوں سے مل کر کوئی خاص خوشی نہ ہوگی۔ پھر بھی میں ان کے استقبال لئے تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہم دونوں پہنچ رہے ہیں۔ مجھے واقعی تجسّس پیدا ہو گیا ہے کہ تم نے نہ جانے کیوں مجھے طلب کیا ہے"؟

"بہت بہتر۔ میں منتظر ہوں۔" اور میں نے فون بند کر دیا۔

سلمان قدوسی کو اس راز میں شریک کرنے کا فیصلہ میں نے بحالت مجبوری کیا تھا۔ حالانکہ میری مرضی یہ تھی کہ سب کام مکمل کر کے ہی کسی دوسرے کو اس سے آگاہ کروں۔ سلمان قدوسی بلاشبہ بہت تجربہ کار اور مجھ سے کہیں زیادہ آگے تھے۔ اس سلسلے میں وہ جو بھی مشورہ دیتے یقیناً وہ بہتر ہوتا۔ چنانچہ اسی لئے میں نے ان کی ضرورت محسوس کی تھی۔ لیکن ان کے ساتھ فرخندہ خاتون بھی آ رہی تھیں۔

لطافیہ سے البصارہ کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ سلمان قدوسی کو یہاں آنے میں کئی گھنٹے لگ جائے۔ تقریباً پون گھنٹے بعد ان کی لمبی خوبصورت کار میری کوٹھی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔

میں برآمدے ہی میں ان کا منتظر تھا۔ میں اس کے پاس نہیں گیا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کی موجودہ کیفیت کیا ہے۔ جب سلمان قدوسی اپنی گاڑی سے نیچے اترے تو میں نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ میں نے ان سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور انہوں نے بزرگانہ انداز میں میری پشت تھپتھپائی پھر میں خاتون فرخندہ کی جانب متوجہ ہوا جو قیمتی نیلی فراک میں خاصی جاذب نظر لگ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا سفید ہاتھ مصافحہ کے لئے آگے بڑھایا۔ اور میں نے نرمی سے اسے تھام لیا تھا۔

"مجھے آپ کی آمد کی خبر سن کر بہت مسرت ہوئی تھی۔ اور میں آپ کی اس نوازش کا بہت شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا۔

"آج آپ اپنی فطرت کے خلاف نظر آ رہے ہیں۔ ورنہ آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ شاذ و نادر ہی دیکھی ہے۔" خاتون فرخندہ نے کہا۔

"دیکھو بیٹی تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تم تلخ و ترش گفتگو نہیں کرو گی۔ کوئی شکایت نہیں کرو گی۔ میرے دوست علی فیضان سے۔ لیکن تم نے اس کی ابتدا کر دی۔"

"میرے خیال میں نہ میں نے کوئی تلخ گفتگو کی ہے اور نہ ہی کوئی شکایت۔ کیوں علی فیضان صاحب کیا آپ کو میری یہ بات ناگوار گزری۔"

"نہیں۔ آپ کی شکایت بالکل درست ہے۔ ہم لوگ مسکرانے میں واقعی تکلف سے کام لیتے ہیں۔ تاہم آپ کی آمد سے مجھے جو مسرت ہوئی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔"

"چلیے ہماری قسمت جاگ گئی۔" خاتون فرخندہ نے ایک ادا کے ساتھ کہا۔ اور میں انہیں لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ میں تو یہی چاہتا تھا کہ سلمان قدوسی کو تمام تفصیلات ایک دم بتا دوں۔ اور انہیں وہاں لے جاؤں جہاں میری زندگی کا نادر روزگار عجوبہ موجود ہے۔ مگر فرخندہ خاتون کی وجہ سے تھوڑا سا تکلف پیدا ہو گیا تھا سب سے بڑی بات یہی تھی کہ میری کوٹھی میں ان کی پذیرائی کے لئے اور کچھ موجود نہ تھا۔ جو کچھ کرنا تھا مجھے ہی کرنا تھا چنانچہ میں انہیں لیبارٹری میں لے جانے کے بجائے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

سلمان قدوسی بے قرار تھے کہ مجھ سے معلوم کریں کہ مسئلہ کیا ہے۔ لیکن میں نے رسمی تکلفات سے کام لے کر ان کی مشروبات سے تواضع کی اس کے بعد سلمان قدوسی کو ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے ٹیلیفون پر عرض کیا تھا کہ درحقیقت مجھے آپ کی ضرورت ایک خاص کام کے سلسلے میں پیش آئی ہے میں اب آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ خاتون فرخندہ اس سے لطف اندوز نہ ہوں گی۔"

"نہیں علی فیضان میرے دوست۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے بالآخر خاتون فرخندہ نے میری یہ پیش کش قبول کر لی کہ لیبارٹری میں وہ میرا ساتھ دے۔ اس نے اپنی فطرت میں خاصی تبدیلیاں کی ہیں اور اپنی تعلیم کے مطابق میرے معاملات میں دلچسپی لے رہی ہے۔ بلاشبہ اب میں اسے اپنی بہترین سیکرٹریوں میں شمار کر سکتا ہوں۔ کیوں فرخندہ میں نے غلط تو نہیں کہا۔ بھئی دراصل لیبارٹری سے نکلنے کے بعد باپ بیٹی کا رشتہ ہمارے درمیان قائم ہو جاتا ہے۔ جب ہم لیبارٹری میں داخل ہوتے ہیں تو فرخندہ صرف ایک سیکرٹری ہوتی ہے۔"

یہ بات سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ بلکہ یوں سمجھیں کہ ایک طرح سے ذہن سے تکدر دور ہو گیا۔

"کیسے؟" سلمان قدوسی نے پوچھا۔

"میں یہی سوچ رہا تھا کہ خاتون فرخندہ کی یہاں وہ پذیرائی نہ ہو سکے گی جس کی وہ حقدار ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ ہمارا وہ تجربہ ہے جس کے بارے میں میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں۔"

"اب تو تمہاری یہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ آؤ فرخندہ علی فیضان کی لیبارٹری میں چلیں۔ تم پہلے بھی اس کا جائزہ لے چکی ہو۔ یہ بات تم نے بارہا کہی ہے کہ فیضان کی تجربہ گاہ یہاں کی بہترین تجربہ گاہوں میں سے ایک ہے۔ بلاشبہ کسی آرکیالوجسٹ کی تجربہ گاہ اس سے بہترین اس ملک میں نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میں یہ بات نہ صرف خود کہتی ہوں بلکہ اپنے شناساؤں کو بھی بتاتی ہوں۔ اور میرے کئی شناسا علی فیضان کی یہ تجربہ گاہ دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔"

"میں کبھی انہیں ضرور مدعو کروں گا۔ آپ لوگ تشریف لائیے۔" میں نے کہا۔ اور ان دونوں کو لئے ہوئے اپنی تجربہ گاہ میں پہنچ گیا۔

سلمان قدوسی نے یہاں کے انتظامات کو منجرانہ انداز سے دیکھا۔ کچھ سوچنے لگے۔ پھر گال کھجاتے ہوئے بولے۔

"یوں لگ رہا ہے کہ اس دوران تم بلاشبہ کچھ کرتے رہے ہو۔ ہر چند کہ اس کے بارے میں، میں کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکا۔ لیکن یہ ساز و سامان اور یہ تیاریاں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تم ضرور کسی خاص چیز میں پڑے ہوئے ہو۔"

"یہ خاص چیز کیا ہو سکتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں اس کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکا۔" سلمان قدوسی ان تمام چیزوں کو دیکھ کر پُرخیال انداز میں بولے۔

ان کی پیشانی پر بڑی شکنیں بنا رہی تھیں کہ وہ میرے کام کے بارے میں کچھ ذوق سے کہنے سے قاصر ہیں۔ تب میری نگاہ یونہی فرخندہ کی جانب اٹھ گئی۔ وہ بیٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ انسان تو میں بھی تھا۔ نگاہوں کو پہچانتا تھا۔ لیکن ان کے جواب میں میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا رخ بدل لیا اور فرخندہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور گہری ہو گئی ہے۔ اس نے بظاہر ان معاملات میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"یوں لگتا ہے جیسے یہاں سے پانی کی نکاسی کا کوئی بندوبست کیا گیا ہو۔ لیکن اس جگہ پانی کی موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ اتنا سارا پانی کہاں سے آیا۔"

فرخندہ کی اس بات پر میں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اگر فرخندہ نے صرف اندھیرے میں تیر نہیں چلایا تھا تو یہ اس کی ذہانت کی دلیل تھی۔ میں نہیں جانتا کہ اس نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا۔ تاہم میں نے پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ خاتون فرخندہ۔ کیوں جناب کیا آپ مس فرخندہ کی اس بات کی داد نہیں دیں گے؟"

"ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں۔ لیکن میرا مطلب ہے کہ یہ پانی اور اس کی نکاسی کا یہاں سے بندوبست کیا جاتے۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"تشریف رکھیے۔ میں آپ کو سمجھائے دیتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"میں اس اعتماد کے ساتھ یہ بات آپ سے کہہ رہا ہوں میرے بزرگ دوست کہ آپ اسے اپنے سینے میں ہی محفوظ رکھیں گے۔ کچھ ایسی الجھنیں نہیں پیش آ سکتی ہیں کہ حکومت شاید ان میں ملوث ہو جائے۔ اس لئے اس بات کو ابھی صیغہ راز میں ہی رکھنا ہے۔ آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ جو کچھ آپ کو معلوم ہو گا اسے آپ اپنے تک محدود رکھیں۔۔۔"

"میرے عزیز میرا خیال ہے۔ نہیں مجھ سے یہ شکایت نہ کبھی ہوئی۔ اور نہ آئندہ ہو گی۔"

"یقیناً مجھے اس بات کا اعتراف ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور انہیں پوری کہانی سناتے ہوئے کہا۔

"میرے دوست نے برف کا وہ تودہ بازار وقت مجھ تک پہنچایا۔ جس میں ایک قدیم انسان جما ہوا تھا۔ کیا یہ بات آپ کے لئے حیرت انگیز نہیں ہے۔ اس شخص کی قدامت کا تجزیہ تو آپ ہی کر سکیں گے میں دس گیارہ دن سے اس پر کام کر رہا ہوں۔ میں نے برف کی وہ سل تو پگھلا لی ہے۔ اور اس انسان کو برآمد کر لیا ہے۔ میں نے اس کے بدن میں جنبش ہوتے بھی دیکھی ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا آپ ان معاملات میں دلچسپی لینا پسند کریں گے؟" سلمان قدوسی مضطرب انداز میں کھڑے ہو گئے تھے۔

"یہ بات میرا خیال ہے ہمارے مشاہدے میں آج تک نہیں آئی۔ ہم نے لاتعداد چیزوں پر تحقیق کی ہے۔ فراعین مصر کی بے شمار ممیاں ہمارے پاس آئی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بہت سی قدیم چیزوں کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔ یہ سب سے انوکھی بات ہے کہ ہمیں ایک ایسا انسان دستیاب ہو جائے جو ہزاروں سال قدیم ہو اور زندہ ہو۔ یہ بڑی ہی تعجب خیز بات ہو گی۔ اور ہم اس سے بہت مفید معلومات حاصل کر لیں گے۔ تم نے بلاشبہ بہت انوکھی کہانی سنائی ہے۔ اب میں بہت بے صبرا محسوس کر رہا ہوں اپنے آپ کو کہ تم مجھے اس انوکھی شے کی زیارت کراؤ۔"

"میں نے اسی لئے آپ کو زحمت دی ہے تشریف لائیے۔" میں نے دیکھا کہ خاتون فرخندہ بھی اب میرے بجائے میری سنائی ہوئی کہانی میں دلچسپی لینے لگی تھیں۔ چنانچہ میں ان دونوں کو لئے ہوئے اس انوکھے انسان کی طرف چل دیا۔ جہاں اس کا بستر تھا۔

میں اس کے انداز میں ایک نمایاں تبدیلی دیکھ کر مسرت سے گنگ رہ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے حالانکہ پہلے یہ ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے جسم میں خون نے گردش شروع کر دی ہے اور وہ ایک زندہ انسان کی طرح حرکت کر رہا تھا۔ پروفیسر سلمان میں اور فرخندہ تینوں اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن اس کا تنفس صاف محسوس ہو رہا تھا اس کے زیورات

سانس کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ وہ اب مکمل طور پر زندگی حاصل کر چکا تھا۔ یہ بلاشبہ اس صدی کا سب سے حیرت انگیز واقعہ تھا۔ پروفیسر سلمان فدوسی اُسے دیکھتے رہے۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ میں اس دوران خاموش ہی رہا تھا پھر سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"کیا تم نے اس کی کوئی آواز بھی سُنی ہے"؟

"صرف ایک کراہ جو اس کے حلق سے نکلی تھی"۔

"گویا اس کی آواز بھی موجود ہے۔ کیا ہم اسے پکاریں"۔ سلمان فدوسی نے بدستور سرگوشی میں کہا۔ اور میں نے گردن ہلا دی۔

"اب یہ صرف آپ کی ذمہ داری ہے۔ اب آگے کا کام آپ خود سنبھالیں۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا میں کر چکا ہوں۔ اب باقی معاملات آپ خود دیکھیں"۔

"مجھے کچھ ضروری آلات فراہم کر دو۔ میں اس کے دل کی دھڑکن نوٹ کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسے ہوش میں لاکر اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں"۔

"یہ سب چیزیں آپ کے سامنے ہیں۔ یہ میڈیکل بکس اور یہ رہا اسٹیتھسکوپ"۔ میں نے کہا۔ اور سلمان فدوسی اسٹیتھسکوپ کانوں سے لگا کر اس کی دھڑکنوں کا معائنہ کرنے لگے۔ اُس کی نبض دیکھی۔ پھر آہستہ سے اس کی آنکھیں کھول کر دیکھیں اور پرمسرت طور پر بولے

"مکمل طور پر زندہ۔ انتہائی معتدل حالت میں ہے یہ دُنیا کا سب سے حیرت انگیز واقعہ ہے اور اس واقعے کی جب تشہیر ہوگی تو نہ جانے کیا بھونچال آ جائے گا"۔

"میں ابھی تشہیر نہیں چاہتا۔ پہلے میں چاہتا ہوں کہ ہم خود اس کو آزمائیں۔ بعد میں تشہیر کے لیے اخبارات کو مکمل رپورٹ دیں گے"۔

"میں تم سے متفق ہوں"۔ پروفیسر نے کہا اور پھر ایک خاص دوا کو کے پروفیسر نے اس کی ہلکی ہلکی مالش اس شخص کے دل کی جگہ کی پھر اُس کی پیشانی پر اُنگلی سے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔

"کیا تم ہوش میں ہو"۔

لیکن پروفیسر کی اس بات کا کوئی جواب نہ ملا۔ ہم سب شدید سنسنی کا شکار تھے۔ چند لمحے تک پروفیسر کوشش کرتے رہے پھر بولے۔

"بلاشبہ اُس کا خون گرم ہو رہا ہے۔ یہ متحرک ہو گیا ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے ابھی اس کا ذہن سو رہا ہو کیونکہ ہمارے مخاطب کرنے کے باوجود یہ اس طرح ہے جیسے اُسے کچھ پتہ نہیں میرا خیال ہے ابھی اس کا دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے"۔

"یقیناً آپ کا تجربہ اگر اس بات کی گواہی دے رہا ہے تو یہ درست ہوگا"۔ میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"بہرحال علی فیضان۔ میں سخت حیران ہوں۔ خود تمہارے ذہن میں اب کیا پروگرام ہے"۔

"ابھی میں نے کوئی مناسب فیصلہ نہیں کیا"۔

"پھر بھی کچھ تو سوچا ہوگا"؟

"صرف اس حد تک کہ یہ ہوش میں آ جائے"۔

"تمہاری کتابیں اس بارے میں کیا کہتی ہیں"؟

"کتابوں سے میں نے ابھی کوئی مدد نہیں لی"۔

"تمہیں لینی چاہیئے"۔

"مثلاً"؟ میں نے سوال کیا۔

"اس کا جواب میں دوں گی"۔ دفعتاً خاتون فرخندہ نے اس گفتگو میں مداخلت کی اور ہم دونوں چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"آپ کی رائے ہمارے لیے باعث مسرت ہوگی"۔

"میں بہت دیر سے سوچ رہی تھی کہ آپ لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو میں مداخلت کروں۔ لیکن اس کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا"۔ فرخندہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ ہماری بلکہ میری کوتاہی ہے کہ میں نے آپ کو مخاطب نہیں کیا۔ اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں"۔

"اوہ۔ اب ایسی بھی بات نہیں ہے علی۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ یہ کس وقت تک مکمل ہوش میں آ جائے گا"؟

"اس کا فیصلہ مشکل ہے"۔

"وہ کیوں"؟

"اس لئے کہ اس کا ذہن صدیوں سے منجمد ہے۔ ہرچند کہ ہماری کوششوں سے اس کے اعضاء کی تحریک بحال ہو گئی ہے۔ لیکن دماغ۔ کائنات کی سب سے پیچیدہ شے ہے اور اس کی صحیح حیثیت کا اندازہ شاید ابھی تک کسی محقق کو نہیں ہو سکا ہے ہم اس کے دماغ سے کوئی احمقانہ مذاق نہیں کر سکتے"۔

"میں تم سے سو فیصدی متفق ہوں"۔ سلمان فدوسی نے کہا۔

"بات کتابوں سے مدد کی ہو رہی تھی"۔ میں نے کہا۔

"ہاں۔ اس کی ہیئت اور خدوخال ہم دیکھ چکے ہیں بہت سی ایسی کتب ہیں جن میں قدیم انسان کے بارے میں تفصیلات درج ہیں۔ کیا اِن میں اس شخص کی ہیئت کا کوئی انسان نہیں مل سکتا۔"

"اوہ۔ میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں خاتون۔" میں نے کہا۔

"کیوں ڈیڈی۔ کیا آپ کا خیال اس سے مختلف تھا۔"

"ہرگز نہیں۔" پروفیسر سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا

"آپ کا فرمانا بجا ہے لیکن آپ نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔" میں نے پروفیسر کو مخاطب کر کے کہا۔

"کونسی بات۔"؟

"اب تک میں اس کے سلسلے میں سخت مصروف رہا ہوں۔ مجھے کتابوں کو کھنگالنے کا موقع ہی کہاں ملا ہے"

"اور اب۔"؟ فرخندہ نے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"آہ۔ یوں لگتا ہے علی جیسے آپ بہت تھک گئے ہوں۔ اور اس میں غلطی آپ کی ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا۔ کہ آپ پہلے ہی ہمیں طلب کر لیتے تاکہ ہم آپ کی مدد کرتے۔"

"ہاں یہ مجھ سے غلطی ہوئی لیکن اب کیا پروگرام ہے۔"

"میں یہاں لیب میں موجود ہوں۔ چھ گھنٹے تک میری ڈیوٹی یہاں رہے گی اس کے بعد چھ گھنٹے ڈیڈی ڈیوٹی دیں گے اور پھر آپ بقیہ چھ گھنٹے آپ کتابوں کی چھان بین میں صرف کریں۔ کیا خیال ہے"؟

"نہایت موزوں۔ مع شکریہ کے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن بے بی تمہیں ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"کس سلسلے میں ڈیڈی۔"

"اگر اچانک اس کا ذہن جاگ گیا تو۔ ہم اس کے بارے میں کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے۔"

"آپ مطمئن رہیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کر سکتی ہوں۔ اور آپ کو اطلاع دے سکتی ہوں"

"اس کے لئے انتظامات موجود ہیں۔" میں نے کہا۔

"وہ کیا۔"؟

"یہ بیل۔ جسے اب تک دوسری ضرورتوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن اب اسے خطرے کا الارم سمجھا جائے گا۔" میں نے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ اور اس کے بعد ہم دونوں باہر نکل آئے۔

خاتون فرخندہ نے میری مشکل حل کر دی تھی۔ ان دونوں باپ بیٹی پر مجھے مکمل اعتماد تھا۔ اور میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کی وجہ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔ لیکن میری یہ خواہش بھی تھی کہ اس قدیم انسان کی دریافت کا سہرا میرے سر ہی رہے۔ میں ان دنوں کوئی خاص تھکن محسوس نہیں کر رہا تھا۔ تاہم میں نے فرخندہ والی بات مان لی تھی۔

ہم دونوں لائبریری چلے گئے اور وہاں ہم نے مل کر چند کتب کا انتخاب کیا اور ان کی ورق گردانی کرنے لگے۔

"اگر تم پسند کرو تو تھوڑی دیر آرام کر لو۔ میں ان کتابوں میں اسے تلاش کرتا ہوں۔"

"اس کی حاجت نہیں محسوس کرتا ورنہ آپ کی ہدایات پر عمل ضرور کرتا۔ ویسے آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔"؟

"کس بارے میں۔"؟

"کیا اس انسان کی دریافت ساری دنیا کے لئے حیرت انگیز نہ ہوگی۔ آج تک قدیم نوادرات دریافت ہوتے ہیں۔ انسانی جسم ڈھانچے اور حنوط شدہ ملے ہیں۔ لیکن اگر کوئی قدیم زندہ انسانی دریافت ہو جائے تو۔"

"بڑی انقلابی بات ہو جائے گی۔"

"پوری دنیا امنڈ پڑے گی۔ لوگ ہم پر یقین نہیں کریں گے لیکن وقت انہیں یقین دلا دے گا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

ہم لوگ کتابیں دیکھتے رہے۔ قدیم انسانوں کی بہت سی تصاویر ہمارے سامنے آئیں۔ میں نے اس کی نئی تصویریں سامنے رکھی تھیں اور ان سے ان کتابی تصویروں کا موازنہ کر رہا تھا۔

پھر شام ہو گئی۔ خاتون فرخندہ کی طرف سے ابھی تک کوئی اشارہ نہیں ملا تھا۔ پروفیسر سلمان ایک کتاب میں گم ہو گئے تھے۔ میں نے ان سے اجازت طلب کی۔" میرے خیال سے میں خاتون فرخندہ سے مل آؤں۔"

"ضرور۔" سلمان قدوسی نے کتاب میں کھوئے کھوئے کہا اور میں وہاں سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی لیبارٹری میں تھا۔

خاتون فرخندہ نہایت ذمہ داری سے اپنا فرض انجام دے رہی تھیں۔ انہوں نے ایک چارٹ ترتیب دیا تھا۔ اور اس پر اس کی حرکات درج کی تھیں۔ میں نے ان سے چارٹ لے لیا۔

"دو بار اس کے حلق سے کراہ نکلی۔

وقفہ ایک گھنٹے کا تھا۔

ایک بار اس نے گردن گھمائی اور واپس اپنی جگہ لے آیا۔

ایک بار اس نے پاؤں سکوڑے۔

اس دوران آنکھ ایک بار بھی نہیں کھلی۔"

یہ چارٹ تھا۔ میں نے مسکرا کر خاتون فرخندہ کو دیکھا۔ اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا یہ کام تھکا دینے والا نہیں ہے۔"؟ میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔"

"میرا خیال ہے آپ بور ہو گئی ہوں گی۔"؟

"ہرگز نہیں۔ بلکہ میں تو بہت مسرور ہوں۔"

"اچھا اس دوران آپ کیا سوچتی رہی ہیں۔"

"بہت سی باتیں۔"

"مثلاً۔"

"آپ کو بتانا ضروری ہے۔"؟

"اوہ۔ اخلاقاً تو نہیں۔ ہاں اگر پسند کریں۔"

"ان میں کچھ ذاتی خیالات بھی تھے۔"

"ضرور ہوں گے۔ لیکن اب میں اس بارے میں آپ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔"

"نہیں علی فیضان۔ میں تو آپ سے مذاق کر رہی تھی مجھے افسوس ہے آپ نے اس مذاق کو محسوس کیا۔ میں شرمندہ ہوں دراصل اسے دیکھ کر میرے ذہن میں قدیم دور ابھر آیا۔ میں نے سوچا یہ شخص بھی کسی دور میں ایک متحرک انسان ہوگا۔ اس کے ساتھ بھی لاتعداد کہانیاں وابستہ ہوں گی۔ وہ کہانیاں کیسی ہوں گی۔ سچی اور دلکش کہانیاں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"ان کہانیوں میں محبت کی داستانیں بھی ہوں گی ممکن ہے اس نے کسی کو چاہا ہو۔ اور شاید اس کے حصول میں ناکام رہا ہو۔"

"اوہ۔ واقعی دلچسپ خیال ہے۔"

"اور ممکن ہے اس نے ناکامی کے تحت موت اپنانے کی کوشش کی ہو۔"

"یہ بھی ممکن ہے خاتون کہ اس کے دور میں کسی کا حصول اس قدر ناممکن نہ ہو جتنا اب ہے۔" میں نے یونہی دلچسپی کی خاطر کہہ دیا۔ لیکن خاتون فرخندہ میری اس بات پر چونک کر مجھے دیکھنے لگی تھیں۔

"میں نہیں سمجھی۔"؟

"میرا مطلب ہے ممکن ہے اس وقت یہ معاشرہ نہ ہو جو اب ہے۔"

"آپ بات گول کر گئے۔"

"کیوں۔"؟

"کسی کا حصول تو اب بھی ناممکن نہیں ہے بشرطیکہ سچے جذبوں کے ساتھ اسے چاہا جائے۔"

"ہاں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"آپ نے بھی کسی کو چاہا ہے۔"؟

"ابھی تک نہیں۔" میں اس سوال پر بوکھلا گیا۔

"کیوں۔"؟

"بس یوں کہیں فرصت نہیں ملی۔"

"ہوں۔ کسی اور نے آپ کو چاہا ہے۔"؟

"اس پر غور نہیں کیا۔"

"غور کرنے کی فرصت بھی نہیں ملی آپ کو۔"

"یقیناً مصروفیت ہی آئی ہے۔"

"اس مصروفیت میں سے کچھ وقت نکالیں علی۔ یہ ضروری ہے انسان کی زندگی کے لئے۔"

"شاید۔"

"شاید نہیں ایک حقیقت کو شاید کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا ہے۔"

"بہتر ہے کوشش کروں گا۔"!

"میں کچھ اور بھی سوچتی رہی ہوں۔ اس دوران۔"

"وہ کیا۔"؟

"اس شخص کے منظر عام پر آنے کے بعد آپ کی حیثیت ایک دم بدل جائے گی۔ آپ بین الاقوامی شخصیت بن جائیں گے۔"

"اگر آپ کی دعائیں شامل رہیں تو یہی ہوگا۔"!

"لیکن اس کے بعد ہماری کیا حیثیت ہوگی۔"؟

خاتون فرخندہ کی آنکھوں کی کیفیت بدلنے لگی تھی۔ ممکن ہے ماحول کچھ اور خطرناک ہو جاتا۔ لیکن اس کی بنسری کراہ نے ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔

ہم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔ اس بار اس کے لب رہے تھے اور چہرے پر بے پناہ کرب کے آثار تھے۔

"یہ ہوش میں آ رہا ہے۔ ہاں یہ ہوش میں آ رہا ہے۔" فرخندہ نے کہا۔ اور میں بغور اسے دیکھتا رہا۔ لیکن اس حرکت کے بعد وہ پھر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔

پورے دو دن اور دو راتیں گزر گئیں لیکن اس کی حالت میں اس کے علاوہ اور کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی کہ بس کبھی کبھی اس میں کوئی تحریک ہوتی اور پھر وہ بے حس

ہوجاتا تھا۔

تب پروفیسر سلمان قدوسی نے ایک تجویز پیش کی۔ "کیا خیال ہے اب کیوں نہ ہم اسے الیکٹرک شاک دیں۔ میرا مطلب ہے اس کے ذہن کو متحرک کر کے اسے جگائیں۔"

"لیکن اس سے ایک خطرہ بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا"؟

"اس طرح اس کا ذہنی توازن نہ بگڑ جائے۔ اگر یہ حادثہ رونما ہو گیا تو پھر ہماری ساری محنت بیکار ہو جائے گی۔"

"ہاں اس کا خطرہ تو ہے۔ ابھی ہم یہی گفتگو کر رہے تھے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں نے فون ریسیو کیا۔ پروفیسر سلمان کی کوٹھی سے فون تھا۔

"آپ کا فون ہے پروفیسر۔" میں نے کہا اور پروفیسر نے فون ریسیو کیا۔ پھر کسی سے گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا اور بولے۔

"اوہ۔ ذرا سی الجھنیں پیش آگئی ہیں فیضان۔"

"کیوں خیریت"؟

"عزب الغدائیے سے میرے بڑے بھائی صاحب اپنے اہل خاندان کے ہمراہ میرے ہاں آگئے ہیں۔ اور کسی خاندانی مسئلے کے سلسلے میں انہوں نے مجھے طلب کیا ہے۔"

"تو آپ چلے جائیے۔"

"اہل خاندان کے ہمراہ آئے ہیں تو ان میں عزیزہ حمیرا بھی ہوگی۔ آہ میں نے اسے بلانے کے لئے بیشمار خطوط لکھے تھے۔" خاتون فرخندہ نے کہا۔

"تم اگر یہاں رک جاؤ تو کیا حرج ہے۔"؟

"حمیرا شکایت کرے گی۔ لیکن میں پھر آجاؤں گی۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم فون پر رابطہ رکھیں گے۔ میں کسی بھی تبدیلی کی اطلاع آپ کو ضرور دوں گا۔" میں نے کہا۔ اور پھر میں نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد میں واپس اسی جگہ آگیا جہاں وہ موجود تھا اور میں نے اپنی ڈائری میں اس وقت تک کے واقعات درج کر دیئے کہ مجھے ڈائری لکھنے کی عادت ہے۔

* *

ایک نہایت ذہین آرکیالوجسٹ اور میرا نوجوان دوست علی فیضان اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ لیکن اس کی یاد میں شاید ساری عمر ذہن سے محو نہ کر سکوں۔ اس وقت جب وہ زندگی کا بہت بلند مقام پانے کو تھا۔ جب وہ ایک بین الاقوامی حیثیت اختیار کرنے کو تھا موت نے اسے اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا۔ ہاں میں اس کی موت کو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ کاش اس وقت مجھے وہ فون نہ ملتا جو میرے بھائی کا تھا اور اس میں انہوں نے مجھے فوراً کوٹھی پہنچنے کی تاکید نہ کی ہوتی۔ تو شاید علی فیضان کو اس طرح موت نہ نصیب ہوتی۔

میں اور میری بیٹی فرخندہ کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔ سچی بات یہ ہے کہ بھائی صاحب کی آمد مجھے اس وقت گراں گزری تھی۔ میں اپنی زندگی کے سب سے انوکھے تجربے سے روشناس ہوا تھا اور اسے ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ لیکن بھائی صاحب کا حکم ٹالنا بھی میرے بس کی بات نہیں تھی۔

بھائی صاحب ایک خاندانی مسئلے کے سلسلے میں آئے تھے۔ میں خلوص سے ان سے ملا۔ اور ہم دونوں بغلگیر ہوئے پھر سارے جہان کی باتیں ہونے لگیں۔ خاصی رونق ہو گئی تھی میرے اس اُجاڑ سے گھر میں۔ فرخندہ اپنی بہن حمیرا سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں کہاں کی باتیں کرتی رہی تھیں اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے جب مجھے ایک فون موصول ہوا۔

"پروفیسر سلمان قدوسی سے بات کرنی ہے۔"

"کون بول رہا ہے۔"؟

"جی میں احسان فروغی بول رہا ہوں۔"

"کون احسان فروغی۔"
"علی فیضان کا ملازم۔"
"اوہ۔ خیریت تو ہے۔"
"پروفیسر صاحب سے بات کرنی ہے"
"ہاں میں ہی بول رہا ہوں"
"وہ۔ صاحب۔ صاحب۔ ہمارے مالک علی فیضان ہمارے مالک قتل کر دیئے گئے۔" ملازم کی روہانسی آواز ابھری اور ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میرا ذہن ایک لمحے کے لئے سُن ہو گیا تھا۔ بمشکل میں نے خود کو سنبھالا۔ اور گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔
"کیا بک رہے ہو"؟
"انہیں قتل کر دیا گیا صاحب۔"
"کیسے"؟
"یہ تو معلوم نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ان کی چیخ سُنائی دی۔ وہ لیبارٹری میں تھے۔ پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے تو۔ تو صاحب۔"
"ہاں۔ ہاں۔ تو کیا ہوا۔"
"ایک نیزہ ان کے سینے کے آر پار تھا۔ اور وہ پورے خون میں بھیگے ہوئے تھے۔"
"نیزہ۔" میں چیخ پڑا۔
"ہاں صاحب۔ انہوں نے آخری الفاظ یہی کہے تھے کہ پروفیسر سلمان کو فون کردو۔ پولیس کو اطلاع نہ دینا" ملازم نے بتایا۔ اور چند لمحات کے لئے میرے حواس گم ہوگئے۔!

○

احسان فروغی کی یہ اطلاع میرے لئے اس قدر حیران کن تھی کہ میرے حواس معطل ہوگئے۔ کسی طور یہ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا کہ ہنستا مسکراتا حسین اور ذہین علی فیضان اچانک اس دُنیا سے رُوٹھ کر چلا گیا ہے۔ ایک اعلیٰ پائے کا آرکیالوجسٹ جو اگر اپنے منصوبے کی تکمیل میں کامیاب ہو جاتا تو شائد بین الاقوامی شہرت حاصل کر لیتا۔

آہ۔ آہ۔ کس قدر خوش تھا وہ اپنی دریافت سے کیا کیا منصوبے نہ بنائے ہوں گے اس کے ذہن نے۔ اس نے بھی اسی انداز میں سب کچھ سوچا ہوگا جس انداز میں میں سوچ رہا تھا، بلاشبہ اسے بھی بین الاقوامی شہرت حاصل کرنے کی خواہش ہوگی، اب تقدیر نے اس کے لئے یہ سامان فراہم کر دیئے تھے۔ لیکن تقدیر کے کھیل انوکھے ہوتے ہیں، انسان کبھی تقدیر کے بارے میں صحیح طور پر نہیں جان سکا۔ جنتِ شداد ایک عملی ثبوت ہے۔ شداد نے تا زندگی محنت و مشقت کر کے بجانے کتنے افراد کو موت کی نیند سلا کے اپنی جنت تیار کی تھی، لیکن چند لمحات، صرف چند لمحات، وہ اس جنت میں داخل بھی نہ ہو سکا۔ خیر چند کے شداد کی جنت اور علی فیضان کے اس منصوبے میں بہت اختلاف تھا، لیکن بہر صورت یہ بھی ایک ایسی ہی حسرتناک موت تھی۔ جس نے مجھے ذہنی طور پر چند لمحات کے لئے ناکارہ کر دیا تھا۔ میں یہ بات بھی بھول گیا کہ علی فیضان کا ملازم خاص احسان فروغی فون پر میرا منتظر ہے۔ یقینی طور پر وہ میری طرف سے جواب سننے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ لیکن جب اس کی آواز مجھے دوبارہ سُنائی دی تو میں چونک پڑا۔ احسان فروغی کہہ رہا تھا۔

"جناب سلمان قدوسی صاحب میرے لئے کیا حکم ہے میں نے با ہدایت اپنے آقا آپ کو ٹیلی فون کیا ہے، آپ نہیں تصور فرما سکتے کہ میں کس قدر بدحواس اور پریشان ہوں، یہاں اس کوٹھی میں دوسرے ملازم بھی ہیں۔ لیکن آقا جو اب اس دُنیا میں نہیں ہیں اپنا آخری حکم یہی صادر فرما گئے تھے کہ پولیس کو اس بارے میں اطلاع نہ دی جائے اور آپ کو ٹیلی فون کیا جائے، اگر میں دوسرے ملازموں کو اس راز میں شریک کرتا ہوں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کس کی زبان سے کب اور کیا نکل جائے، میں آپ کا بے چینی سے منتظر ہوں۔ براہ کرم حکم فرمائیے کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیئے۔"

میں نے بمشکل تمام خود کو سنبھالا اور احسان فروغی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"بس چند لمحات انتظار کرو، میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔ اور ہاں اس دوران نہ تو اپنے آقا کی لاش کو چھونا اور نہ ہی کوئی ایسا اقدام کرنا جس سے اس معاملے کی تحقیقات میں کوئی دقت پیش آئے۔ ہاں ایک ہدایت میری طرف سے اور ہے وہ یہ کہ تم اپنے تحفظ کا بندوبست رکھو، جس نادیدہ ہستی نے علی فیضان کو قتل کیا ہے وہ تمہیں بھی نقصان پہنچا سکتی ہے، تاہم خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں بس بغرضِ احتیاط یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں۔"
"میرا دل اپنے آقا کی موت سے رنجور ہے جناب،

میں اس وقت زندگی اور موت کو کوئی حیثیت نہیں دیتا۔ بہتر تو یہ تھا کہ مجھے بھی اپنے آقا کے ساتھ ہی موت آجاتی۔ آپ نہیں سمجھتے جناب ہمارے درمیان صرف آقا اور ملازم کا رشتہ ہی نہیں تھا بلکہ علی فیضان، بلکہ آقا مرحوم علی فیضان اپنی طبیعت سے اس قدر سچے اور سادہ دل تھے کہ وہ مجھے اپنے ایک دوست کی حیثیت دیتے تھے۔ چنانچہ اب اپنے دوست کی جدائی کا تصور مجھے بری طرح تڑپا رہا ہے، میرا دل پارہ پارہ ہوگیا ہے جناب، میں سوچتا ہوں کہ میرا مستقبل کیا ہوگا۔" احسان فروغی نے دردناک لہجے میں کہا۔

گو میں بھی شدت سے صدمہ میں مبتلا تھا لیکن اس کا اظہار ایک ملازم کے سامنے نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"فون پر ہم اس سے زیادہ گفتگو نہیں کرسکتے" احسان فروغی، میں جلد از جلد تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور ٹیلی فون بند کردیا۔

میرے اعصاب بری طرح کشیدہ تھے، ٹیلیفون کا ریسیور رکھنے کے بعد بھی میں بت کی طرح ساکت وجامد کھڑا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ جوں جوں علی فیضان کے بارے میں سوچتا میری ذہنی کیفیت ابتر ہوتی چلی جاتی۔ ایک اور احساس میرے دل کو اپنی شکنجے میں لئے رہا تھا وہ یہ تھا کہ میری بیٹی فرخندہ علی فیضان کو پسند کرتی تھی۔

میں اس کی پسند کے بارے میں جانتا تھا، ہرچند کہ کبھی اس پسند کا اظہار نمایاں طور پر نہیں ہوسکا تھا، تاہم اس کی خواہش میرے ذہن میں موجود تھی اور میں نے یہی سوچا تھا کہ کسی مناسب موقع پر علی فیضان سے اس کا تذکرہ کردوں گا اور اس سے پوچھوں گا کہ مستقبل میں کیا وہ فرخندہ کا ساتھ دینے کو تیار ہے۔ لیکن اب یہ سب کچھ دھرا رہ گیا تھا۔ کیا میں فرخندہ کو علی فیضان کی موت کی اطلاع دوں۔ یہ سوال کئی بار میرے ذہن نے مجھ سے کیا اور ہر بار جواب نفی میں آیا۔

فرخندہ کو ابھی اس سلسلے میں ملوث کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ بھائی صاحب موجود تھے اور ان کی بیٹی حمیرا بھی۔ وہ سب کے سب براہ راست اس سلسلے میں ملوث ہوجاتے اور ممکن تھا کہ فرخندہ اس راز کو ان کے سامنے عیاں کردیتی۔ باہوش وحواس نہ سہی، دیوانگی کے عالم میں سہی، کیونکہ علی فیضان کی موت کو بھلا دینا اس کے بس کی بات نہ ہوتی۔

لیکن اس طرح علی فیضان کی وہ وصیت ختم ہوجاتی تھی جو مرتے ہوئے اس نے احسان فروغی سے کی تھی چنانچہ یہی فیصلہ کیا میں نے کہ ابھی فرخندہ کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی جائے۔ پھر ضروری تیاریوں کے بعد میں اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد علی فیضان کی خوبصورت کوٹھی میں داخل ہوگیا۔

اس کوٹھی میں جہاں اب علی فیضان کا جسمانی وجود نہیں تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس کی روح کوٹھی کے اردگرد ہی منڈلا رہی ہو اور وہ حسرت سے سوچ رہی ہو کہ کاش وہ اپنا مشن پورا کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوتی۔

میرا استقبال احسان فروغی نے ہی کیا تھا۔ یہ نوجوان شخص نہایت اداس اور ملول نظر آرہا تھا، اس نے مجھے دیکھا اور میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"آپ تشریف لے آئے جناب سلمان فردوسی صاحب، آئیے میں آپ کو اپنے آقا کی لاش دکھاؤں۔"

"ہرچند کہ مجھ میں یہ ضبط نہیں ہے لیکن احسان فروغی شائد تم نہیں جانتے کہ علی فیضان سے میرا کیا تعلق ہے اور اس کی موت نے مجھ پر کتنا برا اثر ڈالا ہے، اس کے علاوہ اس کی وصیت، آہ کاش تم سمجھ سکتے۔ کہ اس کی وصیت کے پس پردہ کیا جذبہ کارفرما ہے۔"

"مگر میری سمجھ میں نہیں آتا جناب کہ انہیں کس نے قتل کیا؟"

"احسان فروغی تم مجھے اس کی لاش دکھادو۔ ہاں کیا تمہارے پاس پستول موجود ہے۔" میں نے سوال کیا اور احسان فروغی چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"میرے پاس پستول موجود ہے جناب۔" اس نے اپنے اندرونی لباس سے اعشاریہ دو آٹھ کا آٹومیٹک نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ اور میں نے گردن ہلادی۔

"ٹھیک ہے میں بھی اپنے ساتھ پستول لایا ہوں، سنو ہم کسی بھی خطرے سے دوچار ہوسکتے ہیں۔ لیکن میں ایک بات کی تمہیں سختی سے ہدایت کرتا ہوں جب تک میں تمہیں ہدایت نہ دوں شدید سے شدید خطرے پر بھی گولی نہ چلانا۔"

"بہت بہتر۔" احسان فروغی نے جواب دیا۔ البتہ میری اس بات سے وہ کسی قدر محتاط ہوگیا تھا۔

ہم دونوں اس جگہ آئے جہاں علی فیضان کی لیبارٹری

تھی۔ لیب میں داخل ہو کر میں اُس جگہ پہنچ گیا جس کے دوسری طرف وہ پُراسرار وجود موجود تھا۔

علی فیضان کی لاش اب بھی جُوں کی تُوں پڑی ہوئی تھی۔ ایک لمبا چمکدار نیزہ اس کے سینے میں پیوست تھا۔ میرا پورا بدن لرز کر رہ گیا۔ میرا دوست علی فیضان کس حال میں یہاں پڑا ہوا تھا۔ یہ نیزہ اتنی قوت سے اس کے سینے میں گھونپا گیا تھا کہ اُس کی اَنی ایک فٹ لمبے دستہ کے ساتھ کمر کے پچھلے حصّے سے باہر نکل آئی تھی۔ گویا نیزہ اُس کے بدن کے آر پار تھا۔ اور نیزہ کو اس طرح کسی کے بدن میں آر پار کر دینا نہایت ہی قوت کا کام ہوسکتا تھا یہ کام جس نے بھی کیا تھا وہ بے انتہا قوت کا مالک تھا۔ میں اگر غلط فہمی کا شکار نہیں تھا تو پھر مجھے یہ بات معلوم تھی۔ اسی بات کے پیشِ نظر میں نے پستول ہاتھ میں نکال لیا تھا کسی بھی وقت کوئی بھی خطرہ پیش آسکتا تھا۔ بلکہ یہ خطرہ مجھ سے زیادہ احسان فروغی کو تھا۔ کیونکہ وہ بیچارا ابھی تک اِن حالات سے ناواقف تھا۔

احسان فروغی نے آنسو بہاتے ہوئے مجھے وہی صورتحال دوبارہ زبانی جواب سے کچھ دیر پہلے وہ مجھے ٹیلیفون پر بتا چکا تھا۔ میں خود بھی آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سلسلے میں احسان سے کیا کہا جائے بہرصورت میں نے اتنا ضرور کیا کہ لیبارٹری کا وہ بیرونی دروازہ باہر سے بند کردیا۔ احسان فروغی نے میری اس حرکت کو تعجب سے دیکھا تھا۔ پھر اُس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"کیوں جناب کیا آپ کا خیال ہے کہ کوئی لیبارٹری میں موجود ہے"؟

"ہاں یہ بات میرے ذہن میں ہے" میں نے اعتراف کیا۔

"لیکن کون"؟ احسان فروغی نے پوچھا۔

"افسوس اس بارے میں، میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا"۔

"تاہم آپ کے شک کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی"!

"ہاں ہے"۔

"میں آپ کا اسی طرح وفادار ہوں جناب جس طرح میں اپنے آقا مرحوم علی فیضان کا تھا۔ چونکہ میرے آقا نے مرتے وقت صرف آپ پر اعتماد کیا تھا اس لئے مجھے بھی آپ پر اسی قدر اعتماد ہے۔ اور میری درخواست ہے کہ آپ بھی مجھے وہی حیثیت اور وہی درجہ دیں جو میرے آقا مجھے دیتے تھے۔ میں بچپن سے اپنے آقا کی خدمت میں ہوں اور ان کا نمکخوار رہا ہوں۔ چنانچہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ آپ مجھے کچھ بتائیں اور میں آپ کی ہدایت کے بغیر اپنی زبان سے کوئی بھی الفاظ کہیں اور نکال دوں۔ خواہ میرے بدن کی کھال کیوں نہ کھینچ لی جائے"۔

نوجوان احسان فروغی کے الفاظ اتنے جامع اور ٹھوس تھے کہ مجھے ان پر یقین آگیا۔

میں نے گہری نگاہوں سے اُسے دیکھا اور پوچھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ علی فیضان اُس وقت کیا کام کر رہے تھے"؟

"تفصیل تو مجھے معلوم نہیں ہے جناب، کیونکہ میں اپنے آقا کی مصروفیات سے بخوبی واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ذہنی کاوش کرتے ہیں اس لئے میں کبھی ان کے [illegible] میں مداخلت نہیں کرتا۔ تاہم اس بات کا مجھے علم ہے برف کی ایک وزنی سِل اس کوٹھی میں پہنچائی گئی ہے جس میں ایک انسان جما ہوا تھا"۔

"آہ۔ ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہاری معلومات کافی وسیع ہیں۔ اگر تم ذرا سا غور کرتے تو شائد تمہیں میرے اس شبہ کا کچھ نہ کچھ احساس ضرور ہوجاتا۔ میں اسی پُراسرار وجود کو علی فیضان کی موت کا باعث سمجھتا ہوں"۔

"کیا مطلب"؟

احسان فروغی تعجب سے اُچھل پڑا۔

"ہاں میرے دوست برف میں جما ہوا وجود، برف کی قبر سے آزاد ہوگیا تھا۔ اور ہم اس میں زندگی تلاش کر رہے تھے تمہیں یقیناً یہ بھی علم ہوگا کہ بہت ہی مختصر وقت گزرا جب میں علی فیضان کے پاس سے گیا ہوں۔ میں اور میری بیٹی فرخندہ یہاں موجود تھے"۔

"جی ہاں مجھے علم ہے"۔

"تو بس یوں سمجھ لو کہ علی فیضان کی موت کی وجہ مجھے معلوم ہے۔ اگر میرا شبہ غلط نہیں ہے تو"۔ میں نے کہا اور احسان فروغی متعجبانہ انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"اس کا مقصد ہے کہ میرے آقا کا قاتل اندر موجود ہے"!

"ہاں۔ اس بات کا امکان ہے۔ مگر یہ نیزہ میرے لئے قابلِ غور ہے۔ یہ کہاں سے آیا"؟

"خدا بہتر جانتا ہے۔ میں نے بھی اس سے قبل اس نیزہ کو نہیں دیکھا"۔

"حالانکہ وہ نیزہ جو اس برف کے انسان کے ہاتھ سے

برآمد ہوا تھا۔" میں نے کہا اور اسی وقت میں چونک پڑا مجھے یاد آگیا تھا کہ علی فیضان نے اس نیزے کی انی کو دوبارہ اس دستہ میں فٹ کر دیا تھا۔ آہ یہ وہی نیزہ تھا۔ یقیناً یہ وہی نیزہ تھا اور اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ علی فیضان کا قاتل برف میں جما ہوا وہی انسان ہے جو اب حرکت میں آچکا ہے اور اب ممکن ہے کسی اور کارروائی کے لئے اندر تیاریاں کر رہا ہو۔"

میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں ہرچند کہ قوی ہیکل انسان نہیں ہوں لیکن اعصاب کا مضبوط ہوں۔ البتہ اس بات کا مجھے احساس تھا کہ صدیوں پرانے اس عجیب و غریب وجود کی جسمانی قوتیں نہ جانے کہاں تک ہوں۔ اور میں اور احسان فروغی اس پر قابو پا سکیں یا نہیں۔

لیکن اگر ہم لوگ لیبارٹری میں داخل ہوئے اور ہم نے اسے قابو میں کرنے کی کوشش کی اور اس نے ہم پر حملہ کر دیا تو کیا ہم اسے پستول کی گولیوں سے ہلاک کر دیں گے۔ اس طرح تو تاریخ فنا ہو جائے گی۔ علی فیضان کا وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کے لئے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

میں کافی دیر تک اسی کشمکش کا شکار رہا۔ پھر میں نے احسان فروغی سے کہا۔

"تو کیا خیال ہے احسان فروغی۔ کیا پولیس کو اس سلسلے میں اطلاع نہ دو گے۔"

"ہرگز نہیں جناب۔ میری زبان بھی کاٹ لی جائے تو میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ کیونکہ میرے مالک کی آخری وصیت یہی تھی کہ اس سلسلے میں سوائے سلمان فردوسی کے کسی سے رابطہ قائم نہ کیا جائے۔" احسان فروغی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"ہوں۔ میں تمہارے اس ٹھوس کردار کا دل سے قائل ہو گیا ہوں احسان فروغی۔ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ علی فیضان جس عظیم کام کو کر چلا تھا اسے کسی کی تحویل میں دے کر خراب نہ کر دیا جائے۔ میں تمہیں تفصیل سے بتا رہا ہوں اس لئے کہ تم ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہو۔ علی فیضان برف میں جمے ہوئے اس انسان میں زندگی تلاش کر رہا تھا اور ہم اس میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔"

"علی فیضان کی خواہش تھی کہ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد دنیا کو اس کی اطلاع دیں۔ تم نہیں جانتے احسان فروغی کہ لوگ کس قدر ناسپاس ہوتے ہیں۔ اگر اس برفانی انسان کا راز اس لیبارٹری سے نکل کر حکومت کے کانوں میں پہنچ جائے تو حکومت اسے حاصل کرے گی، اس پر الٹے سیدھے تجربات کئے جائیں گے، اسے ضائع کر دیا جائے گا اور ممکن ہے کہ حکومت اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکے۔ اس طرح ایک ٹم کی ہیٹم حکومت کے ہاتھوں میں پہنچ کر برباد ہو جائے گی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔ اس لئے ہمیں اور تمہیں علی فیضان کی موت برداشت کرنا ہو گی۔ اس صدمے کو صدق دل سے قبول کرنا ہو گا۔ یوں کرتے ہیں کہ علی فیضان کے سینے سے یہ نیزہ نکال لیتے ہیں اور اسے محفوظ کر لیتے ہیں، اس کے بعد ہم خاموشی سے یہاں سے خون کے نشانات صاف کئے دیتے ہیں۔ علی فیضان کی لاش کو آج رات احتیاط کے ساتھ چھپا کر رکھا جائے گا۔ کل کا دن بھی گزارنا ہو گا۔ لیکن کل کے دن میں ہم یہ کارروائی کر لیں گے کہ کوئی اچھا تابوت حاصل کر لیں گے۔ یہ کام اس کوٹھی سے باہر بھی ہو سکتا ہے۔ پھر ہم یوں کریں گے کہ، دوسری رات علی فیضان کی لاش کو یہاں سے خاموشی سے لے جائیں گے۔ کفن دفن دیں گے اور تابوت میں رکھ کر کہیں دفنا دیں گے۔ دوسرے لوگوں کو یہی بتانا ہے کہ علی فیضان کسی خاص سلسلے میں مصروف ہے اور کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ کیونکہ کوٹھی کے دوسرے ملازموں کو یہ بات معلوم نہیں ہے، چنانچہ یہ کام خاموشی سے ہو جائے گا۔ اس طرح علی فیضان کے اس راز کی حفاظت بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ دوسری شکل میں حالات بہت بگڑ جائیں گے۔"

"یہی مناسب ہو گا جناب، ہرچند کہ یہ ایک مجرمانہ فعل ہے۔ علی فیضان کی طویل گمشدگی کو محسوس کر لیا جائے گا، اور اس کے بعد ممکن ہے کہ میں اس سلسلے میں ملوث ہو جاؤں لیکن مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے۔ میں آپ سے مکمل اتفاق رکھتا ہوں، اگر کبھی علی فیضان کے قتل کے الزام میں مجھے گرفتار کر لیا جائے تو میرا ضمیر تو صاف ہو گا کہ میں نے اپنے مالک کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن ان کی وصیت کی حفاظت کے لئے یہ کام ضروری ہے۔ اور میں اس سلسلے میں تیار ہوں۔"

"تو آؤ میرے دوست، ہم نے لیبارٹری کا دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے۔ تم علی فیضان کو سنبھالو، میں نیزہ اس کے سینے سے کھینچتا ہوں۔" میں نے کہا۔

جواں سال قوی ہیکل علی فیضان کے بدن سے نیزہ کھینچنا معمولی بات نہیں تھی، میں نے اس سلسلے میں شدید محنت

کی، تب کہیں جاکر ہم اس نیزے کو نکالنے میں کامیاب ہو سکے۔ اس کی اَنی کو دوسری طرف سے ٹھونک کر باہر نکالا گیا تھا۔ تب کہیں جاکر نیزے کا دستہ اس کے سینے سے باہر آسکا۔ خون کا فوارہ اب بھی بلند ہوگیا تھا، حالانکہ علی فیضان کے دم کو نکلے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ہم نے آخری بار اس منظر کو دیکھا اور پھر علی فیضان کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگے

احسان فروغی نے کچھ ایسی چیزیں مہیا کریں، جیسے پلاسٹک کی تھیلی ایک وسیع وعریض تھیلی جس میں علی فیضان کی لاش کو بند کر دیا گیا اور پھر اس کا منہ بند کر کے اسے بہت سے کپڑوں میں لپیٹ لیا گیا۔

اس کے بعد احسان فروغی اپنے مالک کی وزنی لاش کو اپنے بازوؤں میں اٹھائے آنسو بہاتا آگے بڑھ گیا۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ علی فیضان کی لاش کل دن میں اس تہہ خانے میں چھپا کر رکھی جائے گی جس کا علم احسان فروغی اور سلمان قدوسی کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ سو وہی ہوا۔ ہم نے لاش کو اس تہہ خانے میں محفوظ کر دیا اور احسان فروغی نے تہہ خانے کو لاک کر دیا اور پھر واپس آکر بہت سے کپڑوں سے علی فیضان کا خون خشک کیا گیا اور خون آلود کپڑوں کو ایک جگہ لے جاکر راکھ کر دیا گیا۔ گویا اب ہم نے علی فیضان کی موت کا ہر نقش مٹا دیا تھا۔

لیکن اس کی موت کا جو نقش ہمارے سینوں میں پیوست ہوگیا تھا اسے ہم کبھی نہیں مٹا سکتے تھے، تاہم اس وقت میں نے خود کو سنبھالنا ہی مناسب سمجھا اور اب ہم اس کام کے لئے تیار تھے جو ہمارے لئے بھی خطرناک ہو سکتا تھا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ آنے والی صبح ہم دونوں کی لاشیں کوٹھی کے دوسرے ملازمین کو ملیں اور تھوڑی دیر کے بعد ہماری موت کا چرچا عام ہو جاتا۔

پستول ہاتھ میں لے کر ہم نے لیبارٹری کا دروازہ کھولا، اندر مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں اس لیبارٹری کو بہت پہلے بھی دیکھ چکا تھا اور حالیہ طور پر بھی، چنانچہ میں سیدھا پستول ہاتھ میں لئے اس جگہ پہنچا جہاں برفانی انسان موجود تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر میرا دل بڑے زور زور سے دھڑکنے لگا کہ برفانی انسان اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔

میری نگاہیں لیبارٹری کے چاروں طرف کا تعاقب کرنے لگیں اور پھر ایک مشین کے نزدیک آرام کرسی کے پاس میں نے اس برفانی وجود کو پڑے ہوئے دیکھا، ہاں وہ اوندھا پڑا ہوا تھا، ہم دونوں پستول سنبھالے ہوئے اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ برفانی ننگ دھڑنگ انسان جو دیکھنے میں اچھا خاصا خوش شکل بھی تھا دوزانو پڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم میں زندگی تھی جس کا احساس اس کے سانس لینے سے ہو رہا تھا، میں نے احسان فروغی کی جانب دیکھا اور احسان فروغی نے میری جانب۔

پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

”احسان فروغی ہم اسے کس طرح قابو میں کریں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسے رسیوں میں جکڑ لیں؟“

”لیکن اگر یہ جاگ گیا تو۔“ احسان فروغی نے پوچھا۔

”ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔“

”کیا میں کسی اور کی مدد بھی طلب کر سکتا ہوں اس سلسلے میں۔“

”نہیں ہرگز نہیں احسان فروغی، خواہ ہمیں کوئی نقصان ہی کیوں نہ پہنچ جائے، یہ کام ہمیں خود ہی کرنا ہوگا۔“ میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

اور احسان فروغی چاروں طرف دیکھنے لگا، پھر ہم نے چند ایک ایسی چیزوں کا انتخاب کر لیا جن کی مدد سے ہم اسے رسّے میں جکڑ سکتے تھے۔

احسان فروغی نائلون کی رسّی اٹھا لایا جو یہاں موجود تھی اس نے رسّی کا ایک نہایت نفیس پھندا بنایا جسے دور ہی سے ہم اس کے پیروں میں ڈال کر اسے باآسانی جکڑ سکتے تھے۔ پھر یہ پھندا اس کے پیروں میں ڈالنے کی کارروائی ہونے لگی۔ اس کا بیڑا میں نے اٹھایا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں انتہائی احتیاط کے ساتھ اس کی پشت پر پہنچ گئے۔ میں اس کے بالکل قریب تھا، احسان فروغی چند گز کے فاصلے پر تھا۔ رسّی کا پھندا اس کے ہاتھ میں تھا اور پھر میں نے ہمت سے کام لے کر اس کے دونوں پاؤں زمین سے بلند کئے اور احسان فروغی نے رسّی کا پھندا اس کے پاؤں میں ڈال دیا۔ دوسرے لمحے اس نے جھٹکا مارا اور رسّی کا پھندا اس کے پیروں میں فٹ ہوگیا۔

لیکن ہماری اس حرکت پر اس نے کوئی جنبش نہیں کی تھی۔ وہ سانسیں ضرور لے رہا تھا۔ لیکن ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ پھر احسان فروغی نے رسّی کا ایک سرا اس کی پیٹھ میں باندھا اور ہم دوبارہ اس کے پاس پہنچ گئے۔ اس کے بعد ہم نے اسے پلٹ دیا۔

وہ بیہوش تھا۔ گہری گہری سانسیں ضرور لے رہا تھا۔

لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ ہم نے موقع غنیمت جانا اور اس کے دونوں ہاتھ بھی رسی سے بری طرح کس دیئے۔ ہم نے رسی کو اس طرح کس دیا تھا کہ اب بالکل جنبش تک کرنے کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ اس کے بعد ہم نے اسے محنت کر کے اٹھایا اور اس جگہ لے گئے جہاں چند گھنٹے پہلے وہ موجود ہوگا۔

احسان فروغی کینہ توز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اب یہ بات اس کے دل میں مکمل طور پر جڑ پکڑ چکی تھی کہ یہی شخص اس کے آقا کا قاتل ہے۔ اسے اسٹریچر پر لٹانے کے بعد اس نے نفرت بھری نگاہوں سے اس پراسرار شخص کو دیکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"دل تو چاہتا ہے جناب کہ چھری نکال کر اس کے کئی ٹکڑے کر ڈالوں لیکن بس دل مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ یہ میرے آقا کا قاتل ہے۔ اس بات کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔"

"سکون سے کام لو احسان فروغی شدتِ جذبات میں اس قسم کی بات مت سوچو جو تمہارے آقا کی مرضی کے خلاف ہو۔ سنو میں تمہیں بتاتا ہوں تاکہ تم حقیقتِ حال سمجھ لو اور اس سلسلے میں میری مدد کر سکو۔"

"میں منتظر ہوں جناب۔"

"تمہیں علم ہے کہ برف کی یہ سِل علی فیضان کے ایک دوست نے خصوصی طور پر اسے بھجوائی تھی۔ علی فیضان کا وہ دوست ایک سول انجینئر ہے۔ اور کہیں ایسا کوئی کام کر رہا ہے جہاں اسے برف کی یہ سِل دستیاب ہو سکی۔ اس کے لئے اس کا اس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں تھا کہ وہ اپنے دوست علی فیضان جیسے آرکیالوجسٹ کو یہ تحفہ بھجوا دے تاکہ علی فیضان اپنے تجربات میں اضافہ کر سکے لیکن یہ علی فیضان کی بدنصیبی تھی کہ وہ اس اہم منصوبے پر کام مکمل نہ کر سکا اور وقت سے پہلے موت کا شکار ہو گیا۔

اس برفانی انسان نے علی فیضان کو قتل کر کے ہوش و حواس کا ثبوت نہیں دیا ہے لیکن اس بات پر ہم اسے سرزنش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کا وجود کتنا قدیم ہے۔ اور وہ کون سے محرکات تھے جن سے مجبور ہو کر اس نے ایک زندہ انسان کو قتل کر دیا۔

احسان فروغی درحقیقت اس قتل کو اگر دوسرے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ دراصل قتل نہیں ہے بلکہ ایک ایسے حیوانی جذبے اور ایسی حیوانی جبلت کا مظاہرہ ہے جو اس قسم کا انسان کر سکتا تھا۔ اب تم یوں سمجھ لو کہ ہمیں اس کی توقع تھی لیکن علی فیضان محتاط نہ رہ سکا۔ کاش وہ محتاط رہتا۔ کاش میں یہاں سے نہ جاتا تو شاید ہم علی فیضان کے بارے میں اب اس طرح ہم گفتگو نہ کر رہے ہوتے، ہم علی فیضان کو نہ کھوتے۔"

"تو پھر اب کیا حکم ہے آقا سلمان فدوسی؟" احسان فروغی نے پوچھا۔

"دیکھو احسان فروغی تم میرے دوست ہو، میری ان باتوں سے کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا، مجھے علم ہے کہ تم جیسے وفادار کسی طرح اپنی وفاداریاں تبدیل نہیں کر سکتے لیکن علی فیضان سے مجھے جس قدر دلی لگاؤ تھا اس کے تحت میں بھی تمہارے لئے اتنا ہی محترم ہوں جتنا علی فیضان تھا احسان فروغی میں جانتا ہوں کہ تم نوجوان ہو دنیا کے کسی بھی خطے میں جا کر اپنے لئے رزق تلاش کر سکتے ہو۔ لیکن احسان فروغی میرے محسن میرے دوست اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اب تم مجھے علی فیضان کی جگہ دے دو تو کیا تم اس بات کو قبول کر لو گے۔"

"میں نہیں سمجھا جناب سلمان فدوسی" احسان فروغی نے سعادت مندی سے کہا۔

"بس میں یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح تم علی فیضان کے ساتھ رہتے تھے اسی طرح اب میرے ساتھ رہو، ہم اس مسئلے کو مل جل کر حل کریں۔ اور تم اس سلسلے میں میرا مکمل طور پر ساتھ دو، باقی رہا دوسرے معاملات کا تو اس سلسلے میں مجھے تم سے کوئی کاروباری گفتگو کرتے ہوئے شرم محسوس ہوگی۔ میں تو تم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم صبح میرے لئے اپنی

خدمات مختص کر دو۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ابھی یہ زخم تمہارے دل میں بہت گہرا ہوگا۔ تاہم ہم دونوں مل کر ہی اس زخم کا مداوا کر سکتے ہیں۔ تم نہیں جانتے ایک اور ہستی بھی ہے جو علی فیضان کی موت کے بعد زندگی سے بیزار ہو جائے گی۔ مجھے تو اس کی فکر کھائے جاتی ہے۔"

"کون"؟ احسان فروغی نے پوچھا۔

"میری بیٹی فرخندہ۔" میں نے جواب دیا اور احسان فروغی گردن ہلانے لگا۔

"جی ہاں یہ بات میرے علم ہے کہ خاتون فرخندہ میرے آقا علی فیضان کو پسند کرتی تھیں۔"

"آہ! نہ صرف پسند کرتی تھی بلکہ دل و جان سے اسے چاہتی تھی۔ اسے جب یہ احساس ہوگا کہ اس کی ذرا سی لغزش علی فیضان کی موت کا باعث بن گئی ہے تو وہ خود کو کبھی معاف نہ کر سکے گی۔ بہر صورت ہمیں ان تمام معاملات کو مدنظر رکھنا ہے، اب ہمارا اگلا قدم یہ ہوگا کہ ہم اس عجیب و غریب انسان کو یہاں سے منتقل کر دیں۔"

"کہاں"؟

"میری لیبارٹری میں۔ یہ کام مجھے اور تمہیں مل کر اب سے تھوڑی دیر کے اندر اندر انجام دے دینا ہے۔"

"لیکن جناب۔"!

"سنو احسان فروغی یہ بہت ضروری ہے، جس طرح یہ ضروری ہے کہ ہم علی فیضان کی موت کو چھپائیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس برفانی انسان کو فوراً یہاں سے منتقل کر دیں، ورنہ اگر یہ بات عام ہو گئی تو پھر سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔"

"آپ نے ٹھیک فرمایا تو پھر مجھے حکم دیجئے کہ میں کیا کروں۔"

"بس اسے خاموشی سے یہاں سے لے چلنا ہے، باہر میری گاڑی موجود ہے۔ یہاں تاریکی ہے اس لئے کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکے گا۔ تم اسے یہاں سے وہاں تک لے جانے میں میری مدد کرو۔ میرا خیال ہے یہ بے دست و پا ہے۔ اور کوئی حرکت نہ کر سکے گا۔"

یوں میں احسان فروغی کے ساتھ مل کر راتوں رات اس برفانی وجود کو اپنی لیبارٹری میں لے آیا اور بخدا اس میں میری کسی بدنیتی کو دخل نہیں تھا۔ میں نے تو خواب و خیال میں بھی نہ سوچا تھا کہ میں اس عظیم شے کو اپنے نام سے منسوب کروں گا۔ لیکن میرا دوست علی فیضان اب اس دنیا میں موجود نہیں تھا چنانچہ یہ ذمہ داری اب مجھ پر آن پڑی تھی۔ کہ جو تحقیقات وہ ادھوری چھوڑ گیا ہے انہیں میں مکمل کروں۔ احسان فروغی نے میرے ساتھ مکمل تعاون کیا تھا۔ ابھی تک میں نے فرخندہ کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

دوسرا دن بھی مصروفیت کا دن گزرا۔ میں علی فیضان کی کوٹھی میں چلا گیا اور وہاں کے حالات پر نظر رکھ رہا تھا۔ اس دوران میں نے اور احسان فروغی نے مل کر وہ سارے انتظامات مکمل کرلئے تھے۔ یعنی تابوت کی فراہمی اور رات کو خاموشی سے ایک لاش کو دفنا دینے کا انتظام۔ جو ہم نے ایک قدیم قبرستان میں کیا تھا۔ اور اس انداز میں کیا تھا کہ کسی کو ہمارے بارے میں علم نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس رات کے تقریباً ایک بجے علی فیضان کو سپرد خاک کر دیا گیا اور ہم اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بعد واپس آ گئے۔

میں نے احسان فروغی سے یہی کہا تھا کہ ابھی چند روز وہ علی فیضان کی کوٹھی میں ہی گزارے اور وہاں کے معاملات دیکھے۔ اس کے بعد حالات جو بھی رخ اختیار کریں اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر میں رات کے تین بجے اپنی کوٹھی واپس پہنچا تھا۔ لیکن کوٹھی میں ایک اور ہنگامہ میرا منتظر تھا۔

فرخندہ میری بیٹی میرا انتظار کر رہی تھی۔ باقی دوسرے لوگ بھی جاگ رہے تھے، ملازم ہتھیاروں سے لیس تیار کھڑے ہوئے تھے اور یہ سارا اجتماع میری لیبارٹری کے اردگرد تھا، میں پریشان سا ان سب کے قریب پہنچ گیا اور فرخندہ مجھے دیکھ کر دوڑتی ہوئی میرے نزدیک آ گئی۔

"ڈیڈی کمال ہو گیا۔ کمال ہو گیا ڈیڈی، آج ہم نے ایک چور پکڑا ہے۔"

"کیا مطلب"؟ میں نے بدحواس لہجے میں پوچھا۔

"اندر لیبارٹری میں ایک چور موجود ہے۔ بخدا میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں، میں نے اس کی آوازیں سنی ہیں اچھی طرح سے اسے دیکھا ہے۔ وہ لیبارٹری میں ادھر ادھر گردش کر رہا ہے اور شاید اس نے اندر کچھ توڑ پھوڑ بھی مچائی ہے۔"

"اوہ۔ اوہ کب کی بات ہے یہ۔"

"تقریباً دو گھنٹے سے یہی ہو رہا ہے ڈیڈی، ہم نے دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے۔ اور لیبارٹری کے چاروں طرف کے

حصے مکمل طور پر مقفل کر دیئے ہیں تاکہ چور باہر نکل کر نہ بھاگ سکے۔"

"بڑی احمقانہ بات ہے تمہاری، بھلا لیبارٹری میں کون چور داخل ہوگا۔"

"آپ مجھے گولی مار دیں ڈیڈی اگر ایسا نہ ہوا ہو، میں آپ سے جو کچھ کہہ رہی ہوں، انکل سے بھی پوچھ لیجئے اور میری دوست حمیرا سے بھی، کیوں ہم نے اندر آواز سنی تھی نا حمیرا۔"

فرخندہ نے حمیرا سے پوچھا۔

"ہاں انکل، فرخندہ سچ کہہ رہی ہے۔ اندر یقینی طور پر کوئی موجود ہے۔" حمیرا نے جواب دیا۔

"بیوقوف ہو تم لوگ، بالکل بیوقوف ہو۔ اندر میں نے ایک شخص کو رکھا ہوا ہے، یہ شخص ذہنی طور پر نیم دیوانہ ہے اور میں تجرباتی طور پر اسے بند کر کے گیا تھا، تعجب ہے کہ تم لوگوں نے احمقانہ سوچا اور خواہ مخواہ ہنگامہ کھڑا کر دیا۔"

"کس کو بند کیا تھا آپ نے ڈیڈی۔"؟ فرخندہ نے سوال کیا۔

"یہ بات میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا، بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں کسی کو بتانا ضروری نہیں ہوتا، تم نے۔ مجھے تم سے ایسی توقع نہیں تھی فرخندہ۔" میں نے ناراضگی سے کہا۔

"مگر اس نے اندر توڑ پھوڑ بھی تو مچائی ہے ڈیڈی، آپ نے ایک نیم دیوانہ شخص کو اپنی قیمتی لیبارٹری میں بند کر کے کسی ذہانت کا ثبوت تو نہیں دیا۔" فرخندہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"میں نے ذہانت کا ثبوت دیا ہو یا حماقت کا، تمہیں اس سلسلے میں مجھ سے باز پرس نہیں کرنی چاہیئے۔"

"آپ کی مرضی، میں تو آپ کو اطلاع دے رہی تھی اگر آپ اس بات کو ناخوشگوار انداز میں لے رہے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ آؤ حمیرا چلیں۔"

اور میں نے انہیں ٹال دیا۔ لیکن اب میں خود بھی بدحواس تھا، اگر وہ پھر ہوش و حواس میں ہے تو پھر میرے اندر داخل ہونے پر کیا ہوگا۔ لیکن میں تو اسے باندھ کر گیا تھا، اس نے اپنے آپ کو رسیوں سے آزاد کیسے کرا لیا۔ بڑی ہی خوفناک سچویشن تھی۔ میں تھوڑی دیر تک تو سوچتا رہا پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ بیچارے احسان فروغی کو ایک بار پھر تکلیف دوں، یہ شخص بھی میری وجہ سے بلاوجہ تکلیف کا شکار ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے ٹیلیفون پر اسے طلب کیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی آواز میرے کانوں میں ابھری۔

"احسان فروغی بول رہا ہے۔"

"میں سلمان فردوسی ہوں میرے دوست۔"

"اوہ آقا، فرمایئے کیا حکم ہے۔"

"احسان فروغی تم فوراً میرے پاس پہنچ جاؤ، میں ایک بار پھر وہی مشکل درپیش آ گئی ہے۔ جو وہاں تھی۔"

"یعنی۔" احسان فروغی نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ شاید ہوش میں آ چکا ہے، اس نے میری لیبارٹری میں توڑ پھوڑ مچائی ہے، پتہ نہیں گھر کے لوگ یہی کہتے ہیں، حالانکہ مجھے تعجب ہے کہ وہ آزاد کیسے ہو گیا۔ تاہم تمہاری مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تم جلدی آ جاؤ۔ تمہاری مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"بس میں چند لمحات میں پہنچا۔" احسان فروغی نے جواب دیا۔ اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

میں بے چینی سے احسان فروغی کا انتظار کر رہا تھا اور لیبارٹری کے دروازے کے سامنے ہی ٹہل رہا تھا۔ ان دنوں جن حالات کا شکار رہا تھا اس کے بارے میں میرا دل ہی جانتا تھا، ادھر بھائی صاحب آئے ہوئے تھے۔ اور وہ میرے لئے بے چین تھے کیونکہ طویل عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ میں زیادہ سے زیادہ ان کی خدمت میں حاضر رہوں۔ فرخندہ بھی اس طرح حمیرا میں کھوئی ہوئی تھی کہ اپنے محبوب علی فیضان ہی کو بھول گئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ اس نے ابھی تک ایک بار بھی علی فیضان کو فون نہیں کیا۔ ورنہ وہ مجھ سے اس کا تذکرہ تو کرتی ہی کہ علی فیضان سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی۔ بہرصورت یہ سارے خیالات میرے ذہن میں گڈ مڈ تھے کہ احسان فروغی میرے پاس پہنچ گیا۔ ایک ملازم اسے لے کر میرے پاس آیا تھا۔

"جناب عالی کیونکہ رات زیادہ گزر چکی ہے اور عموماً رات کے اس وقت کسی مہمان کو آپ سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ مہمان مصر تھے کہ میں انہیں آپ کے پاس پہنچا دوں، اور چونکہ یہ بات میرے علم میں تھی کہ آپ جاگ رہے ہیں اس لئے میں نے یہ جرأت کر ڈالی کیا ان صاحب

کو آپ سے ملنے کی ..."

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ۔" میں نے ملازم سے کہا اور ملازم چلا گیا۔

احسان فروغی میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"خیریت تو ہے آقا۔ مجھے یقین ہے کہ رات کے اس وقت آپ نے مجھے بلاوجہ ہی نہ طلب کیا ہوگا۔"

"کسی حد تک تمہیں بتا چکا ہوں کہ شاید وہ جاگ گیا ہے اور میں تنہا لیبارٹری میں داخل ہو کر اس پر قابو پانے میں کامیاب نہ ہو سکوں گا۔ اس لئے میں نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

"میں حاضر ہوں آقا۔ آیئے ہم لوگ لیبارٹری میں چلیں۔"

احسان فروغی نے کہا اور ہم دونوں لیبارٹری میں پہنچ گئے۔ لیبارٹری میں روشنی تھی اور وہ ایک مشین کے گرد بیٹھا ہوا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے کا رُخ سامنے کی جانب تھا ہاتھ اور پاؤں اب بھی بندھے ہوئے تھے۔ لیکن شاید اس نے اپنے طور پر انہیں آزاد کرنے کی کوشش کی تھی، شور و غل کی جو آوازیں اندر سے آئی تھیں، وہ اس چیز کی تھیں کہ جس جگہ وہ بیٹھا تھا وہاں قریب رکھے ہوئے کچھ آلات ٹوٹ پھوٹ گئے تھے، اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کھولنے کے لئے جنبش کی ہوگی۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اسے بیٹھے دیکھ کر میں اور احسان فروغی دونوں ہی چونک پڑے۔ بند آنکھوں سے اس نے ہمیں نہیں دیکھا تھا نا ہی ہماری چاپ پر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی، ہم لوگ آہستہ آہستہ اس کے نزدیک پہنچ گئے اور پھر میں نے اسے چھو کر دیکھا لیکن میرے چھونے پر بھی اس نے آنکھیں نہیں کھولیں تھیں بلکہ آنکھیں بند کئے بیٹھا تیز تیز سانسیں لیتا رہا تھا۔ تب میں نے احسان فروغی سے کہا۔

"میرا خیال ہے میں اسے بیہوشی کا انجکشن دیدوں۔"

"نہیں آقا اس کے برعکس ہم اسے ہوش میں ہی رہنے دیں تو زیادہ بہتر ہے، کم از کم یہ تو پتہ چلے گا کہ اس کے اندر کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔"

احسان فروغی نے کہا اور میں نے اس سے اتفاق کر لیا۔ پھر میں نے اور احسان فروغی نے پوری طاقت صرف کر کے اسے دوبارہ نیچے لٹا دیا۔ لیکن جونہی وہ چت لیٹا اس کی آنکھیں کھل گئیں، کھوئی کھوئی سی سیاہ حسین آنکھیں جن میں عجیب سے تاثرات جھلک رہے تھے، بلاشبہ ہوش و حواس میں یہ آنکھیں بیحد حسین ہوں گی لیکن اس وقت یہ ہمیں بیحد خوفناک محسوس ہو رہی تھیں۔ ہم دونوں اسے دیکھتے رہے۔ اس کی نگاہیں ہم پر نہیں تھیں بلکہ وہ بے خیالی کے انداز میں ادھر ادھر نگاہیں گھما رہا تھا۔ اگر اس کے ہوش و حواس بحال ہوتے تو یقینی طور پر وہ ہمیں نگاہیں جما کر دیکھتا لیکن آہستہ آہستہ یہ کیفیت بھی بحال ہو گئی۔ پھر اس کی سیاہ پتلیاں ہم پر ٹک گئیں، وہ ہمیں دیکھ رہا تھا اور پھر پہلی بار میں نے اس کے چہرے پر ناخوشگوار کیفیت کے آثار دیکھے۔ اس کا سینہ آہستہ آہستہ اوپر نیچے ہو رہا تھا لیکن پھر اس کے سانسوں کی رفتار بڑھتی چلی گئی۔ اب اس کے چہرے پر وحشت انگیزی سی نمایاں ہو گئی، جبڑے بھنچ گئے، اور پھر ایک تیز دہاڑ اس کے منہ سے نکلی، تب اس نے پوری قوت صرف کر کے بغیر ہاتھ زمین پر ٹکائے اٹھنے کی کوشش کی اور اٹھ کر زمین پر بیٹھ گیا، یہ اس کی جسمانی قوت کا کارنامہ تھا، یوں بھی اس کا جسم ٹھوس اور فولادی معلوم ہوتا تھا، حالانکہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ لیکن ہم پر اتنی وحشت سوار ہوئی کہ ہم جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔

احسان فروغی بھی متعجبانہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کسی نامعلوم زبان میں چند الفاظ کہے۔ اور میں ششدر رہ گیا۔ یہ زبان میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اس نے کئی بار یہ زبان بولی اور پھر کسی قدر نڈھال ہو گیا۔ وہ ہماری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا لیکن ہم میں سے کون تھا جو اسے اس کی بات کا جواب دیتا۔ تب میں خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا اس کی صورت دیکھتا رہا۔ اس نے پھر کچھ کہا تو میں نے دھیمے لہجے میں اس سے کہا۔

"میں تمہاری زبان سمجھ نہیں پا رہا، کیا تم کوئی اور زبان نہیں بول سکتے؟"

میری اس بات کو اس نے تعجب سے سنا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ پھڑپھڑائے، گویا اٹھنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن اس کوشش میں وہ ایک جانب لڑھک گیا۔ ہم نے اسے فوراً سہارا دیا تھا اور ہمارے سہارے کو اس نے متعجبانہ نگاہوں سے دیکھا تھا، شاید اس کا خیال یا وہ اس بات کا منتظر تھا۔ کہ ہم اسے زک پہنچائیں گے لیکن اس کے برعکس ہم نے اسے سہارا دیا تھا۔ اس لئے اب اس کی آنکھوں میں کسی قدر سکون کے آثار نظر آنے لگے۔ اس نے پھر اپنی زبان میں چند جملے کہے۔

ہم نے اسے متوازن کر دیا تھا لیکن بدقسمتی تھی ہماری

کہ ہم اس زبان کو نہیں سمجھ سکتے تھے، اس لئے میں خاموش رہا، پھر میں نے احسان فروغی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر ہم دوستی کے اظہار کے طور پر اس کے ہاتھ کھول دیں تو کیسا رہے۔"

"مناسب نہیں رہے گا جناب۔" احسان فروغی نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہاتھ کھلنے کے بعد یہ اپنے پیروں کو بھی آزاد کرائے گا اور ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ اس نے میرے آقا اور آپ کے دوست کو قتل کر دیا تھا۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو احسان فروغی، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ اور نرم سلوک کروں۔" میں نے کہا۔ اور احسان فروغی پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی، چنانچہ میں وہاں سے ہٹ گیا۔ پھر میں نے ایک گلاس میں مشروب انڈیلا اور گلاس لے کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ ہماری ہر ہر حرکت کو تحیر خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

مشروب کا خوش رنگ گلاس میں نے اس کی جانب بڑھایا اور پھر آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں کے نزدیک لے گیا، وہ سمجھنے والے انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا اور پھر جب میں نے گلاس اس کے ہونٹوں سے لگانے کی کوشش کی تو اس نے تعرض نہ کیا اور مشروب آہستہ آہستہ اپنے معدے میں انڈیلنے لگا۔ مشروب پینے کے بعد وہ خاصا پُر سکون نظر آنے لگا تھا۔ اور اب اس کے انداز میں جارحیت نہیں تھی۔ کاش وہ علی فیضان کا قاتل نہ ہوتا، کاش ہم اس کو کچھ اور اطمینان دلا سکتے۔

میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

لیکن میں یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ احسان فروغی اس کے بارے میں اچھے خیالات ذہن میں نہیں رکھتا، چنانچہ اس کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے میں اس برفانی انسان سے بہت اچھا سلوک نہیں کر سکتا تھا، تاہم اس مشروب کو پینے کے بعد اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ ہم دوست ہیں دشمن نہیں، میں نے اس کے ہاتھوں کی رسیوں کی جانب دیکھا اور پھر ہمت کر کے انہیں کھول دیا۔

احسان فروغی نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا تھا اور اب منتظر تھا وہ اس بات کا کہ اب وہ ہمارے ساتھ کوئی جارحانہ سلوک کرے گا۔ اور احسان فروغی اس کے ہاتھوں کو ناکارہ کر دے گا لیکن اس نے ایسا نہ کیا، اپنے کھلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس بار اس کے منہ سے جو الفاظ نکلے وہ درحقیقت ممنونیت کا اظہار تھے کیونکہ کم از کم لہجے سے یہی اندازہ ہوتا تھا۔

انسان بہت ہی خود غرض جانور ہے۔ یہ بات کسی مفکر نے کہی تھی اور میں نے بارہا پڑھی تھی۔ لیکن اس وقت یہ سو فیصدی مجھ پر چسپاں ہو رہی تھی۔

اس کے انداز میں یہ تعاون دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ اے کاش میں احسان فروغی کو اس وقت نہ بلاتا۔ اس کے جذبات کا پاس کرنے کے لئے میں اس پُراسرار دنیا کے پُراسرار شخص سے زیادہ پُرخلوص برتاؤ نہیں کر سکتا تھا لیکن اس بات کا اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ اگر اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے تو یہ رام ہو جائے گا اور اس کے اندر وہ وحشت خیزی نہ رہے گی جس نے علی فیضان کو قتل کر دیا تھا۔

میں نہیں جانتا تھا اور آج تک نہیں جان سکا کہ علی فیضان کے قتل کا باعث کیا ہے۔ کس طرح یہ شخص اٹھا کس طرح اس نے نیزہ اٹھایا۔ علی فیضان نے اس سے کیا کہا جو اس نے علی فیضان کو قتل کر دیا۔

یہ ساری باتیں صیغۂ راز میں تھیں اور آج تک ان کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔

ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ میرے ذہن میں یہ خواہش جنم لے رہی تھی کہ کاش احسان فروغی یہاں موجود نہ ہوتا اور اس کے اظہار کا بالآخر میں نے ایک مناسب موقع تلاش کر لیا۔ میں اسے وہیں بند کر کے باہر نکل آیا۔ احسان فروغی میرے ساتھ تھا۔ باہر آ کر میں احسان فروغی سے بولا۔

"یوں لگتا ہے میرے دوست جیسے اب یہ ہوش میں آ گیا ہے۔"

"ہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" احسان فروغی نے جواب دیا۔

"تو پھر میرا خیال ہے کہ اب اسے سکون سے آرام کرنے دیا جائے میں اسے ایک انجکشن لگا کر بیہوش کر دوں گا۔ اور اس کے بعد جب یہ دوبارہ ہوش میں آئے گا تو ہم اس کا تجزیہ کریں گے۔ چنانچہ اب اگر تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو، میں تمہاری

واپسی کا بندوبست کر دیتا ہوں۔"

"نہیں جناب شکریہ۔ میں گاڑی اپنے ساتھ لایا ہوں تاہم اگر میری ضرورت ہو تو میں رات کو یہاں رکنے کے لئے تیار ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی دوسرے ناخوشگوار حادثے سے دوچار ہوں۔"

"نہیں اب میں جا کر سو جاؤں گا کیونکہ میں نے اس سلسلے میں اپنی بیٹی کو بھی ناراض کر دیا ہے۔ چنانچہ اس وقت تمہاری ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"بہت بہتر آقا۔ تو اب مجھے اجازت دیجئے۔" احسان فروغی نے کہا۔

میں اسے کوٹھی کے دروازے تک چھوڑنے آیا تھا، جہاں علی فیضان کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ احسان فروغی نے مجھے سلام کیا اور کار میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

اور پھر میں تیز قدموں سے واپس لیبارٹری کی جانب چل پڑا۔ لیکن میں ابھی لیبارٹری کے دروازے کے نزدیک پہنچا ہی تھا کہ مجھے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا۔ کوئی سایہ اندھیرے سے نکل کر میری طرف بڑھا تھا اور میرے بدن میں خوف و دہشت سے جھرجھری پھیل گئی۔ میں یہی سمجھا کہ وہ کسی طور لیبارٹری سے نکل آیا ہے۔ حالانکہ اس کے پیر مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ لیکن پھر میں نے سائے کو غور سے دیکھا جو اب کسی قدر روشنی میں آ گیا تھا۔ اور میرے دل کی حالت کسی قدر نارمل ہونے لگی۔ یہ میری بیٹی فرخندہ تھی۔

فرخندہ کو دیکھ کر مجھے کسی قدر سکون محسوس ہوا۔ تاہم میں نے شکایتی انداز میں کہا۔

"تمہیں اس طرح تاریکی میں نہیں چھپنا چاہئے تھا فرخندہ بہرصورت اب میں اتنا دلیر بھی نہیں ہوں کہ خوف میرے نزدیک بھی نہ پھٹکے۔"

"تو کیا آپ خوفزدہ ہو گئے ڈیڈی۔" فرخندہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ تمہیں اچانک اس طرح دیکھ کر۔"

"بڑے تعجب کی بات ہے ڈیڈی۔"

"کیوں، کیوں۔"

"آپ کسی چور کو لیبارٹری میں پا کر تو خوفزدہ نہیں ہوئے تھے۔ لیکن مجھ سے ڈر گئے۔" فرخندہ نے بدستور طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا مقصد ہے تمہارا؟"

"کچھ نہیں ڈیڈی۔ بس میں ان حالات کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ وہ کون ہے جو لیبارٹری میں موجود ہے۔ اور آپ مجھ سے اپنی کوئی بات کیوں چھپا رہے ہیں جبکہ آج تک ایسا نہیں ہوا، مجھے سخت تعجب ہے اور دکھ بھی۔"

"اوہ فرخندہ ایسی باتیں نہ کرو، تمہارے لئے میرے پاس ایک بہت بڑی خبر ہے۔ جسے میں سنانا نہیں چاہتا بہتر یہ ہوگا کہ تم حمیرا کے ساتھ وقت گزارو اور اس وقت تک پرسکون رہو جب تک یہ لوگ یہاں سے چلے نہ جائیں۔"

"حمیرا اور نانا میاں کل جا رہے ہیں، لیکن وہ ایسی کونسی خبر ہے جو آپ مجھے سنانے سے پرہیز کر رہے ہیں۔" فرخندہ نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا ان لوگوں کو چلا جانے دو۔"

"نہیں ڈیڈی میں ابھی تک نہیں سوئی۔ حالانکہ دیکھئے اس وقت رات کے سوا چار بج رہے ہیں، میں صرف اس لئے جاگ رہی ہوں کہ میں آپ کا وہ راز معلوم کروں جس کا تعلق لیبارٹری سے ہے۔"

"فرخندہ دیکھو میں ایک بار پھر تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ خود کو قابو میں رکھو۔ اس پر مصر نہ ہو کہ میں وہ راز ابھی تمہیں بتا دوں اور ہاں یہ بات تم نے کیسے کہی کہ بھائی جان کل ہی جا رہے ہیں۔"

"ان کا پروگرام مجھے شام ہی سے پتہ تھا، انہیں احساس ہے کہ آپ بہت مصروف ہیں، لیکن ان کے جانے کی وجہ آپ کی مصروفیت نہیں ہے بلکہ وہ سنجیدگی سے جانا چاہتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ چند روز کے بعد وہ پھر واپس آئیں گے۔ حمیرا کو میں نے بڑی مشکل سے جانے کی اجازت دی ہے وہ بھی اس شرط پر کہ وہ بہت جلد واپس آئے گی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے فرخندہ کہ یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ کیا تم اس وقت تک انتظار نہیں کر سکتیں جب تک یہ دونوں حضرات یہاں سے چلے نہ جائیں۔"

"اب تو میں ایک لمحہ بھی انتظار نہیں کر سکتی ڈیڈی آپ نہیں جانتے میرا تجسس کس حد تک بڑھ گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میں رنجیدہ بھی ہوں۔ کیا ایسی بھی کوئی بات ہو سکتی ہے اس دنیا میں جو آپ مجھ سے بھی چھپانا چاہتے ہیں۔" فرخندہ نے دھیمے لہجے میں کہا اور میں مجبور

ہوگیا۔

"نہیں فرخندہ۔ لیکن ایک بات کا خیال کرنا، اگر تمہاری ضد نے مجھے کوئی نقصان پہنچا دیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا مطلب ڈیڈی۔ آپ کی باتیں مجھے سخت پریشان کر رہی ہیں۔" فرخندہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"فرخندہ، تمہیں خود کو قابو میں رکھنا ہوگا، کسی بھی طور یہ راز کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا، اگر یہ راز ظاہر ہوگیا تو تم یقین کرو یہ میری زندگی سے کھیلنے کے مترادف ہوگا۔" فرخندہ حیرت سے منہ پھاڑے میری شکل دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیئے ڈیڈی، جو آپ کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔ لیکن براہ کرم مجھے بتائیں، میں سخت پریشان ہوں، آخر بات کیا ہے؟"

"اگر میں تمہیں یہ اطلاع دوں فرخندہ کہ علی فیضان کو قتل کر دیا گیا ہے تو تمہاری کیفیت کیا ہوگی؟" میں نے سوال کیا۔ اور جس بات کا مجھے یقین تھا وہی ہوا۔

میرے ان الفاظ پر فرخندہ ایک لمحے کے لئے بھونچکی ہو گئی۔ پھر اس طرح مجھے دیکھنے لگی جیسے میرا ذہنی توازن خراب ہوگیا ہو۔ پھر وہ ایک کان مسلنے لگی جیسے اسے اپنی سماعت پر دھوکا ہوا ہو۔ اور پھر اس نے ڈوبتی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

"یہ ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔"

"فرخندہ جس بات کے لئے میں تمہیں منع کر رہا تھا آخر وہی ہوا نا۔ تمہاری ضد نے مجھے مجبور کر دیا اور میں نے وہ سب کچھ کہہ دیا تم سے جس کا تمہیں شدید تجسس تھا، علی فیضان قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کی لاش خاموشی سے دفنا دی گئی ہے۔ اور اگر کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ علی فیضان کو قتل کر دیا گیا ہے اور ہم لوگوں نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو فرخندہ تم سمجھ لو کہ میں اس کی موت کے الزام میں گرفتار کر کے پھانسی کی سزا بھی دی جا سکتی ہے، چنانچہ اب تمہیں اجازت ہے کہ غمزدہ ہو جاؤ اور چیخیں مارتی پھرو، لوگوں سے کہو کہ تمہارا محبوب علی فیضان قتل کر دیا گیا ہے۔ خوب سوگ مناؤ تم اور اس کے بعد پولیس ہم تک با آسانی پہنچ جائے گی۔" میں نے کہا اور فرخندہ مجھے منہ پھاڑے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آیا تھا، پھر اس کی آنکھوں میں بے بسی اتر آئی، شدید بے بسی۔ جس نے مجھے تڑپا کر رکھ دیا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں اور پھر میری طرف دیکھ کر روتے ہوئے بولی۔

"ڈیڈی۔ ڈیڈی آپ نے واقعی بہت بری خبر سنائی ہے کیا ہوا تھا علی کو، کس نے قتل کر دیا ہے اسے، کون دشمن تھا اس کا۔ یہ سب، یہ سب کیسے ہوگیا۔"

"صبر و سکون سے سنو گی تو میں تمہیں پوری کہانی سنا دوں گا اور اگر تم نے جذبات کا مظاہرہ کیا تو پھر میرے اور تمہارے درمیان اختلاف کی شدید خلیج حائل ہو جائے گی۔"

"نہیں ڈیڈی میں ایسا نہیں کروں گی۔ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا؟"

"تمہیں تقریباً تمام باتیں معلوم ہیں علی فیضان اپنے اس کارنامے کا، اپنے اس شاہکار کا شکار ہوگیا۔ جس کے منظر عام پر آنے کے بعد وہ بین الاقوامی حیثیت کا انسان بن جاتا۔ اور ایک بہت بڑا انسان کہلاتا۔"

"کک، کیا مطلب، کیا مطلب؟"

"ہاں اس نے اسے قتل کر دیا۔"

"اس برفانی انسان نے۔" فرخندہ نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں ۔"

"اوہ ۔ تو کیا وہ ہوش میں آ گیا تھا۔"

"یہی لگتا ہے۔"

"مگر ۔ مگر علی فیضان اپنی حفاظت کیوں نہ کر سکا۔"

"میں نہیں جانتا کیونکہ بہر صورت میں اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔"

"تت ۔۔ تت ۔ تو کیا اُس نے ۔ کیا علی فیضان کا گلا دبا کر اُسے مار ڈالا۔"

"نہیں اُس نے اُسے نیزے سے قتل کر دیا۔"

"آہ ۔ تو کیا علی فیضان اپنا تحفظ نہ کر سکا۔ اُف کتنا برا ہوا، کتنا برا ہوا ڈیڈی ۔ واقعی ۔ واقعی کتنے غم کی بات ہے، کہ صبر کرنا مشکل ہے۔ لیکن میں آپ سے وعدہ کر چکی ہوں ڈیڈی۔"

"آہ علی تم تو وقت سے بہت پہلے چلے گئے۔ میں کس طرح خود کو مطمئن کر سکتی ہوں۔ کاش۔ کاش میں تمہارے پاس سے نہ آتی۔ اُفوہ مجھے کیا معلوم تھا کہ میری یہ ذرا سی لغزش تمہیں زندگی سے اتنی دور کر دے گی۔ علی فیضان میں خود کو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔" میں نے فرخندہ کو وہ سب کچھ کہنے دیا جو وہ خود سے کہہ رہی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ کر

سمجھ نہیں سکتی تھی۔

تاہم جب وہ خاموش ہو کر پُرسکون ہو گئی تو میں نے اُسے مزید تفصیلات بتائیں اور حرفِ آخر تک تمام واقعہ سُنایا اور یہ سُن کر وہ ششدر رہ گئی کہ وہ برفانی انسان اب اس لیبارٹری میں موجود ہے۔"

"آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے ڈیڈی؟" اس نے سوال کیا۔

"احمقانہ سوال ہے فرخندہ۔"

"کیوں ڈیڈی۔"؟

"تم جانتی ہو کہ میں اس کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کر سکتا۔"

"کیوں آخر کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ صدیوں کی گرد میں دبا ہوا ہے۔ وہ ماضی کا مسافر ہے اور ماضی کی لہریں لپٹا ہوا ہے۔ اُسے نہیں معلوم کہ وہ کیا ہے اور کہاں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس نے کن حالات میں علی فیضان کو قتل کیا ہے۔ یا اس کے ذہن میں کیا ہے۔ یہ سب کچھ ہمیں نہیں معلوم۔ معلوم کرنا پڑے گا فرخندہ، معلوم کرنا پڑے گا۔ باقی رہیں دوسری تفصیلات تو اس سلسلے میں ہمیں بہت ہی غور و فکر سے کام لینا ہے۔ تم شائد اُس شخص کو بھول گئی ہو جس نے وہ برفانی سِل علی فیضان کو بھیجی تھی۔"

"کیا مطلب۔"؟

"ہاں اُس سول انجینئر کو جسے یہ علم ہے کہ برف کی سِل علی فیضان کے پاس تھی اور اگر ہم اس کارنامے کو اپنے نام سے منسوب کرکے دُنیا کے سامنے لائیں گے تو قانون کے پھندے میں با آسانی جکڑے جا سکتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہو گا فرخندہ لوگ ہمیں علی فیضان کا قاتل سمجھیں گے۔ جانتی ہو کیوں لوگ سوچیں گے کہ ہم علی فیضان کی اس تخلیق کو اپنے نام سے منسوب کرکے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم نے علی فیضان کو قتل کر دیا تمام تر الزام ہمارے اُوپر ہی آئے گا۔ فرخندہ اس لئے ہمیں نہایت ہوشیاری کے ساتھ اس مرحلے سے گزرنا ہے۔"

"تو پھر اس برفانی انسان کو قتل کر دیجئے۔"

"نا ممکن۔ اس کے قتل ہونے سے پہلے میں خود قتل ہو جانا پسند کروں گا۔ میں آرکیالوجسٹ ہوں۔ میں تاریخ کی اس عظیم کہانی کو ملیامیٹ نہیں کر سکتا۔ خواہ اس کے لئے مجھے خود ہی موت سے ہمکنار کیوں نہ ہونا پڑے۔ میں اس کے بارے میں کسی صحیح بات کی تصدیق کرلی تو یقین کرو میں اسے علی فیضان کے نام سے ہی دُنیا میں پیش کر دوں گا۔ میں دُنیا کو بتا دوں گا کہ اس تحقیق کا سہرا میرے دوست علی فیضان کے سر ہے جو اب اس دُنیا میں نہیں ہے۔ میں علی فیضان کی ساری کہانی منظرِ عام پر لے آؤں گا۔ لیکن وقت سے پہلے اسے حکومت کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوں۔"

"علی فیضان نے مرنے سے پہلے اپنے ایک خاص ملازم فروغی کو اس بارے میں ہدایت دی تھی اور کہا تھا کہ پولیس کو اس کی اطلاع نہ دی جائے۔ بلکہ اس نے میرا نام لیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے ساری تفصیلات بتا دی جائیں۔ چنانچہ میں نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ اور یہ سب کچھ اسی کی وصیت کے نتیجے میں ہو رہا ہے۔"

بات کسی حد تک فرخندہ کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ چنانچہ اب وہ بالکل پُرسکون ہو گئی اور یہ ایک اچھی بات تھی۔ انسان کو کم از کم اپنے جذبات و احساسات پر اس حد تک قابو رکھنا چاہئے کہ وہ چیز جو ہمیں کسی طرح حاصل نہ ہو سکے ہم اُسے بھلانے کی کوشش میں کامیاب ہو جائیں۔

فرخندہ اب نارمل ہو گئی تھی۔ چنانچہ اُس نے پوچھا۔

"اس شخص کی اب کیا کیفیت ہے؟"

"وہ ہوش میں آ چکا ہے لیکن ذہنی طور پر غیر حاضر ہے وہ کوئی زبان بھی بول رہا ہے جسے میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ فرخندہ میری خواہش ہے کہ اب تم پوری دلجمعی سے اس سلسلے میں میرے ساتھ مل کر کام کرو۔"

"یوں سمجھو کہ ایک طرح سے ہم علی فیضان کے مشن کی تعمیل کر رہے ہیں۔ کیا تم اس سلسلے میں میرا ساتھ نہ دو گی۔ کیا اس تصور کے ساتھ تم میرا ساتھ نہ دو گی کہ تم اس طرح علی فیضان کے مشن میں جان ڈال رہی ہو۔"

"ہاں ڈیڈی میں آپ کے ساتھ کام کروں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں لیکن بہتر یہ ہے کہ تایا جان اور حمیرا کو یہاں سے چلے جانا دیا جائے۔ اس سے قبل ہم یہ معاملات کسی کو نہیں بتا سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم نے نہایت سمجھداری کی بات کی ہے۔ میں اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"تو آیئے ڈیڈی میں اُسے ایک نگاہ دیکھ لوں۔"

"نہیں فرخندہ ابھی میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ابھی وہ مکمل طور پر اپنے ذہن میں تازگی پیدا

کرے اور اچھی طرح سوچ سمجھ لے کہ وہ کس ماحول میں ہے
اور کیا کر رہا ہے۔ اس کے بعد ہم اس سے اپنی گفتگو کا آغاز
کریں گے۔ اور ہاں صبح کو ہمیں کچھ انتظامات کرنے ہیں میرے
ذہن میں بہت سے پروگرام ہیں میں تو اب رات کے اس آخری پہر
سو نہیں سکوں گا۔ لیکن میری خواہش ہے کہ تم تھوڑی دیر
آرام کر لو۔" میں نے بمشکل تمام فرخندہ کو اس بات پر آمادہ کیا
کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے بیڈ روم میں چلی جائے اور سو
جائے۔ پھر میں خود ہی اُسے اُس کے بیڈ روم تک چھوڑنے
آیا۔ پھر میں لیبارٹری پہنچا۔ احتیاطاً میں نے دروازہ باہر سے
بند کر لیا تھا۔ کیونکہ میں علی فیضان جیسے کسی حادثے کا شکار
ہونا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اس کے بعد کوئی تحریک نہ ہوئی اور صبح کی روشنی
نمودار ہو گئی۔ میں نے غسل کر کے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور
یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ میں بالکل پُرسکون ہوں اور
میرے ساتھ خاص بات نہیں ہوئی ہے۔

بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے جانے
کے لئے کہا۔ میں نے چند الفاظ انہیں رُکنے کے لئے کہے
لیکن دل سے میں بھی چاہتا تھا کہ وہ اس وقت چلے ہی جائیں
بھائی صاحب نے جب دوسری بار اصرار کیا تو میں نے شانے
ہلا دیئے۔

"بہت بہتر۔ تو اس کے بعد آپ سے دوبارہ کب
ملاقات ہو گی۔"

"بھئی تم بھی فرصت نکال کر میرے پاس آؤ۔ بہت سی
باتیں کرنی ہیں تم سے۔ خاص طور سے حمیرا کے مستقبل
کے بارے میں۔"

"جی بہتر ہے۔ کسی بھی دن حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ مطمئن
رہیں۔" میں نے کہا اور پھر حمیرا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے
بعد میں نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔

فرخندہ میرے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ جب بھائی صاحب
کی کار گھر سے نکل گئی تو میں نے سکون کی گہری سانس لی اور
فرخندہ سے کہا۔

"اب باقی معاملات سے نمٹنے کے لئے تیار ہو؟"

"ہاں ڈیڈی، میں بہت بے چین ہوں۔" فرخندہ کی آواز
میں کوئی لرزش نہیں تھی، گویا اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ مجھے
اس بات پر مسرت ہوئی۔ اس کے بعد میں نے دوسرے تمام
انتظامات کئے اور لیبارٹری کی طرف چل پڑا۔

لیبارٹری کا دروازہ میں نے ڈرتے ڈرتے کھولا تھا۔
لیکن میں نے اسے اسٹریچر پر لیٹے ہوئے پایا۔ وہ جاگ رہا تھا
اور اب پوری طرح ہوش و حواس میں محسوس ہو رہا تھا۔ ہماری
آہٹ پر اس نے ہمیں گردن گھما کر دیکھا، اور پھر میں نے اس
کی نگاہوں میں ہلکی سی شناسائی کی چمک محسوس کی، شائد
اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر بھی کھنچ گئی تھی۔
پھر اس نے فرخندہ کی جانب دیکھا اور دیر تک دیکھتا رہا
اس کے بعد اس کے منہ سے کوئی آواز نکلی۔ لہجہ پُرسکون
تھا اور آواز نہایت شاندار اور پاٹ دار تھی۔ میں اس آواز
کی ملاحت پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

فرخندہ بھی اسے بغور دیکھ رہی تھی لیکن جو الفاظ
اس نے کہے تھے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ تب
اس نے دونوں ہاتھ اسٹریچر پر ٹیکے اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس
کے بعد اس نے ہاتھ کے ایک مخصوص اشارے سے پانی
مانگا اور میں نے فرخندہ کو جلدی سے پانی لانے کے لئے
کہا۔

اور فرخندہ دوڑ کر فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل
نکال لائی تھی، پھر ہم نے اسے ٹھنڈے پانی کا گلاس پیش
کیا۔ گلاس اس نے اپنے ہاتھ میں لے کر ہونٹوں سے لگا
لیا تھا۔ اس کی تمام حرکات مہذب انسانوں کی سی تھیں، اس
کا چہرہ بھی ہمیں پہلے کی نسبت بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا۔
اب اس کے چہرے پر وہ وحشت خیزی نہیں تھی جس نے
اسے انسان سے حیوان بنا دیا تھا اور یہ دیکھ کر ہمیں بے
پناہ مسرت ہو رہی تھی۔

فرخندہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"ڈیڈی یہ تو یوں لگتا ہے جیسے بالکل ہی ہوش و
حواس میں ہو۔"

"ہاں۔"

"اور اس کی حرکات بھی عام انسانوں سے مختلف
نہیں ہیں۔ مگر ڈیڈی اس کی زبان کونسی ہے؟"

"کاش میں اسے سمجھ سکتا۔"

"اب کیا کیا جائے؟"

"وہی جو میں نے تم سے کہا ہے۔"

"اوہ میں لائی ہوں۔" فرخندہ نے کہا۔ اور ایک
طرف بڑھ گئی۔

ہم نے ایک انتہائی طاقتور اور حساس ٹیپ ریکارڈ کا

بندوبست کیا تھا، یہ فیصلہ میں نے رات ہی کو کر لیا تھا۔ کیونکہ اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس لئے میرے ذہن نے ایک اور چھلانگ لگائی تھی۔

میں قدیم زبانوں کی ماہر اپنی ایک شناسا صوفیہ ثانی کی خدمات حاصل کرنے کا خواہشمند تھا، صوفیہ ثانی پچپن سالہ خاتون تھیں۔ اور انہوں نے اپنی تمام زندگی قدیم زبانوں کی تحقیق اور مطالعے میں گزاری تھی۔ بیشمار کام کر چکی تھیں اور اب ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔

اس وقت بھی ان کا یہ شغل جاری تھا، بہت سی یونیورسٹیز کو انہوں نے عجیب و غریب زبانوں کے ترجمے فراہم کئے تھے۔ اور زبانوں کے علوم میں ان سے زیادہ ماہر کوئی خاتون یا مرد اس علاقے میں موجود نہیں تھے چنانچہ اس کی زبان سن کر میرے ذہن میں صوفیہ ثانی کا خیال آیا تھا۔ اور میں نے یہ سوچا تھا کہ کیوں نہ اس برفانی انسان کی گفتگو ٹیپ کر کے صوفیہ ثانی سے بات کروں، تاکہ یہ معمہ حل ہو سکے کہ کون سی زبان بولی جا رہی ہے۔

اسی خیال کے تحت میں اس ٹیپ ریکارڈر کا بندوبست کر کے لایا تھا جسے فرخندہ نے آن کر دیا۔ اور میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔

میں نے پوچھا "تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے تو مجھے بتاؤ، تاکہ میں تمہیں وہ چیز فراہم کر دوں کیا تم بھوک محسوس کر رہے ہو" میں نے کہا اور وہ الجھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اور پھر اس نے اپنی زبان میں کچھ الفاظ کہے جو میری سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ لیکن ہم نے خاموشی سے انہیں ٹیپ کر لیا۔

پھر ہم بار بار اسے کچھ بولنے پر مجبور کرتے رہے اور وہ اپنی زبان میں کچھ نہ کچھ کہتا رہا۔ اب اس کی حرکات میں بالکل وحشت خیزی نہیں تھی۔ وہ انتہائی پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کے باوجود پیروں کا کھولنا ہمارے لئے مخدوش تھا۔ خود اگر وہ چاہتا تو اپنے پیروں کو کھول سکتا تھا۔ لیکن نجانے کیوں اس نے یہ حرکت نہیں کی تھی۔ خاطر خواہ طور پر ہم نے اس کی آواز ریکارڈ کی اور اس کے بعد فرخندہ نے ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔

ہمارا کام گویا مکمل ہو چکا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ اگر ہم اس کے اس پراسرار انداز پر مطمئن ہو جانے تو یہ ہماری ایک بھول ہوتی اور ہم اس بات کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے تھے کہ اس نے علی فیضان کو قتل کیا ہے۔ لیکن کوئی ایسی ترکیب ضرور ہونی چاہیے تھی جس سے کم از کم اس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جانے۔

بہت دیر تک ہم دونوں اس سلسلے میں سوچتے رہے لیکن ہمیں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کے بعد فرخندہ نے کہا۔

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا ڈیڈی کہ ہم اسے غذا فراہم کریں اور غذا میں ایسی کوئی چیز دے دیں جس سے یہ بیہوش ہو جائے۔ میرا مقصد ہے ڈیڈی کہ ہم اسے جسمانی طور پر معطل ہی رکھیں تو بہتر ہے۔ اس وقت تک جب تک ہمیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ شخص اب ہمارے لئے مضر نہیں ہے۔"

"نہایت عمدہ خیال ہے فرخندہ۔ لیکن غذا کا بندوبست کون کرے گا۔"

"میں کروں گی۔"

"اچھا تم کر دو گی تو ٹھیک ہے تم جاؤ۔ لیکن بیہوش کرنے کے لئے کونسی چیز استعمال کرو گی۔"

"میرا خیال ہے زیڈ فور کی ایک خوراک اس کے لئے کافی رہے گی۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو، کوئی حرج نہیں ہے۔ تم اسے عمدہ قسم کی ترکاریوں میں ملا کر دے سکتی ہو۔"

"میں جا رہی ہوں ڈیڈی کچھ دیر کے بعد آؤں گی لیکن خدارا اپنی حفاظت کیجئے کوئی خطرہ مول نہ لیجئے۔" فرخندہ نے کہا اور باہر نکل گئی۔

میں اس کے پاس ہی رہا تھا۔ اس نے بے شمار الفاظ ادا کئے، بہت کچھ پوچھنا چاہا۔ سوالیہ انداز میں ایک ایک طرف دیکھتا اور میری طرف دیکھنے لگتا۔ جیسے پوچھ رہا ہو کہ یہ سب کیا ہے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا ہے۔ میں اس کی حرکات سے محظوظ ہوتا رہا۔ مگر افسوس ہمارے درمیان زبان کا رابطہ قائم نہیں تھا اور میں بے چینی سے اس بات کا منتظر تھا کہ خاتون صوفیہ ثانی کی خدمات حاصل کر لی جائیں۔

تھوڑی دیر کے بعد فرخندہ واپس آ گئی اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔ جس میں اس کی پکائی ہوئی اشیا موجود تھیں، اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اس ٹرے

کو دیکھا، گویا وہ اس بات کو سمجھتا تھا کہ اس میں غذا موجود
ہے۔ اور ہم نے وہ غذا اس کے سامنے رکھ دی۔ اس نے
پُرمسرّت انداز میں منہ پھاڑا اور غذا پر اس طرح ٹوٹ پڑا
جیسے صدیوں کا بھوکا ہو۔ ذرا سی دیر میں اس نے ڈبے
خالی کر ڈالے تھے۔ یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ کونسی چیز کس طرح
کھائی جاتی ہے۔ البتہ یہاں اس کی وحشت خیزی کا وہ نظارہ
دیکھنے میں آیا تھا۔ یعنی اس نے کسی چیز کو اس سلیقے سے
نہیں کھایا تھا جس سلیقے سے اسے کھایا جاسکتا ہے۔
بلکہ بس غذا کی شکل میں جو بھی اس کے سامنے آیا وہ اسے
چٹ کر گیا تھا، فرخندہ بھی اسے دیکھتی رہی، اور پھر نجانے
کس خیال کے تحت اس نے مجھ سے کہا۔

"ڈیڈی میں اس شخص کو ہینڈل کرسکتی ہوں۔"

"اوہ کیسے؟"

"بس میرا اندازہ ہے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ ہوش و حواس کے عالم میں نہیں ہوا، لیکن اب یہ مکمل ہوش و حواس میں ہے۔ کاش ہم اس کی زبان سمجھ سکتے۔"

"ہاں یہ غم کی بات ہے فرخندہ کہ ہم اس کی زبان نہیں جانتے، لیکن میں جو کچھ کرنے والا ہوں اس کے بعد ممکن ہے کہ ہم یہ اندازہ لگا سکیں کہ یہ کونسی زبان بولتا ہے۔"

"تو پھر آپ جائیے ڈیڈی۔ اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری میرے سپرد۔" فرخندہ نے کہا۔

"نہیں ابھی میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، فرخندہ اسے بیہوش ہوجانے دو، اس کے بعد میں یہاں سے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی، جیسے آپ کی مرضی۔" فرخندہ نے کہا۔ اور اسی اثناء میں، میں نے محسوس کیا کہ بیہوشی کی دوا اس کے حواس پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اب وہ ایک مکمل انسان تھا اور اس میں ایسی کوئی مافوق الفطرت بات نہیں تھی جو اسے عام شخصیتوں سے ممتاز کردے۔ ہاں یہ دوسری بات تھی کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہ چکا تھا۔ بہرصورت اس کے بارے میں میری تحقیقات ابھی نامکمل تھیں۔ لیکن واقعات اس تیزی سے پیش آئے تھے کہ میں صحیح طور پر اپنا کام جاری نہ رکھ سکا تھا۔

سب سے پہلے تو میں خاتون صوفیہ سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص کونسی زبان بول رہا ہے اور اس کا تعلق کہاں سے ہے۔؟ اس کے لئے میں نے ایک کہانی اپنے ذہن میں محفوظ کر لی تھی۔ چنانچہ ٹیپ ریکارڈر سے کیسٹ نکال کر میں نے احتیاط سے رکھا اور پھر وہاں سے نکل آیا۔

خاتون صوفیہ کی رہائشگاہ کے بارے میں گو مجھے معلومات حاصل تھیں، لیکن اس سے پہلے میں نے انہیں ٹیلیفون کر لینا مناسب خیال کیا۔ کیونکہ وہ بھی ایک معروف خاتون تھیں اور دور دور سے لوگ اُن سے ملاقات کے لئے آتے تھے اور بغیر اپائنٹمنٹ کے اِن سے ملاقات ممکن نہیں تھی۔ ٹیلیفون پر اتفاق سے خاتون صوفیہ سے براہِ راست ملاقات ہوگئی، میں نے انہیں سلام کیا اور اپنا نام بتایا تو وہ مجھے پہچان گئیں۔

"اوہو سلمان قدوسی خیریت تو ہے، میرا خیال ہے بہت ہی کم مواقع ایسے آئے، میں جب تم نے مجھے ٹیلیفون کیا ہے، شائد میں دوسری یا تیسری بار تمہاری آواز سُن رہی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی کوئی مسئلہ ہوگا جس کے لئے تمہیں مجھے ٹیلی فون کرنے کی ضرورت پیش آئی۔"

"جی ہاں۔ میں آپ سے کچھ وقت لینا چاہتا ہوں۔"

"کیا مسئلہ ہے۔"؟ صوفیہ ثانی نے پوچھا۔

"بس زبان ہی کے سلسلے میں زحمت دینا تھی آپ کو۔"؟ میں نے کہا۔

"تو یوں کرو کہ فوراً چل پڑو، اتفاق سے اس وقت میں مصروف نہیں ہوں، البتہ شام کو چار بجے کچھ دوست آنے والے ہیں، اس کے بعد غالباً مجھے فرصت نہ ہوگی۔" صوفیہ ثانی نے کہا۔ اور میں نے پُرمسرت انداز میں گردن ہلائی۔

"محترمہ صوفیہ ثانی میں جانتا ہوں کہ آپ کا وقت کتنا قیمتی ہے۔ لیکن آپ کا یہ خیال بھی درست ہے کہ کچھ ایسی ہی صورتحال تھی کہ میں آپ کے قیمتی وقت کے زیاں کا تصور کرنے کے باوجود خود کو آپ سے ملاقات کے لئے نہیں روک سکتا، میں چند لمحات میں آپ کے پاس پہنچ رہا ہوں، براہ کرم میرا انتظار کیجئے۔"

"ہاں ہاں میں انتظار کر رہی ہوں، تم آجاؤ۔" مادام صوفیہ نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ اور میں نے ٹیلیفون بند کردیا اس کے بعد تیار ہونے میں زیادہ وقت نہ لیا، میری غرض تھی اس لئے مجھے مادام صوفیہ ثانی کی ہدایت پر عمل کرنا تھا۔ میری کار برق رفتاری سے دوڑتی ہوئی اس سمت چلنے لگی جہاں مادام صوفیہ کی وسیع و عریض پرشکوہ کوٹھی پھیلی ہوئی تھی۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے باوردی چوکیدار نے مجھے سلام کیا اور جھک کر مجھ

سے میرا نام پوچھا۔ سو میں نے اسے اپنا نام بتا دیا اور اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"مادام نے مجھے ہدایت کی تھی کہ سلمان قدوسی نامی محترم کو اندر آنے دیا جائے۔" اس نے گردن خم کر کے کہا اور میں اپنی کار اس وسیع پورچ میں لے گیا جہاں پہلے ہی سے دو تین کاریں کھڑی ہوئی تھیں، یہ سب کی سب مادام صوفیہ ثانی کی کاریں تھیں، اپنی کار سب سے آخر میں کھڑی کر کے میں نیچے اترا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے دوسرے باوردی ملازم نے میرا استقبال کیا تھا۔ پھر اس نے شیشے کا بلند ترین دروازہ کھول دیا۔

"آپ بائیں سمت کی راہداری میں مڑ جائیے۔ اس کے آخری کمرے میں مادام صوفیہ اپنی لائبریری میں آپ کا انتظار فرما رہی ہیں۔" اس نے مہذب لہجے میں کہا اور میں اس کی ہدایت پر عمل کرتا ہوا بالآخر اس بڑے چوبی دروازے پر پہنچ گیا جس پر بڑی بڑی خوبصورت کیلیں لگی ہوئی تھیں اور بلاشبہ اس کے حسن میں اضافہ کر رہی تھیں۔ پوری کوٹھی قدیم طرز تعمیر کی تھی اور اس کی نفاست سے مادام صوفیہ کی شخصیت پر روشنی پڑتی تھی۔

چوبی دروازے کے پیچھے ایک خوشنما اور وسیع و عریض لائبریری میں وہ میرا انتظار کر رہی تھیں۔ پچپن سال کی عمر ہونے کے باوجود انتہائی چاق و چوبند اور آراستہ و پیراستہ خاتون صوفیہ نے میرا استقبال کیا۔ ان کے احمریں لبوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور ان کی گہری آنکھوں میں پُر تپاک چمک۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اپنا مخملیں ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

"میں سلمان قدوسی کو خوش آمدید کہتی ہوں، خاص طور سے اس لئے کہ وہ بھی میرے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں، تشریف رکھئے، مجھے آپ کی آمد سے بے حد مسرت ہوئی ہے اور اس بات پر متجسس ہوں کہ آپ جیسے معروف شخص کو مجھ سے ملاقات کی ضرورت کیسے پیش آ گئی۔"

میں نے بھی چند رسمی الفاظ کہے اور انہیں بتایا کہ میں ایک خاص غرض سے حاضر ہوا ہوں، کیا وہ اس وقت میرے لئے زحمت کرنا پسند کریں گی۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔ میں نے کچھ وقت تمہارے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اب سے لے کر تین گھنٹے بعد تک میرے اور تمہارے درمیان کوئی نہیں آئے گا اور مجھے یقین ہے کہ تین گھنٹے ہماری گفتگو کے لئے بہت کافی ثابت ہوں گے۔"

"یقینی طور پر مادام، میں آپ کے اس قیمتی وقت میں سے بہت کم وقت لوں گا، اس کے بعد آپ اپنا کوئی دوسرا پروگرام بنا سکتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"کہو کیا بات ہے۔ میں اس بے تکلفی کی معافی چاہتی ہوں، لیکن ہم کیوں نہ تمہید کے بغیر اصل مقصد پر آ جائیں، ہاں اتنا ضرور بتا دو کہ کیا پینا پسند کرو گے۔"

"کوئی ٹھنڈا مشروب۔" میں نے بے تکلفی سے جواب دیا اور مادام نے انٹرکام کا بٹن دبا کر میری ہدایت کے مطابق آرڈر دے دیا اور اس کے بعد میری جانب دیکھنے لگیں۔

"میں یہ ایک کیسٹ لایا ہوں، اس میں ایک نامعلوم زبان کے چند الفاظ ہیں، ان کے بارے میں آپ کی معلومات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم مجھے اس کی کچھ تفصیل بتاؤ گے؟"

"نہیں مادام، میں اس وقت تک آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا جب تک آپ مجھے خود ان کی تفصیل نہ بتا دیں۔"

"چلو کوئی حرج نہیں ہے، مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔" مادام نے کیسٹ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئیں، ایک الماری کی دراز سے انہوں نے ایک خوشنما ٹیپ ریکارڈر نکالا اور اس کی لیڈ وغیرہ لگانے کے بعد کیسٹ اس میں لگا دیا۔ کیسٹ آن ہو گیا،

وہ دو طاقتور اسپیکرز سے منسلک تھا۔ اسپیکرز پر اس پُراسرار آدمی کی آواز ابھرنے لگی، وہ اپنے مخصوص انداز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

مادام صوفیہ ثانی اس آواز کو سننے لگیں، پہلی بار انہوں نے سرسری انداز میں اسے سنا لیکن پھر میں نے انہیں چونکتے ہوئے محسوس کیا، انہوں نے کیسٹ ریورس کیا۔ اور اسے دوبارہ آن کر دیا۔ تین بار اسے سننے کے بعد انہوں نے کیسٹ کو وہاں سے آگے بڑھایا اور مزید آواز میں سننے لگیں ان کے چہرے پر حیرت کے نقوش گہرے ہوتے جا رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں ایک پُراسرار چمک نظر آنے لگی تھی۔ کافی دیر تک وہ کیسٹ کو سنتی رہیں ایک بار دو بار تین بار اس میں تقریباً پچیس منٹ صرف ہو گئے تھے اور اس دوران ملازم مشروب رکھ گیا تھا۔

ملازم کے آنے پر بھی مادام صوفیہ نے ٹیپ ریکارڈ

بند نہیں کیا بلکہ اُسی کی جانب متوجہ رہیں۔ میں دلچسپی سے اُن کے چہرے پر حیرانی کے یہ نقوش دیکھ رہا تھا۔ پھر انہوں نے ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا۔ اور عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں بے شمار سوالات تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ سوال وہ اپنے لبوں سے نہ دُہرانا چاہتی ہوں۔ بلکہ اپنی آنکھوں سے ان کا تذکرہ کر کے مجھ سے جواب چاہتی ہوں۔

میں نے بھی سوچا کہ مجھے بھی کیا ضرورت ہے جو میں مادام کی اس ادا سے متاثر ہوں۔ خود ہی مجھ سے سوال کریں گی تو میں جواب دوں گا۔ اس دوران میں نے مشروب کا گلاس اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا لیکن مادام بھی کافی دیر تک کچھ نہ بولیں۔

وہ بھی اپنے مشروب کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی رہیں۔ پھر تیسرا گھونٹ لینے کے بعد انہوں نے یک لخت کہا۔

"میں شاید حیران ہوں۔ اتنی حیران کہ بیان نہیں کر سکتی۔"

"کیوں مادام۔" اب میں نے اخلاقاً بولنا مناسب سمجھا تھا۔

"یہ الفاظ یہ آواز تم تصور نہیں کر سکتے سلمان فردوسی کہ میری مسرت کا کیا عالم ہے۔"

"مادام اتنا ہی حیران میں بھی ہوں اور آپ یقین جانیئے ان کے بارے میں آپ کی رائے جاننے کا بے چینی سے منتظر ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں صرف اس بات پر متعجب ہوں کہ یہ آواز کس کیسٹ سے کہاں سے ریکارڈ کی گئی۔ سب سے زیادہ حیرتناک بات یہی ہے۔ اگر یہ کوئی تحریر ہوتی تو میں اتنی زیادہ متعجب نہیں ہوتی۔ میں تو صرف اس بات پر متعجب ہوں کہ یہ الفاظ اسی لہجے اور اسی انداز میں کہے گئے ہیں جس زبان سے ان کا تعلق ہے۔"

"یہ کونسی زبان ہے مادام۔؟"

"ابھی نہیں مجھے اپنی معلومات کا کچھ صلہ بھی تو وصول کرنے دو سلمان فردوسی۔" مادام صوفیہ ثانی آہستہ آہستہ ہوش و حواس میں آتی جا رہی تھیں۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں حاضر ہوں لیکن اخلاقاً آپ کو مجھے یہ بھی بتانا چاہیئے کہ یہ الفاظ کونسی زبان کے ہیں۔"

"قدیم ترین یونانی زبان کے۔ اس زبان کے جس میں ہومر نے اپنی نظمیں کہی تھیں۔ لیکن۔ لیکن اس نے بھی یہ نظمیں قدیم زبانوں کا ترجمہ کر کے کہی تھیں۔ چند خاص ہی خاص لفظوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور ان خاص لفظوں کا تعلق دیوی اور دیوتاؤں کے اس دور سے تھا جسے ہم

صرف ایک تصوراتی دور کہتے ہیں۔ اس تصوراتی دور کی زبان ان لفظوں سے الگ ہٹ کر کبھی ہمارے سامنے نہیں آئی یا پھر ہمیں اس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل بھی ہوئیں تو صرف تراجم سے۔ اور یہ تراجم غیر مستند تھے یعنی ہم ان کے بارے میں یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ ان میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقینی طور پر دیوی اور دیوتاؤں کے دور کی باتیں ہیں یا صرف کہنے والوں کا تخیل ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ہم نے اس تخیل کو حقیقت جانا کیونکہ اس کی تصدیق کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا" مادام صوفیہ نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ اور میں اُن کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ میرے دل میں پھر حیرت کے طوفان اُمڈ رہے تھے۔ جو بات مادام صوفیہ نے کہی تھی اگر وہ حقیقت ہے تو درحقیقت ہم دنیا کے ایک اور عجوبہ سے روشناس ہو رہے ہیں۔ میں چند ساعت اُن کی باتیں سنتا رہا پھر میں نے کہا۔

"لیکن مادام کیا اِن الفاظ کا ترجمہ ہو سکتا ہے!؟"

"میں حیران اسی بات پر ہوں ایک بہت ہی قدیم کتاب تقریباً تین ماہ قبل میرے ہاتھ لگی تھی۔ لیکن یہ کتاب اس شکل میں تھی کہ ہم اُسے کتاب نہیں کہہ سکتے تھے۔ چمڑوں کی جھلیوں اور دوسری چیزوں پر ٹیڑھی میڑھی تحریریں لکھی ہوئی تھیں جنہیں ترتیب دینے کے بعد انہیں الفاظ کی شکل دی گئی اور جب اِن الفاظ کا ترجمہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ یہ قدیم یونانی زبان ہے۔ میں آجکل اسی کتاب پر ریسرچ کر رہی ہوں اور اس ترجمہ کو مزید واضح کر رہی تھی کہ تم نے مجھے وہ زبان انسانی آواز میں سنا دی مجھے بتاؤ کہ میں حیرت سے پاگل نہ ہو جاؤں۔ تم یقین کرو سلمان فدوسی کہ میں دنیا کا ہر کام اس کام کے لئے ترک کر سکتی ہوں کیونکہ آجکل میرا محبوب موضوع یہی ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کم از کم اس موضوع پر ایک یا ڈیڑھ سال صرف کروں گی اور اس کا کچھ نہ کچھ سراغ لگا کر ہی رہوں گی۔ اب تم نے مجھے یہ الفاظ سنا کر حیران کر دیا ہے۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ کیسٹ پر۔ سلمان تم خود سوچو کیسٹ پر تو صرف وہی آواز ریکارڈ کی جا سکتی ہے جو ہمارے سامنے ہو۔ یا پھر کسی ریکارڈ پر پہلے سے موجود ہو۔ تم نے یہ آواز کہاں سے ریکارڈ کی!؟"

مادام صوفیہ کے اِن انکشافات پر میرا دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔

میں نے مادام صوفیہ کو گہری نگاہوں سے دیکھا اِن کا ماضی میرے سامنے تھا۔ آجتک اِن کی شخصیت انتہائی پُروقار اور بے داغ رہی تھی۔ کوئی اسکینڈل اِن کے نام سے وابستہ نہیں تھا۔ کوئی بات اِن کے ساتھ ایسی چسپاں نہیں تھی جس میں کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش ہوتی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ کیا میں اس راز میں مادام صوفیہ کو شریک کروں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے راز میں مختلف لوگ شریک ہوتے جائیں۔ اور ایک دن یہ راز راز نہ رہے بلکہ وہ سب کچھ ہو جائے جو میری توقع کے مطابق ہو اور میری گردن بُری طرح پھنس جائے۔ اس طرح کہ میں اس گردن کو کسی طرح نکال نہ سکوں۔ ہر چند کہ احسان فروغی میرا ہم راز تھا اور وہ میری بے گناہی کی گواہی دے سکتا تھا۔ لیکن بہرصورت ان تمام معاملات کو پولیس کو سمجھانے کے لئے ہمیں بڑی مشکلات سے گزرنا ہوگا۔ چنانچہ جو کچھ کرنا تھا سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ میں خاموش نگاہوں سے مادام صوفیہ کو دیکھ رہا تھا۔ اور وہ میری جانب نگراں تھیں۔ پھر اُنہوں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"دیکھو سلمان فدوسی یہ صرف اتفاق کی بات ہے کہ میرے تمام تر دلچسپ مفادات تمہارے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ جس کام کی تکمیل کے لئے میں اپنا ایک ڈیڑھ سال وقف کر چکی تھی اب یوں لگتا ہے۔ جیسے تم بھی میرے ساتھ اس مسئلہ میں شامل ہو گئے ہو۔ اگر تم مجھے بھی اپنے راز میں شریک کرو گے تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم سے منحرف نہ ہوں گی۔ یعنی تم جو کچھ مجھے بتاؤ گے وہ صرف میری ذات تک محدود رہے گا۔ خواہ اس کی شکل کچھ بھی ہو" میں نے چند ساعت میں ایک فیصلہ کر لیا۔ اور پھر مادام صوفیہ سے بولا۔

"خاتون صوفیہ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم جو اپنی تفریح طبع کے لئے سب کچھ کرتے ہیں اگر آپ اسے دوسرا نام دینا پسند کریں تو یوں کہیں کہ جو دلچسپیاں اور جو معمولات ہماری زندگی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں وہ اگر ہمارا جرم بن جائیں تو کیا ہمیں اس جرم کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔"

"ہرگز نہیں، قطعی نہیں۔ قدیم علوم کو جاننے کے لئے بعض اوقات ہمیں ایسے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے جو عام لوگوں کی نگاہوں میں تو تشویشناک ہوتے ہیں لیکن ہماری سخت مجبوری ہوتے ہیں۔ اور اس وقت اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ اِن علوم کے نہ جاننے والوں کو نظرانداز

کر دیں۔ جو ہم سے منحرف ہوتے ہیں۔ انہیں نظر انداز
کرنا اس وقت ہماری اولین ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم وہی
کچھ کرتے ہیں جو ہمارا ذہن ہم سے طلب کرتا ہے۔ ہم اس
کارروائی کو مجرمانہ کارروائی قرار نہیں دیتے کیونکہ ہمارے ضمیر
صاف ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم کوتاہ ذہنوں
کو مطمئن کرنے میں ناکام رہتے ہیں اگر ایسی بھی کوئی بات ہے
تو میں صوفیہ ثانی اپنے بے داغ ماضی کا حوالہ دیتے ہوئے تم سے
کہتی ہوں کہ تم مجھے جو کچھ بتاؤ گے وہ تا زندگی میرے سینے
میں محفوظ رہے گا۔ اور مرنے کے بعد اس کے افشاء
ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"یہ آپ وعدہ کر رہی ہیں مجھ سے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر پہلے مجھے میرے ایک سوال کا جواب
دے دیں؟"

"ہاں ہاں کہو۔"

"اس آواز کے پہلے الفاظ کیا ہیں؟"

"ہنوں، ہوں۔" مادام صوفیہ نے سامنے رکھے ہوئے
پیڈ کو دیکھا جس پر وہ کیسٹ سے آواز سن کر کچھ نوٹ کرتی
رہی تھیں۔ پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔

"رب ارسوس کی قسم، یوں لگتا ہے جیسے
مجھے دوبارہ زندگی مل گئی ہو۔ بڑے معبود
کاہن اعظم کی قسم یہ شخص جو میرے سامنے
ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے یہ مجھ میں سے
ہو اور اس کا انداز بھی یوں نہیں ہے کہ میں
اسے اپنا مخالف سمجھوں۔ سو کہیں یوں تو
نہیں کہ حیات از بعد موت کا تصور دوبارہ
میرے سامنے زندہ ہو گیا ہو۔ آہ ادیوتا کہا یہ
سچ ہے، میری امداد کرو۔ میں تمہاری مدد
کا طالب ہوں۔"

مادام صوفیہ نے ان پہلے الفاظ کا ترجمہ کیا اور میری آنکھیں
حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

○

ان الفاظ سے ہوشمندی ٹپکتی تھی۔ ان
الفاظ میں تحیر تھا۔ اور جہاں حیرت ہوتی
ہے وہاں عقل بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر سوچنے کی حس
موجود تھی۔ اور اگر حالات موافق ہوں تو اس کی حالت درست
بھی ہو سکتی تھی۔

اس طرح صدیوں پہلے کے سربستہ راز عیاں ہوتے
ایک ایسی دیکھنے والی آنکھ کی زبانی جس نے سب کچھ نقش
کیا اور جو محفوظ ہے۔

میں صوفیہ ثانی کی طرف دیکھتا رہا اور خاتون صوفیہ
میری حیرت پر مسکراتی رہیں پھر بولیں۔

"میرا تجسس کسی طور تم سے کم نہیں ہے۔ اور میں تم سے
قبل اسی قدر حیران ہو چکی ہوں۔ لیکن میری کیفیت اب
بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ راز تم پر عیاں ہے کہ یہ آواز
کہاں سے آئی جبکہ مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم
نہیں ہے۔"

"مجھے احساس ہے خاتون۔ بہر طور میں نے آپ سے
وعدہ کیا ہے کہ آپ کو اس راز سے لاعلم نہیں رکھوں گا۔
اس لئے سنیئے۔ صاحب آواز زندہ سلامت میرے پاس
محفوظ ہے۔"

"کیا۔؟" خاتون صوفیہ نے اس طرح چونک کر مجھے
دیکھا جیسے اچانک میں نے مرغ کی مانند بانگ دینا شروع
کر دی ہو۔ وہ بغور مجھے دیکھتی رہیں اور پھر گہری سانس
لے کر بولیں۔

"براہ کرم اپنے الفاظ دوبارہ دہراؤ۔"

"جس شخص کی یہ آواز ہے وہ زندہ سلامت میرے
پاس محفوظ ہے۔"

"کیا وہ اس دور کا انسان ہے۔ یقیناً کوئی ایسا صاحب
علم ہو گا جو قدیم زبانیں، قدیم الفاظ اور انداز میں بول سکتا ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"کیا مطلب۔؟" صوفیہ ثانی پھر حیران ہو گئیں۔

"ہاں خاتون۔ یہ شخص اسی دور سے تعلق رکھتا ہے جس
دور میں یہ زبان بولی جاتی تھی۔"

"اور وہ زندہ سلامت ہے۔؟"

"جی ہاں۔"

"نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو سلمان فاروسی۔ میں تو کچھ
نہیں سمجھ پائی۔" خاتون صوفیہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

میں خیالات میں ڈوب گیا تھا۔ پھر میں نے اس
نیک نفس خاتون کو زیادہ الجھن میں ڈالنا پسند نہ کیا اور
مختصر الفاظ میں انہیں یہ پُراسرار داستان سنا دی۔
خاتون صوفیہ کی کیفیت عجیب تھی۔ ان کی آنکھیں شیشے
کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔

میرے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ دیر تک خاموش رہیں۔ پھر گہری سانس لے کر بولیں۔

"آہ۔ کیا واقعی یہ کہانی حرف بحرف درست ہے"؟

"میں آپ سے جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا ہوں خاتون۔"

"اور وہ انوکھا انسان تمہارے پاس موجود ہے۔"

"جی ہے"۔

"سلمان فدوسی۔ کیا تم مجھے اس کی ایک جھلک دکھانا پسند کرو گے"؟

"میں اس سلسلے میں آپ سے مکمل مدد کا طالب ہوں خاتون صوفیہ۔ کیا آپ اس سے اس کی زبان میں بات کر سکیں گی"؟

"بہ آسانی۔ میں اس دوران اس کی مشق کرتی رہی ہوں کسی زبان کی روح سمجھنے کے لئے اس کا تلفظ اور لہجہ سمجھنا ضروری ہے۔"

"تب تو شاید ہم خود اس کی زبان سے اس کے بارے میں معلوم کر سکیں گے۔"

"بخوبی بشرطیکہ۔"

"ہاں بشرطیکہ"؟ میں نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"وہ آمادہ ہو۔"

"آپ نے اس کی آواز کا ترجمہ کیا ہے۔"

"ہاں پھر۔"؟

"اس کے الفاظ پر بھی غور کیا ہو گا آپ نے"؟

"ایں ہاں۔ تمہارا مطلب سمجھ گئی ہیں۔ وہ تمہاری طرف سے غیر مطمئن نہیں ہے۔ آہ یہ الفاظ تو ایسے کسی انسان کے ہی ہیں جس نے صدیوں کے بعد زندگی کی آغوش میں آنکھ کھولی ہو۔ واقعی سلمان فدوسی یہ الفاظ تو تمہاری بات کی صداقت کا ثبوت ہیں۔" صوفیہ ثانی نے پُرمسرت انداز میں کہا۔

"میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں مادام صوفیہ ثانی کہ میں آپ سے جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ اور پھر ظاہر ہے کہ میں آپ کے قیمتی وقت میں خلل انداز ہونے آیا ہوں تو یہ صرف مذاق کی وجہ سے تو نہیں، جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا یہ شخص میرے پاس موجود ہے پوری کہانی آپ سن ہی چکی ہیں۔

"ارے نہیں نہیں، میں۔ میں تو صرف متحیر ہوں، اس لئے ایسے الفاظ منہ سے نکل رہے ہیں۔ براہ کرم تم ان کا خیال نہ کرنا۔" مادام صوفیہ نے کہا۔

"جی، تو اب کیا ارادہ ہے۔" میں نے پوچھا۔

"جیسا تم پسند کرو سلمان فدوسی، میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں اس سارے سلسلے کے لئے اپنی تمام مصروفیات ترک کر سکتی ہوں، تم جس قدر وقت چاہو مجھ سے لو، میں خود اس انوکھے انسان کے بارے میں جاننے کی اتنی ہی خواہشمند ہوں جتنے تم۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم قانونی معاملات کا کیا کریں گے مادام صوفیہ۔"

"کیسے قانونی معاملات۔ ؟"

"میرا مقصد ہے اس شخص کو ہم حکومت کی نگاہوں سے تو پوشیدہ ہی رکھیں گے، اس وقت تک ہم کسی کو اس کے بارے میں نہیں بتا سکتے جب تک ہمیں مکمل معلومات فراہم نہ ہو جائیں۔ یا ہمارا کام مکمل نہ ہو جائے۔ اس سے قبل اگر اس کی تشہیر ہو گئی تو ہمارے ہاتھ پھر کچھ نہ لگے گا، حکومت اسے اپنی تحویل میں لے لے گی۔ اس کے بعد جو طریقۂ کار بھی ہو، ہم اس سے متعلق نہ رہیں گے۔"

"ایسا تو کبھی نہ ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں ہمیں خود غرضی سے کام لینا ہو گا سلمان فدوسی، ہر چند کہ یہ اگر کسی طور حکومت کے لئے مفید ثابت ہوا یا حکومت اس سے کوئی خاص کام لے سکی تو ہم بعد میں اسے حکومت کے حوالے کر دیں گے، لیکن بہر صورت ہمارا اپنا شوق، ہماری اپنی کاوشیں تو پوری ہونی چاہئیں اور پھر تم نہیں سمجھتے سلمان مجھے اس سلسلے میں کتنی مدد ملے گی۔ کیوں نہ یوں کریں کہ ہم دونوں مل جاتے ہیں، تم کسی طرح اسے میری دیہی کوٹھی میں لے آؤ، وہ ایک الگ تھلگ جگہ ہے اور وہاں ہمیں کوئی دقت نہیں ہو گی، وہاں ہم اس پر ریسرچ کریں گے۔ اسے بولنے پر آمادہ کریں گے۔ میں اس سے اس کی زبان میں گفتگو کروں گی، اس طرح ممکن ہے وہ ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتانے پر آمادہ ہو جائے۔"

"میرے لئے یہ قطعی ممکن ہے آپ جب حکم دیں میں اسے آپ کے پاس لے آؤں۔"

"بھئی میری تو خواہش یہ ہے کہ اس سلسلے میں اب ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو، باقی سب کچھ تمہارے اپنے وسائل پر ہے۔"

صوفیہ ثانی نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔

صوفیہ ثانی کی امداد میرے لئے بہت دلچسپ تھی۔ درحقیقت اِن خاتون سے مل کر میں اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔

چنانچہ میں نے اِن سے اس بات کا وعدہ کر لیا کہ مجھ سے جس قدر جلد ہو سکا، میں اُسے لے کر اُن کی دیہی کوٹھی میں پہنچ جاؤں گا۔

مادام صوفیہ نے خود بھی پیشکش کر دی کہ میں اگر پسند کروں تو وہ میرے ساتھ چلیں، بشرطیکہ کوئی خطرہ نہ ہو، کیونکہ انہوں نے کہا تھا۔

"سلمان فردوسی میں ھنگاموں سے گھبراتی ہوں، اگر تم کوئی اُلجھن کی بات محسوس کرتے ہو تو میں پھر تمہارے ساتھ چلوں، ورنہ بصورتِ دیگر میں تمہیں اپنی دیہی کوٹھی کا پتہ بتائے دیتی ہوں۔"

"یہ زیادہ بہتر رہے گا مادام کہ آپ مجھے وہاں کا پتہ بتا دیں میں خود ہی اُسے لے کر کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" مادام صوفیہ نے کہا۔ اور مجھے اپنی دیہی کوٹھی کے بارے میں بتانے لگیں۔

"اوہ، وہ عمارت۔ وہ تو میں نے دیکھی ہے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ آپ کی ملکیت ہے۔"

"ہاں میں نے اس کی تشہیر بھی نہیں کی۔ بس اپنے چھوٹے موٹے کام وہیں کر لیتی ہوں، اس سلسلے میں، میں نے ایک چھوٹی سی لیبارٹری بھی وہاں بنا رکھی ہے میرے چار ملازم وہاں رہتے ہیں۔ جو مکمل طور پر قابلِ اعتماد ہیں، میں اِن پر ہر طرح کا بھروسہ کرتی ہوں، تم یوں سمجھ لو کہ ساری لیبارٹری ہی اُن کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ سیاہ و سفید کے مالک ہیں، لیکن آج تک مجھے اِن سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ تم اپنے ساتھ جس کو لینا چاہو لے لینا۔ ہم دونوں ہی اُس پر تحقیقی کام کریں گے، کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے مجھے آپ سے مکمل اتفاق ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر کب تک پہنچ رہے ہو؟"

"بس خاتون صوفیہ زیادہ سے زیادہ کل شام تک، اس سے قبل بھی پہنچ سکتا ہوں، آپ اپنے ملازمین کو ہدایت دے دیں کہ اگر میں آپ کی غیر موجودگی میں وہاں پہنچ جاؤں تو وہ میرے ساتھ تعاون کریں۔"

"یہ ہدایت انہیں آج ہی دے دی جائے گی۔" خاتون صوفیہ نے کہا۔

اور میں نے اِن سے واپسی کی اجازت طلب کر لی، "اگر تم پسند کرو تو یہ کیسٹ یہاں چھوڑ جاؤ۔ میں اس کو مزید سنوں گی اور اس پر غور کروں گی۔"

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور کیسٹ خاتون صوفیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جسے انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا۔

پھر میں وہاں سے چلا آیا۔ لیکن میرے ذہن میں بے پناہ تجسس اُبھر رہا تھا، یہ واقعات مسلسل پُراسرار ہوتے جا رہے تھے۔

قدیم یونان کا ایک مرد جو برف کی سِلوں کے درمیان دبا ہوا ملا تھا اب ایک زندہ انسان کی شکل میں موجود تھا۔ طبی نقطۂ نگاہ سے بھی وہ عجوبہ تھا۔ اور پھر صدیوں پہلے کا انسان، اُس دور کا انسان جس کا صحیح تعین کرنا بھی مشکل ہے سانس لیتا ہوا میرے پاس موجود تھا۔

اُس کے جو الفاظ خاتون صوفیہ نے مجھے بتائے تھے میرے حق میں تھے۔ گویا وہ غور کر رہا تھا کہ میں اسی کی طرح ہاتھ پاؤں رکھتا ہوں آنکھیں سر اور دوسرے تمام اعضاء، یعنی میں اسی کی مانند ہوں اور اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں اُس کے حق میں بُرا نہیں ہوں۔

گویا اگر میں کوشش کروں تو اُس کی دوستی حاصل کر سکتا ہوں۔ اور اس کے بعد یونان کی تاریخ کے بہت سے باب میرے سامنے کھل جائیں گے۔ اور میں دُنیا کو فخر کے ساتھ یہ بتا سکوں گا کہ میں نے ایک ایسے شخص کو دوبارہ زندگی کی طرف لوٹا دیا ہے جو صدیوں پہلے پیدا ہوا تھا۔ یہ سوچ سوچ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ لیکن بہرصورت خود پر قابو پا کر یہ سب کچھ کرنا تھا۔ اور اس سلسلے میں میری بیٹی کے علاوہ میرا مددگار اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ میرا واحد سہارا تھی۔ جس سے میں دل کی تمام باتیں کر سکتا تھا اور جو مکمل اعتماد کے ساتھ میرا ساتھ دے سکتی تھی۔

چنانچہ میں نے اسے تمام تر تفصیلات بتائیں اور وہ اس بات پر تیار ہو گئی کہ وہ میرے ساتھ مل کر خاتون صوفیہ کی دیہی رہائش گاہ تک چلے اور اس عجوبے کو بھی اپنے ساتھ لے چلے۔

"ہاں میں نے فرخندہ سے یہ بھی کہا اگر احسان فروغی بھی ہمارے ساتھ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ مکمل طور پر قابلِ اعتماد نوجوان ہے۔"

چنانچہ میں نے تیاریاں مکمل کیں، فرخندہ اُس عجیب و غریب نوجوان کی دیکھ بھال میں مصروف تھی جسے میں نے لیبارٹری میں چھوڑ دیا تھا۔

فرخندہ نے بتایا کہ وہ سدھے ہوئے جانوروں کی طرح سیدھا ہو گیا ہے، اور اب اُس کے انداز میں مکمل طور پر انسانیت پائی جاتی ہے۔ ہاں وہ شدت سے حیران ہے اور اسی حیرانی کے عالم میں اُس نے بہت سے الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے ہیں جنہیں فرخندہ نے ریکارڈ کر لیا تھا۔

ریکارڈ شدہ کیسٹ فرخندہ نے میرے حوالے کر دیا تھا۔ پھر ہمارے درمیان یہ طے ہوا کہ اُس اجنبی شخص کو اس دیہی عمارت تک لے جانے کے لئے کیا کیا جائے۔ سو یہی طے ہوا کہ اس بار اُسے کسی مشروب میں بیہوشی کی دوا دے دی جائے۔ اور یہ آزمائش بھی جلد کر لی گئی۔

مشروبات سے اُسے خاصا شغف معلوم ہوتا تھا یا پھر یہ کہا جا سکتا تھا کہ اُس نے اب تک جو مشروب پیئے تھے وہ اُسے بہت پسند آئے ہوں، کیونکہ جب فرخندہ نے میرے سامنے اُسے ایک خوشرنگ مشروب کا گلاس پیش کیا تو اُس نے کسی قدر خوشگوار انداز میں اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اُسے تھام لیا تھا۔

گلاس کو دونوں ہاتھوں میں لئے لئے اُس نے ہونٹوں سے لگایا۔ اور چند ہی ساعت میں اُس نے گلاس خالی کر دیا۔ اُس کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات نمایاں تھے لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یہ آنکھیں دُھند میں ڈوبنے لگیں۔ تب ہم نے گلاس اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور کچھ ہی دیر کے بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

اُس کی تیز تیز سانسیں بخوبی محسوس کی گئیں گویا ہمارا کام ہو چکا تھا۔

اس دوران میں نے احسان فروغی کو ٹیلیفون کر کے طلب کر لیا تھا۔ سو جب وہ پہنچا تو ہم اپنے کام کے لئے تیار تھے تب میں نے احسان فروغی سے کہا۔

"احسان فروغی اب بہت جلد اس پُراسرار وجود کی کہانی منظرِ عام پر آ جائے گی۔"

"کیا مطلب آقائے سلمان قدوسی؟" احسان فروغی نے پوچھا،

تب میں نے اُسے مادام صوفیہ کے بارے میں مختصراً سب کچھ بتا دیا۔ احسان فروغی حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

خاتون صوفیہ کی شخصیت ہر شخص کو اسی طرح حیرت زدہ کر دیتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد احسان فروغی نے کہا۔

"محترم سلمان قدوسی کیونکہ حالات میرے علم میں ہیں اور میں جانتا ہوں کہ آپ وہی کچھ کر رہے ہیں جسے میرے مالک کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ میں اُن کے نام پر آپ کی ہر امداد کے لئے تیار ہوں۔ آپ نے یقیناً مجھے کسی خاص مقصد کے تحت طلب کیا ہوگا۔ اب آپ مجھے میری خدمات بتائیں۔"

"کوئی خاص نہیں احسان فروغی، بس اسے لے کر خاتون صوفیہ کی دیہی رہائش گاہ تک جانا ہے۔ آؤ اُسے اس بند گاڑی میں پہنچا دیں۔ جو اس سفر کے لئے نہایت موزوں رہے گی۔"

"اور میں نے چونکہ کسی اور کو اس سفر کے بارے میں رازدار بنانا پسند نہیں کیا۔ اسی لئے یہی سوچا کہ تمہیں طلب کر لوں۔ اور تم یقیناً میرے ساتھی ہو۔"

"دل و جان سے آقائے سلمان قدوسی، دل و جان سے میں اپنی خدمات انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔" احسان فروغی نے کہا اور اجنبی شخص کی جانب بڑھ گیا۔

ہم دونوں نے مل کر اُس بھاری وجود کو اُٹھایا اور اُسے لیبارٹری سے نکال کر اُس بند گاڑی کی طرف لے گئے جس میں بیٹھ کر ہمیں خاتون صوفیہ کی دیہی رہائش گاہ تک کا سفر کرنا تھا۔

اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد ہماری گاڑی اُس راستے پر سفر کر رہی تھی جو کچا اور ناہموار تھا۔

میں نے ڈرائیونگ نہایت سُست رکھی تھی تاکہ پچھلے حصے میں بیہوش پڑے ہوئے اُس انسانی وجود کو کوئی بھی تکلیف نہ ہو۔

خاتون صوفیہ کی یہ دیہی رہائش گاہ میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس جانب سے گزرتے ہوئے میں نے اس کے بارے میں یہی سوچا تھا کہ جس نے بھی یہ رہائش گاہ بنوائی ہے وہ صاحبِ ذوق ہے۔ اور یقیناً زندگی سے لطف اندوز ہونا جانتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ رہائش گاہ خاتون صوفیہ کی لیبارٹری کی حیثیت سے استعمال ہوتی ہے۔ بلاشک و شبہ یہ ایک قیمتی جگہ تھی۔

چوڑے گیٹ سے گزر کر ہماری گاڑی اندر داخل ہو گئی۔ اور وہاں ہم نے اپنے استقبال کے لئے اُن چاروں آدمیوں کو دیکھا جن کی نشاندہی خاتون صوفیہ نے کی تھی۔

تندرست و توانا طویل القامت لوگ تھے چہروں سے ذہین بھی لگتے تھے۔ صاف ستھرے لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے چہروں پر خوش اخلاق مسکراہٹ تھی یوں لگتا تھا جیسے انہیں ہمارے بارے میں ہدایات مل گئی ہوں وہ نہایت پرتپاک انداز میں ہمارا خیر مقدم کر رہے تھے۔

بہت جلد یہ بات ہمارے علم میں آ گئی کہ خاتون صوفیہ ان چاروں کو ہمارے بارے میں ہدایات دے چکی ہیں۔ اس کا عملی تجربہ یوں ہوا کہ وہ ہمارے نزدیک پہنچے اور انہوں نے بڑے ادب سے ہمیں مخاطب کیا۔

"ہم آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں محترم آقا، خاتون صوفیہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب آپ یہاں پہنچ جائیں تو انہیں ٹیلیفون کر دیا جائے۔ سو اس سے قبل کہ ہم انہیں آپ کی آمد کے بارے میں بتائیں۔ آیئے ہم آپ کو آپ کی آرامگاہوں میں پہنچا دیں اور کوئی ایسی شخصیت بھی آپ کے ساتھ ہے جسے ہمیں ایک مخصوص مقام تک لے جانا ہے۔"

"ہاں وہ گاڑی کے پچھلے حصے میں بیہوش پڑا ہوا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اور ان میں سے دو آدمی ایک اسٹریچر نکال لائے جو غالباً پہلے سے تیار کر لیا گیا تھا۔ یقیناً خاتون صوفیہ نے بھی اس بارے میں سوچا ہوگا اور انہیں مکمل ہدایات دے دی ہوں گی۔ اس عجیب و غریب نیم برہنہ وجود کو اسٹریچر پر لٹایا گیا اور ہم سب ان کے ساتھ چل پڑے۔

جس جگہ اُسے پہنچایا گیا تھا یہ نہایت دلچسپ تھی، لوہے کا ایک بڑا سا کٹہرا جس میں ایک انتہائی آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا اور داخل ہونے کے لئے صرف ایک دروازہ تھا۔ گویا اس دروازے کو اگر بند کر دیا جاتا تو یہ کٹہرا پنجرے نما ہو جاتا تھا۔

مادام صوفیہ کے خدمت گاروں نے برف کے آدمی کو اس پنجرے میں لٹا دیا اور اس کام سے وہ جلد ہی فارغ ہو گئے۔

اُس کو لٹانے کے بعد وہ مجھ سے بولے۔

"آقائے محترم اگر آپ کو اس سلسلے میں مزید ہدایات جاری کرنا ہوں تو ہمیں بتا دیں۔"

"نہیں ٹھیک ہے، سوائے اس کے کہ ہم اپنی آرام گاہوں میں جانے کے بجائے اُس وقت تک یہاں رکیں گے جب تک خاتون صوفیہ تشریف نہیں لے آتیں۔"

"ضرور بالضرور۔ آپ یہاں تشریف رکھیئے لیکن محترم آقا کیا اس کی کوئی وجہ ہے؟"

"ہاں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی بھی وقت ہوش میں آ سکتا ہے۔ اور ہوش میں آنے کے بعد کہیں یہ خود کو قیدی محسوس نہ کرے، ان حالات میں ہم نہیں جانتے کہ اس پر کیا ردِ عمل ہوگا۔ چنانچہ ہم اس کے نزدیک رہنا چاہتے ہیں۔"

"بہت بہتر۔ چونکہ آپ معزز مہمان ہیں اس لئے آپ کے احکامات کی تعمیل میں ہمیں کوئی تعرض نہ ہوگا آپ یہاں قیام فرمایئے۔ ہم خاتون صوفیہ کو اطلاع دے دیتے ہیں جس چیز کی ضرورت ہو طلب فرمایئے۔ ہم میں سے ایک یہاں حاضر رہے گا۔"

"نہیں شکریہ۔ فی الوقت ہمیں کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

تین افراد واپس چلے گئے۔

وہ شخص جو ہمارے خدمت گار کی حیثیت سے یہاں رکا تھا ہم سے دور ایک کونے میں جا کر ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

میں احسان فروغی اور فرخندہ بھی کٹہرے میں داخل ہو کر اس کے بستر کے نزدیک بیٹھ گئے تاکہ جب وہ جاگے تو یہ نہ محسوس کرے کہ اُسے محبوس کیا گیا ہے۔

اُسے ہوش میں آنے میں یقیناً دیر لگنی چاہیئے تھی اور یہی ہوا بھی، اس سے پہلے کہ وہ ہوش میں آتا مادام صوفیہ ثانی ہمارے پاس پہنچ گئیں۔

ہم سب نے اُن کا استقبال کیا تھا انہوں نے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا اور بولیں۔

"کتنی دیر ہو گئی آپ حضرات کو آئے ہوئے؟"

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر قبل آئے ہیں۔"

"ہوں، کوئی زحمت تو نہیں ہوئی۔"

"جی نہیں۔"

"میں بے چین ہوں اس انوکھے وجود کو دیکھنے کے لئے جس کا تذکرہ کر کے تم نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے سلمان فردوسی۔"

"یہ موجود ہے۔" میں نے کہا۔

اور میں، فرخندہ اور احسان فروغی اُن کے سامنے

سے ہٹ گئے۔ مادام صوفیہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں، وہ بیہوش تھا۔

خاتون صوفیہ کی آنکھوں میں انوکھی چمک تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک اسے دیکھ رہی تھیں اور ان کے چہرے پر عجیب سے تجسس کے آثار تھے۔

"خدا کی قسم انوکھا وجود ہے، کیا کہا جا سکتا ہے، کیسے کہہ سکتے ہیں ہم کہ یہ صدیوں کا کوئی انسان ہے جس نے نجانے کونسے دور میں نجانے کن حالات میں آنکھ کھولی ہوگی، نجانے یہ ہمیں کونسی کہانی سنائے گا۔"

ہم سب خاتون صوفیہ کے چمکدار چہرے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ رہے تھے۔

پھر میں نے ان سے سوال کیا۔

"کیا آپ اس سے گفتگو کی تیاریاں کر کے آئی ہیں؟"

"جس وقت سے تم مجھ سے جدا ہوئے ہو۔ میں اسی سلسلے میں کوشش کر رہی ہوں، ایک لمحہ بھی میں نے آرام نہیں کیا اور اتنی کتابیں کھنگال ڈالیں کہ شاید پچھلے تین سال میں، میں نے اتنی کتابیں نہیں پڑھی ہوں گی۔ یقیناً بڑا انوکھا وجود ہمارے سامنے آیا ہے۔" خاتون صوفیہ نے جواب دیا۔

پھر وہ بیٹھ گئیں، وہ اس کی ایک ایک چیز کو متحیرانہ انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

پھر انہوں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھے تو صرف یہ تعجب ہے کہ برف کے درمیان جم کر زندگی کیسے برقرار رہ گئی۔ یہ بڑا انوکھا تجربہ ہے انسانی زندگی کے لئے، اگر ہم اس تجربے کو عام کر دیں تو یقینی طور پر اس سے انسان کو بہت سے فوائد حاصل ہو سکیں گے۔"

"یقیناً ہم ان تجربات کو دنیا کے سامنے لائیں گے خاتون صوفیہ لیکن اس وقت جب ہمیں ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس سے قبل کے بارے میں، میں آپ کو بتا ہی چکا ہوں کہ ہمیں کیا کیا مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔"

"ہاں مجھے احساس ہے ان مشکلات کا، یقیناً یقیناً،" خاتون صوفیہ نے جواب دیا۔

"تو اب آپ اس سلسلے میں کیا کہتی ہیں صوفیہ خاتون؟"

"صرف ایک بات میں جانتی ہوں کہ ہمارا مقصد ٹھیک ہے۔ اور ہم جو کچھ معلوم کریں گے وہ یقیناً ہماری ذات کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ گزرا ہوا وقت ہمارے ان تجربات کو دوسروں کے حوالے کرے گا۔"

"بیشک میں آپ سے متفق ہوں۔"

"چنانچہ اس وقت کی خاموشی بہتر ہے آنے والے وقت کے لئے۔"

"ٹھیک ہے۔"

چند لمحات خاموشی سے گزر گئے۔ ہم سب اس انوکھے وجود کے بارے میں سوچ رہے تھے جس کے بارے میں ابھی ہمیں کچھ نہیں معلوم تھا۔

لیکن امکان اس بات کا تھا کہ یہ قدیم یونان کی تاریخ کے وہ باب ہمارے سامنے کھول دے گا جو صرف ایک روایت کی شکل میں سامنے آئے تھے۔ اور جس کی تصدیق بھی بس روایتی تھی۔

"تم نے اسے کس چیز سے بیہوش کیا تھا؟"

"سلو ٹرائز کی ایک خوراک دی تھی اسے۔"

"ایک ڈوز دیا تھا؟"

"ہاں۔"

"تب اسے ہوش آ جانا چاہئے۔" خاتون صوفیہ نے کہا۔

"اوہ اس میں تحریک پیدا ہو رہی ہے۔" دفعتاً احسان فرغی نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا۔

"ہاں یہ ہوش میں آ رہا ہے۔" مادام صوفیہ نے کہا۔ ان کی آواز میں عجیب سا جوش و اضطراب تھا ہم سب سے زیادہ وہی اس قدیم وجود سے متاثر تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس پر کام کر رہی تھیں۔

رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے اس ماحول کو دیکھا۔ اپنے نزدیک کھڑے لوگوں کو دیکھا اور جیسے اس کے حواس جاگ گئے۔ اس کی آنکھوں میں حواس کی چمک نظر آنے لگی۔ جیسے وہ ماحول کو سمجھ چکا ہو۔ یہ جان چکا ہو کہ جگہ ضرور بدلی ہوئی ہے لیکن وہ انہیں لوگوں کے درمیان ہے جنہیں دیکھ چکا تھا۔

جوش مسرت سے مادام صوفیہ کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا ان کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں اور وہ پلکیں جھپکانا بھول گئی تھیں۔ اس کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے اور ان سے سرگوشیاں خارج ہو رہی تھیں۔

تب پہلی بار خاتون صوفیہ کے منہ سے ایک آواز نکلی۔

انہوں نے کچھ کہا۔ جو ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ لیکن اس آواز کو سن کر اس کے وجود میں ایک نمایاں تغیر نمودار ہوا تھا۔

اس کی گردن تیزی سے گھومی اور اس نے متحیرانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھی پھر کچھ بولا۔

اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں تغیرات نمودار ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے اس سوال کے جواب میں بھی خاتون صوفیہ نے کچھ کہا اور وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے۔ اور پھر ان کے درمیان الجھی زبان میں گفتگو ہونے لگی جو ہم میں سے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

فرخندہ کے چہرے کی الجھن صاف دیکھی جا سکتی تھی احسان فروغی بس ایک سپاہی منش تھا۔ اس لئے وہ اپنے فرض کی ادائیگی کر رہا تھا۔

چند ساعت کے بعد وہ اٹھا اور اس نے خاتون صوفیہ کا داہنا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ صوفیہ ثانی نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔ وہ بیٹھ گیا اور پھر خاتون صوفیہ ہماری طرف متوجہ ہو گئیں۔

"میں تم لوگوں کی ذہنی کیفیت سمجھ رہی ہوں۔"

"ہاں۔ ہم الجھن میں ہیں۔"

"بہت تھوڑا وقت لوں گی تم سے اور اس کے بعد تمہیں تمہاری الجھنوں کا حل مل جائے گا۔"

"کیا مطلب"؟ میں نے پوچھا۔

"سلمان قدوسی۔ تم نے مجھے اس کائنات کے سب سے دلچسپ تجربے سے روشناس کرایا ہے میں بھی تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔ میں تمہیں اس اعتماد کے جواب میں بھرپور اعتماد دوں گی۔ یہ تمہاری بیٹی ہے"؟ آخری الفاظ انہوں نے فرخندہ کی طرف اشارہ کر کے کہے تھے۔

"ہاں۔"

"اور یہ نوجوان۔"؟

"میرا دوست میرا قابل اعتماد ساتھی یوں سمجھیں اس سلسلے میں صرف چند افراد کو معلوم ہے جن میں احسان فروغی بھی شامل ہے۔"

"تب یہ میرے لئے بھی اسی قدر قابل اعتماد ہے"

صوفیہ خاتون نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ پھر بولیں۔

"جیسا کہ تم سب کو معلوم ہے کہ دنیا کی قدیم ترین زبانوں سے مجھے بیحد دلچسپی ہے۔ اور میں نے تقریباً ساری زندگی انہیں علوم کے حصول میں صرف کر دی۔ مجھے ساری زندگی صرف اپنے مشغلے سے دلچسپی رہی اور میں نے کبھی نام و نمود کی کوشش نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ میری اس حیرت انگیز ایجاد سے واقف نہیں ہیں جس کی تیاری میں میرے ایک جرمن دوست ہارے نے میری مدد کی تھی۔"

"ایجاد۔"؟ میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں ایجاد۔"

"وہ کیا ایجاد ہے خاتون صوفیہ۔"

"خیالات کو منتقل کرنے کی ایک مشین۔ خیالات کی زبان صرف ایک ہوتی ہے۔ انسانی ذہن کے خلیئے یکساں انداز میں سوچتے ہیں۔ اس کے بعد آواز اور زبان کی حرکت انہیں مختلف زبانوں میں تقسیم کرتی ہے۔ یعنی آپ دنیا کے کسی ملک کے باشندے ہوں کوئی زبان بولتے ہوں گے اس ہاتھ کا مصرف آپ سب کے ذہنوں میں ایک ہے۔ اور جب کبھی آپ اس ہاتھ کے بارے میں سوچیں گے آپ کے ذہن میں اس پانچ انگلیوں والے ہاتھ ہی کا تصور ہوگا۔"

"بیشک۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اس مشین کے سامنے بیٹھ کر کوئی بھی زبان بولی جائے وہ اسی طرح تمہاری سمجھ میں آئے گی جیسی تمہاری اپنی زبان ہوگی۔"

"آہ۔ میں نے ایسی ایجاد کے بارے میں پہلے بھی سنا تھا۔"

"تب تم نے ہارے کا نام بھی سنا ہوگا۔"

"ذہن میں نہیں ہے۔"

"پروفیسر ہارے نے پہلی بار اس فارمولے پر غور کیا۔ اور اس کے بعد اس نے پچاس سال تک اس پر محنت کی۔ وہ مجھ سے بہت متاثر تھا اس لئے اس نے ایک طویل عرصہ میری اس لیبارٹری میں کام کیا اور میں اس کی اسسٹنٹ کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہی۔ اس طرح میری یہ لیبارٹری بھی اس قیمتی مشین سے آراستہ ہوگئی۔"

"کیا وہ مشین اب بھی یہاں موجود ہے؟" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ یہاں موجود ہے۔"

"آہ۔ کیا ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں؟"

"میں نے کہا تھا سلمان فاروسی جس طرح تم نے مجھ پر ایک اتنے اہم سلسلے میں اعتماد کیا اسی طرح زندگی میں پہلی بار میں نے بھی کسی کو اس مشین کے بارے میں بتایا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ صوفیہ خاتون۔"

"میں نے اسی خیال کے تحت تمہیں اپنی اس کوٹھی یا اس لیبارٹری میں بلوایا تھا۔ کہ اگر ہمارے ابتدائی تجربات کامیاب رہے تو صدیوں پہلے کے ایک انوکھے انسان کی کہانی تم اس کی زبانی سنو گے۔"

"ابتدائی تجربات سے آپ کی کیا مراد ہے خاتون؟"

"وہ تجربات جو میں کر چکی ہوں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا؟"

"میں نے اسے اس کی زبان میں مخاطب کیا اور اس پر حیرت کا شدید رد عمل ہوا۔ تم نے کم از کم اس کے چہرے کے تاثرات سے تو اندازہ لگایا ہوگا۔"

"ہاں۔ یقیناً، ہوش میں آنے کے بعد وہ کچھ بول رہا تھا۔"

"ہاں۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"اس کے ابتدائی الفاظ تھے۔" او وہ ایک اور اجنبی جگہ ایک نئی دنیا۔ اجنبی لوگ کاش میں انہیں دوست بنا سکوں۔"

"اس کے بعد؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے بعد میں نے اسے دوست کہہ کر پکارا۔"

"اس کی زبان میں؟"

"ہاں۔ اور اسے اس بات پر شدید حیرت ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا میرے کانوں نے جو کچھ سنا درست تھا؟" میں نے جواب دیا۔

"ہاں، جو کچھ اس نے سنا درست ہے۔"

"اور تم میری زبان بول رہی ہو؟"

"ہاں، میں تم سے تمہاری زبان میں بات کر سکتی ہوں۔" "مجھے تمہارے درمیان آکر تم سب سے مل کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ دوستی کے اظہار کے لئے چوما تھا۔"

"گویا ذہنی طور پر وہ بالکل ٹھیک ہے؟"

"سو فیصدی۔ اور یہی کامیابی میرے لئے سب سے زیادہ مسرور کن ہے۔ ہارے کی ایجاد کردہ مشین صرف صحیح الدماغ لوگوں کے لئے ہے یعنی ان کے لئے جو ٹھیک طرح سوچ سکتے ہوں۔"

"تو آپ ہمیں اس مشین کی زیارت کب کرائیں گی خاتون صوفیہ۔" میں نے بے صبری سے پوچھا۔

"ایک دیانت دار انسان کی حیثیت سے ابھی۔ فوراً بہت جلد۔ اب ذرا میں اسے اس بات کے لئے تیار کر لوں۔"

"ضرور۔" میں نے خاتون صوفیہ کو اجازت دے دی۔ اور خاتون صوفیہ اس سے مخاطب ہوگئیں۔

دیر تک اجنبی زبان کا تبادلہ ہوتا رہا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"آؤ۔ وہ تیار ہے۔" خاتون صوفیہ نے کہا۔

"آپ نے اسے اس مشین کے بارے میں کیا بتایا؟"

"یہ آفاقی باتیں ابھی اس کی سمجھ میں نہیں آئیں گی لیکن وہ تعاون کرنے والوں میں سے ہے۔"

"کیا کہا آپ نے اس سے؟"

"میں نے اس سے پوچھا کیا وہ اپنے پسندیدہ لوگوں سے اپنی زبان میں بات کرنا چاہتا ہے۔" اس نے گرمجوشی سے اس کا اظہار کیا۔

تب میں نے کہا کہ میں اس کی مدد کر سکتی ہوں۔ وہ میرے ساتھ آئے۔ اور وہ تیار ہو گیا۔" خاتون صوفیہ نے بتایا۔ ہم لیبارٹری کے ایک اور حصے میں پہنچ گئے۔ کون جانتا تھا کہ دور سے ایک حسین رہائش گاہ نظر آنے والی اس کوٹھی میں کوئی ایسی انوکھی شے پوشیدہ ہوگی۔

بہرحال ہم اس بہت بڑے ہال میں داخل ہوگئے جہاں ایک لیبارٹری موجود تھی۔ یہ ہال درمیان سے دو حصوں میں منقسم تھا۔ درمیان میں ایک جالی لگی ہوئی تھی جس کے

بڑے سوراخوں میں بھی انتہائی باریک تاروں کا جال بنا ہوا تھا جو غور سے دیکھنے پر ہی نظر آتا تھا۔

دو مختلف زبانیں بولنے والوں کے درمیان یہ جالی حائل رہے گی۔ اس کے باریک تار انسانی ذہن کے خلیوں کا عکس وصول کرتے ہیں۔ اور موٹے تار اسے الفاظ کی شکل میں ترتیب دے کر دوسری طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ یہ عمل دو طرفہ ہوتا ہے یعنی جس طرح تم اس کے خیالات کی زبان سنو گے اسی طرح وہ بھی تمہارے خیالات کی زبان کو اپنی زبان کے الفاظ میں سنے گا۔"

"بڑی انوکھی ایجاد ہے۔"

"ہاں۔ میرا دوست اس کے لئے قابلِ مبارکباد ہے۔"

"مسٹر ہارپ اب کہاں ہیں؟"

"انتقال ہو گیا اس کا۔ بس اس کا خیال زندہ ہے۔"

"اس کا عمل بھی زندہ ہے خاتون صوفیہ۔"

"ہاں ایسے لوگ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔" صوفیہ ثانی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

اس پُراسرار وجود کو جالی کے دوسری طرف بٹھا دیا گیا اور ہم سب اس طرف بیٹھ گئے۔ بیشک اس نے ہم سے بھرپور تعاون کیا تھا۔

خاتون صوفیہ اس دوران ہال کے ایک کونے میں مصروف ہو گئی تھیں۔ وہ اس انوکھی مشین کا برقی نظام درست کر رہی تھیں۔ اور چند ساعت کے بعد ان جالیوں میں روشن نقطے تیرنے لگے۔

جالی کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے انسان کے چہرے پر ہلکے سے خوف کے آثار پھیل گئے تھے۔ اور پھر ہمیں ایک انوکھی، اجنبی آواز سنائی دی۔

"رب ارسوس کی قسم یہ تو دیوتاؤں کی سرزمین ہے۔ یہاں کی تو ہر بات انوکھی ہے۔ آہ کیا میں دیوتاؤں کے درمیان ہوں۔"

"ہمارے چہرے مسرت سے کھل اٹھے تھے ہم اس پُراسرار وجود کی آواز سن رہے تھے جو صدیوں پہلے کی مخلوق تھی، کون تصور کر سکتا تھا، کون سوچ سکتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے اسے مخاطب کیا۔

"تم دیوتاؤں کی نہیں۔ انسانوں کی زمین پر ہو۔" اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر بولا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہم اپنے مہمان سے ہر بات سچ کہیں گے۔"

"لیکن یہ سرزمین انوکھی ہے۔"

"تمہارے لئے اجنبی ہے اس لئے تمہیں انوکھی لگ رہی ہے۔"

"شائد ایسا ہی ہو۔"

"ایسا ہی ہے۔ ہم سب تمہارے دوست ہیں۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔"

"آجائے گا۔ آہستہ آہستہ یقین آجائے گا۔" اسی وقت خاتون صوفیہ کی آواز سنائی دی۔

"خدا جانے اس مشین نے کام شروع کیا یا نہیں۔ میرا خیال ہے میں ان سے اس بارے میں پوچھوں۔"

"مشین نے کام شروع کر دیا ہے خاتون صوفیہ، براہ کرم آپ ہمارے پاس آجائیں۔" اور خاتون صوفیہ ہمارے نزدیک آگئیں۔

"تم اس کی آواز سن رہے ہو؟"

"ہاں۔ ایک انوکھی اجنبی آواز۔ آہ کیسی عجیب ہے یہ آواز۔"

"اس لئے کہ یہ ذہن کی آواز ہے۔ بہرحال چھوڑو۔ اس سے باتیں کریں۔" اس بار خاتون صوفیہ نے اسے مخاطب کیا۔

"تم کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"بیحد خوشگوار کیفیت ہے۔ یہ سب کچھ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے بشرطیکہ یہ برقرار رہے، تم لوگ میرے دوست رہو اور میں اسی طرح تم لوگوں سے گفتگو کروں۔"

"ایسا ہی ہوگا۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"نام۔" اس نے ایک لمحے توقف کیا، پھر بولا۔

"میرا نام لیپاس ہے اور میرے باپ کا نام لداقوس تھا۔"

"تمہیں اپنا ماضی یاد ہے؟"

"ہاں۔ ماضی کا ایک ایک نقش میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

"کیا تم ہمیں اپنی داستان سنانا پسند کرو گے؟"

"اس سے قبل میری خواہش ہے کہ میں تمہارے بارے میں بھی کچھ جان لوں۔"

"ضرور۔ پہلے ہم تمہیں اپنے بارے میں بتائیں گے۔ بدلتے ادوار کے بارے میں تمہاری معلومات کیا ہیں؟"

"زندگی اور موت کے فاصلے کو وقت کہتے ہیں۔ اور مرنے والے وقت سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ شائد اسے دور کہتے ہیں۔"

"کسی حد تک ٹھیک ہے۔ یہ بات تمہارے دور کے نظریے کی تائید کرتی ہے"۔ خاتون صوفیہ نے کہا۔

"موجودہ وقت کا نظریہ بدل گیا ہے"؟ اس نے سوال کیا۔

"کسی حد تک"؟

"ہاں۔ مائی سی نائی کے حالات نے بھی متعدد بار تبدیلیاں پیدا کی تھیں اور ان سے بدلنے والے حالات کہتے تھے۔ اور یہی ان کی جیت تھی یعنی جہاں ان کی بڑائی کی شناخت ہوتی تھی اور دوسرے انہیں تسلیم کرتے تھے۔ سو انہوں نے بھی ادوار کی نشاندہی اسی مانند کی تھی۔ لیکن وہ کاہن تھے۔ اور ان کی بات دوسروں کے بولنے پر حاوی ہوتی تھی۔"

"خوب۔ تمہاری سرزمین مائی سی نائی تھی؟"

"میں کریٹ میں پیدا ہوا تھا۔ اور میرا باپ لدانوس نقل مکانی کر کے۔ مائی سی نائی میں آباد ہو گیا تھا کہ یہ دور نوسس اعظم کا تھا۔ اور وہی حکمران تھا کہ اس کا محل نصف شہر کی مانند تھا۔ اور یونان کی تاریخ میں اس سے عالیشان محل کبھی تعمیر نہ ہوا تھا۔"

"تم نے ترابنیس کی فصیلیں بھی دیکھی ہوں گی"؟ صوفیہ ثانی نے پوچھا۔

"ہاں ترابنیس میری داستان کا مرکز ہے"۔

"دیوی دیوتا اس دور کے حکمران تھے"۔

"ہاں اصل حکومت انہی کی تھی لیکن وہ ہدایات بخشتے تھے نوسس اعظم کو اور کاہن ان ہدایات کا ذریعہ ہوتے تھے۔ لیکن اصل حکومت دیوتاؤں کی تھی کہ ان کی مرضی کے بغیر بھلا کیا ہو سکتا تھا"۔

"بھلا سورج اپولو کا تابع نہ ہوتا تو چمک کہاں سے ملتی اور کیونکر تحریک ملتی اسے کہ سمندروں کی باگ ڈور پوسیڈن کے ہاتھوں میں تھی اور عقل انسانی تابع تھی دیوی ایتھنا کی، اور لڑائی میں فتح کا انحصار ایریز کے ہاتھوں میں ہوتا تھا اور سارا انتظام دیوی اور دیوتاؤں کے تحت ہی تو ہوتا تھا ورنہ ایریس دیوتا بپھرا اور ٹرائے کے لوگوں کی مدد نہ کرتا۔ ہرچند کہ ہیرا نے زیوس کے سامنے شکایت پیش کی تھی اور یوں گفتگو کی اس نے کہ جناب زیوس کیا آپ ایریز کے بارے میں کچھ نہ کہیں گے تو کہا زیوس نے کہ بادلوں کو سمیٹنے والا تھا اور بارش کا دیوتا تھا کہا جو چاہتی ہے کر گزر اور ایتھنا کو ان کے درمیان نہ بھیج دے۔ سو یہی ہوا اور ایتھنا دیومیدیز سے ملی اور آمادہ کیا اس کو کہ ایریز سے جنگ کرے یوں کہ وہ خود بھی اس کے رتھ میں سوار تھی اور اس نے خود کو دیومیدیز کی ٹوپی میں چھپا لیا۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایریز اسے دیکھے، لیکن ایریز نے دیکھا دیومیدیز کو، اور ایک طرف ہو گیا اور اپنا برچھا جوتے اور باگوں کے اوپر سے پھینکا، ایتھنا نے برچھا پکڑ لیا اور اسے ایک جانب ڈال دیا اور کسی کو نقصان نہ پہنچنے دیا"۔

"دیومیدیز نے ایریز کو برچھا مارا جیسے گھونپ دیا ایتھنا نے ایریز کے پیٹ میں، جہاں اس نے اپنا سامان باندھ رکھا تھا، سو یوں ہوا کہ برچھے کی انی سیدھی گوشت کے اندر اتر گئی۔ اور دیومیدیز نے اسے کھینچ لیا، ایریز آہ و فغاں کرنے لگا تھا۔"

"اس کی آواز اتنی اونچی تھی جیسے دس ہزار آدمی گھمسان کے رن میں نبرد آزما ہوں، سو یہ نظارہ آیا دیومیدیز کے سامنے کہ سخت گرمی کے بعد ایک بگولا اٹھا۔ اور نکلنے لگا سیاہ مادہ بادلوں سے، یہ چیز دیکھی دیومیدیز نے۔ اور تھی یہ فریاد ایریز کی جو چڑھ رہی تھی آسمان کی طرف چیرتی ہوئی بادلوں کو دیومیدیز خوفزدہ ہو گیا، بہت بری حالت تھی اس کی چنانچہ وہ جا بیٹھا زیوس کے پاس۔ اور اپنے زخم سے بہتا ہوا غیر فانی خون دکھاتے ہوئے بڑے دردناک انداز میں کہنے لگا۔

"بزرگ زیوس، کیا آپ کچھ نہ کہیں گے ان تشدد آمیز حرکات کے بارے میں۔"

"ہم دیوتاؤں کی حالت عجیب ہے، اگر ہم کرنا چاہتے ہیں انسانیت کی بھلائی کا کام تو برداشت کرنا پڑتی ہیں ہمیں ایک دوسرے کی خوفناک حرکتیں، ہم سب آپ کے خلاف ہیں کیونکہ آپ ہی نے وہ دیوانی لڑکی پیدا کی جو کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھاتی رہتی ہے۔ لعنت ہو اس پر، جبکہ ہم سب ہیں آپ کے فرمانبردار آپ کا حکم مانتے ہیں۔ مگر یہ لڑکی ایسی ہے کہ نہ آپ اس کی کسی بات کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ وہ کسی کی بات کو مانتی ہے، وہ آپ ہی کی بیٹی ہے اور آپ ہی نے اسے ایسے کاموں سے لگایا ہے اب دیکھئے یہ اس نے کیا کیا ہے۔"

بادلوں کو سمیٹنے والے زیوس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور وہ بولا۔

"یہ تو ہونا تھا اور تو کیوں رونے آیا ہے میرے سامنے میں جانتا ہوں کہ روئے زمین کا سانپ تو ہے اور وہ گرگ تندخو کہ نام جس کا سلاطیس ہو گا تیری ہی نسل کا ایک فرد ہو گا کہ رزم آرائی اور کشت و خون جس کی سرشت ہوں گے

جا یہاں سے چلا جا مجھے تجھ سے نفرت ہے۔"

یہ پیش گوئی تھی اس دور کی جس کا تعلق میری ذات سے ہے اور شائد اس پیشگوئی کو میں اپنی کہانی کا آغاز کہہ سکتا ہوں۔"

ہم سب اس کی حیرت انگیز آواز سن رہے تھے۔ اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ ہماری سمجھ میں بخوبی آ رہا تھا۔ خاتون صوفیہ کا چہرہ فرطِ مسرت سے دمک رہا تھا۔ وہ بلاشبہ اس جادو کی خالق تھیں۔ انہوں نے مسرت بھری آواز میں کہا۔

شاید اس کہانی کا تعلق ۶۵۰ قبل مسیح سے ہے اس وقت تک اسپارٹا کا نظام جاری نہیں ہوا تھا اور اہلِ یونان تہذیب کے قریب قریب بھٹک رہے تھے۔ ان کا مافی نظام غارت گری اور قزاقی پر مبنی تھا اور وہ چھوٹے چھوٹے قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا اور یہ قبائل بھی آپس میں جنگ و جدل میں مصروف رہتے تھے۔ ہاں شائد یہ اسی دور کی بات ہے لیکن سلاطیس کا نام اجنبی تھا۔

"نہیں قابلِ احترام خاتون۔ سلاطیس تو وہ نام ہے جس سے اہلِ یونان پناہ مانگتے تھے۔ جن کی تباہ کاریوں کی داستانیں سن کر مائیں اپنے بچوں کو ڈرانی تھیں۔ اور جو اس دور کا سب سے خونخوار انسان تھا۔

"تمہارا تعلق اسی دور سے ہے۔"

"ہاں۔ میری کہانی کا آغاز بھی وہیں سے ہوتا ہے۔ مرقوس میرا باپ میرے قبیلے کے سردار کا ہمعصر تھا۔ بہت ہی زیرک ذہین اور قابلِ اعتماد۔ لیکن یوں ہوتا ہے کہ ایسے لوگ بے پناہ دشمنوں کے گروہ کے درمیان زندگی گزارتے ہیں اور ایسا ہی میرے باپ کے ساتھ تھا۔ لوگ اس کی ذہانت سے جلتے تھے۔

اور اسے نیچا دکھانے کے بارے میں سوچتے رہتے تھے لیکن وہ محفوظ تھا دیوتاؤں کے سائے میں اور اسے کوئی گزند نہ پہنچی تھی اپنے دشمنوں سے۔ سو سلاطیس کی کہانی یہ ہے کہ اس وقت میں تھے۔ پہلی بار اسے دیکھا جب بہت چھوٹا تھا اور دنیا کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن تجسس میرا شوق تھا اور مجھے ہر چیز سے دلچسپی تھی۔ سو اس شام جب میں کھیل سے واپس آیا تو میں نے اپنے سے تھوڑے بڑے لیکن اچھے لباس میں ملبوس ایک لڑکے کو ایک عورت کے ساتھ دیکھا جو ہمارے مکان کے احاطے میں کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر شاید میری ماں تفتیشِ حال کے لئے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

ہمارا قبیلہ ایک سرسبز و شاداب خطے میں واقع تھا اور میرا مکان ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا، جس تک آنے کے لئے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں، تو یقیناً یہ عورت سیڑھیاں طے کر کے ہی میرے گھر میں داخل ہوئی ہوگی۔ لیکن ابھی وہ میرے مکان کے احاطے میں تھی اور یقینی طور پر ہماری کوئی جاننے والی نہ تھی، ورنہ میری ماں اس کے ساتھ سلیقے سے پیش آتی۔ میری ماں کے چہرے پر درشتگی تھی۔

"میں کچھ وقت قیام کی جگہ چاہتی ہوں، بس میرے ساتھ اور کوئی نہیں ہے سوائے اس لڑکے کے، سو یوں کرو مجھے رہنے کے لئے جگہ دیدو اور بہتر یہ ہوگا کہ میرے لئے کھانے پینے کا بندوبست بھی کرو۔ میں یہ تو نہیں کہتی کہ اس کے صلے میں کچھ دوں گی، پر موقع ملا تو ایسا بھی ہوگا۔"

"کون ہے تو اور کہاں سے آئی ہے، تعلق تیرا کون سے قبیلے سے ہے۔ اس سے قبل تو یہاں نہیں دیکھی گئی پہلے اپنے بارے میں بتا تو سہی اس کے بعد میں سوچوں گی کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کروں۔"

میرا تعلق قبیلہ یاسماز سے ہے اور ہوا یہ ہے کہ یہ قبیلہ دوسرے قبائل کی چپقلش کا شکار ہو گیا ہے۔ سو میرا شوہر بھی اب زندہ نہیں ہے اور اس بچے کی پرورش کے لئے میں تنہا ہوں، میں چاہتی ہوں کہ مجھے کوئی سہارا مل جائے اور میں کچھ وقت گزار لوں۔"

"تو یوں کر اپنی گائے کا تھوڑا سا دودھ میرے بچے کو دے، مجھے یقین ہے کہ یہ بھوکا ہے لیکن انوکھا ہے اگر تین دن کا فاقہ بھی ہو جائے تو یہ کسی سے کچھ نہ مانگے گا، بڑا ہی تندخو، بڑا ہی بہادر اور دلیر بچہ ہے۔"

عورت نے بچے کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا لیکن میری ماں کا چہرہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ وہ درشتگی سے بولی۔

"تو تیرا تعلق قبیلہ یاسماز سے ہے۔" میری ماں نے پوچھا تھا۔

"ہاں۔"

"اور تو نہیں جانتی کہ ہم اور ہمارا قبیلہ، یاسماز قبیلے سے جنگ کر چکا ہے، قبیلہ یاسماز اپنی غلط حرکتوں کی وجہ سے ان حالات

کا شکار ہوا۔ اگر ہم اور قبیلہ اگران دوسرے قبائل کی مدد نہ کرتا جس کے خلاف قبیلہ باسماز برد آزما ہوا تھا تو یقین کرو ان کی تباہی لازمی تھی۔"

"چلی جا یہاں سے ذلیل عورت، اس احاطے میں تیرے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"ہوں۔" دوسری عورت نے تحمل مزاجی سے کہا۔

"ٹھیک ہے تو مجھے جگہ نہ دے لیکن اتنا تو کر اپنی گائے کا تھوڑا سا دودھ میرے بیٹے کو دے دے، تیری گائے کے سارے برتن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں، اگر تو ان میں سے تھوڑا سا دودھ مجھے دے دے تو تیرا کیا بگڑ جائے گا۔" باسماز قبیلے کی عورت نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، تو یہاں سے نکل جا ورنہ یوں نہ ہو کہ میں تجھے دھکے مار مار کر یہاں سے نکال دوں۔" تب ہی میں نے اس لڑکے کو دیکھا جو اپنی ماں کے پیچھے خاموش کھڑا تھا اور جس کے بارے میں اس کی ماں نے بہت سی باتیں کہی تھیں۔

وہ آگے بڑھ آیا۔ اس کی آنکھوں سے خون کی سرخی چھلک رہی تھی۔

تب اس نے کہا میری ماں سے۔

"اے ذلیل عورت تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا اس بات کا کہ تو اتنا برا سلوک کرے میری ماں سے، اور اگر تو ہمارے ساتھ بہتر کرتی تو تیرا مستقبل بھی بہتر ہوتا، لیکن ہوگا یوں اب کہ میں اپنی ماں کی بے عزتی کو یاد رکھوں گا اور تیرے قبیلے کو اس کی سزا دوں گا۔ تو نہیں جانتی کہ میں کون ہوں لیکن آنے والا وقت تجھے بتائے گا کہ میں کون ہوں۔"

اس کے ساتھ ساتھ ہی اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑا اور کھینچنے لگا۔

"چلو ماں، میں ابھی چھوٹا ہوں، اس لئے ان الفاظ کا جواب صحیح انداز میں نہیں دے سکتا۔ لیکن جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو میں ایک بار پھر تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس قبیلے میں داخل ہوں گا اور اس کے بعد تم دیکھنا کہ اس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ میں کیا سلوک کرتا ہوں۔" اس کا گول مول چہرہ، خوبصورت آنکھیں اور بولنے کا طلسم بھرا انداز مجھے اس قدر پسند آیا کہ میں پگھل گیا۔

میری ماں کی آنکھوں میں غصے کی لہریں نظر آ رہی تھیں یقیناً یہ عورت میری ماں کے احاطے میں تھی، اگر ماں چاہتی تو آگے بڑھ کر اسے سیڑھیوں سے دھکا بھی دے سکتی تھی اور اس بچے کو مار مار کر لہولہان بھی کر سکتی تھی۔ لیکن اس نے تحمل سے کام لیا اور انہیں جانے دیا۔ لیکن میرے دل میں کچھ اور تھا۔

میں اپنے گھر کے اندرونی حصے میں گیا۔ گائے کے دودھ کے برتن بھرے ہوئے رکھے تھے۔ میں نے دودھ سے بھرا ہوا ایک چھوٹا سا برتن اٹھایا اور پچھلے حصے سے باہر نکل گیا کہ میری ماں کو خبر نہ ہو۔

میری ماں نے انہیں سیڑھیوں سے نیچے اترتے دیکھا اور جب وہ آخری سیڑھی بھی طے کر گئے تو دروازہ بند کر کے پلٹ گئی۔ میں مکان کے اطراف میں تھا۔ ماں کو دروازہ بند کرکے جاتے دیکھ کر میں باہر نکل آیا اور اس سمت چل پڑا۔ جہاں وہ دونوں ماں بیٹا جا رہے تھے۔ وہ مجھ سے کافی فاصلے پر تھے۔

میں تیز قدموں سے چلتے ہوئے ان تک پہنچ گیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"میں مرقوس کا بیٹا ہوں اور نام میرا الیاس ہے۔"

"کیا بات ہے؟" لڑکے نے آگے بڑھ کر مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"میرا تعلق اسی قبیلے سے ہے اور تمہیں ہنسی آئے گی کہ اسی گھر سے، شاید تم نے چند ساعت قبل مجھے وہاں پر دیکھا ہوگا۔"

"ہاں، تو اسی عورت کا بیٹا ہے جو تندخو بھی تھی اور بداخلاق بھی، اس نے ہمارے ساتھ بہتر سلوک نہیں کیا۔" عورت نے کہا۔

"ہاں میں اسی عورت کا بیٹا ہوں، اور تیرے ساتھ میں اچھا سلوک کرنا چاہتا ہوں۔ یہ دودھ میں تیرے بیٹے کے لئے لایا ہوں، اور میری طرف سے اسے قبول کر۔"

"نہیں، جس قبیلے نے ہمارے ساتھ برا سلوک کیا ہو اس کے کسی فرد سے ہماری دوستی نہیں ہو سکتی۔" عورت نے جواب دیا۔

اور اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔ لیکن اس کے بیٹے نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

"رک جا ماں۔ مجھے یہ لڑکا اچھا معلوم ہوا ہے۔ لاؤ یہ برتن مجھے دو۔" اس نے کہا اور دودھ کا برتن میرے ہاتھ سے لے لیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"
"لیپاس۔" میں نے جواب دیا۔
"زیوٹ کے رہنے والے جو کچھ ہوا ہے تم جانتے ہو لیکن سوگا یوں کہ جب میں اس قبیلے کی زمین کو خون سے سُرخ کردوں گا تو اس سُرخی میں ایک سفید دھبہ باقی رہ جائے گا۔ وہ تم ہو گے۔ اور وہ سفیدی اس دودھ کی ہوگی کہ یہ تمہارا احسان ہے۔ اور احسان کرنے والے کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ میرا نام سلاطیس ہے اور آگے والا وقت سلاطیس کی کہانی رقم کرے گا۔"
"تمہارا نام سلاطیس ہے۔"
"ہاں، مجھے سلاطیس ہی کہتے ہیں۔ اور میری حقیقت صرف کاھنوں کو معلوم ہے۔ عام لوگ ابھی میرے بارے میں نہیں جانتے، لیکن وہ وقت دُور نہیں ہے کہ وہ اچھی طرح جان جائیں گے۔ اور اس وقت تم بھی جان لو گے کہ جو کچھ میں نے کہا جھوٹ نہ تھا۔"
اس نے دودھ کا برتن منہ سے لگایا اور سارا دودھ پی گیا۔ پھر برتن مجھے دے کر بولا۔
"یہ سمجھو کہ تمہاری خوش بختی پر مہر لگ گئی۔"
"تمہیں اپنے مستقبل کی کہانی کہاں سے معلوم ہوئی سلاطیس۔؟"
"طویل کہانی ہے۔ اگر تمہاری ماں میں قیام گاہ مہیا کر دیتی تو شائد آنے والے وقت میں ہم دوست ہوتے لیکن صورتحال بدل گئی ہے۔ ایولو کو یہ منظور نہیں تھا کہ ہم دوستی کے رشتے میں بندھ جاتے اور سوگرج کی تحریک بھی نہ تھی۔ سو یہی کہا جا سکتا ہے کہ تم میرے قابل نہ ہو گے۔"
"پھر بھی اگر تمہاری ماں تمہیں اجازت دیدے تو تھوڑا سا وقت میرے ساتھ گزارو، تو میں برابر والے باغ سے تمہاری ماں کے لئے رس دار پھل توڑ لاتا ہوں۔ اسے یہ پھل ضرور پسند آئیں گے۔"
"ہرگز نہیں۔" سلاطیس کی ماں نے طیش بھرے لہجے میں کہا۔
"میں اب یہاں ایک لمحہ نہ رُکوں گی۔ مجھے اس زمین کے چپے چپے سے نفرت ہے، میں یہاں سے نکل جانے کے بعد دم لوں گی۔"
"نہیں، سلاطیس کی پرورش کنندہ، میں اس لڑکے سے گفتگو کرنا بہتر سمجھتا ہوں، کچھ وقت اس کے ساتھ گزار کر میں خوشی محسوس کروں گا۔ آؤ لیپاس وہ گھنا درخت

بہت اچھا لگ رہا ہے مجھے وہاں بیٹھیں گے؟

"سلاطیس تو میرے حکم سے انحراف کرے گا؟" سلاطیس کی ماں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اور سلاطیس مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تیری یادداشت بہت خراب ہے ماں، تو بھول جاتی ہے کہ کاہنوں نے میرے بارے میں کیا پیش گوئی کی ہے کیا تو بھول گئی ماں کہ وہ سب ایک ہی بات کہتے تھے حکم سلاطیس کا باقی کچھ نہیں۔"

اس بات پر عورت نے گھور کر اس لڑکے کو دیکھا اور پھر دانت کچکچاتی ہوئی اس کھیت کی طرف بڑھ گئی جو چند گز کے فاصلے پر تھا۔ اور ہم دونوں اس چوڑے درخت کے پاس آگئے جو بہت گھنا اور پھیلا ہوا تھا۔

"میں درخت کی اس شاخ پر بیٹھوں گا اور تو میرے سامنے۔ کیونکہ میں برتر ہوں۔"

"ٹھیک ہے سلاطیس، مجھے اپنی برتری کی کہانی سناؤ۔" میں اسے اونچی جگہ بٹھا کر خود نیچے بیٹھ گیا۔ میری اس دوستی سے اسے خوشی ہوئی تھی اور وہ کچھ اور مطمئن نظر آنے لگا۔

"ہوا یوں کہ جب میں پیدا ہوا تو چاند آدھا چھپ گیا تھا۔ اور کاہنوں نے کہا کہ چاند خوف کا شکار ہو گیا ہے اور اس خوف کا نام سلاطیس ہے۔ سو انہوں نے یہ بھی کہا کہ بیشک یاسماز تباہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کے بعد جو تباہی نازل ہوگی اس کا محرک سلاطیس ہوگا۔"

"انہوں نے کہا کہ میرے لئے بہتر رہے گا کہ مجھے خون کا غسل دیا جائے۔ یہ پیش گوئی میرے باپ کے سامنے کی گئی تھی۔ تب میرے باپ کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی اور یوں کیا اس نے کہ قید خانے میں جو قیدی تھے ان میں سے تندرست و توانا قیدیوں کو بلایا اور ان کے حلقوم پر چھری پھیر کر ان کے گاڑھے سرخ خون میں مجھے ڈبو دیا۔ یہ میرا پہلا غسل خونی تھا۔ اس کے بعد کاہنوں نے میرے باپ کو میری پرورش کے بارے میں ہدایات دیں اور میری پرورش حکمرانوں کی مانند ہونے لگی۔"

"یاسماز تباہ ہو گیا ہے۔ میرا باپ بھی شاید موت کا شکار ہو گیا ہے لیکن۔ میں زندہ ہوں کہ مجھے حکمرانی کرنی ہے۔ بس یہ مختصر کہانی ہے میری۔ اور اب میں چلتا ہوں، کیونکہ میری ماں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

لڑکا درخت کے نیچے آگیا اور اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر وہ اپنی ماں کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن اس کی کہانی مجھے ذہن نشین ہو گئی تھی اور اس کا نام بھی۔ وہ خاموش ہو گیا۔

اس کی آنکھوں میں ماضی چمک رہا تھا۔ جیسے وہ صدیوں پرانے یونان کو آج بھی اسی مانند دیکھ رہا ہو۔ انوکھی کہانی تھی یہ اور انوکھا تھا اس کے بیان کا انداز۔

فرخندہ اس کہانی سے اس نوجوان سے بہت متاثر نظر آ رہی تھی۔

اور صوفیہ خاتون۔ ان کی نوجوان آنکھوں میں سمٹی ہوئی تھی۔ کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس طرف متوجہ نہ ہو۔

وہ خاموش رہا۔ جیسے خیالات مجتمع کر رہا ہو۔ تب خاتون صوفیہ نے کہا۔

"تم کسی شے کی حاجت تو نہیں محسوس کر رہے؟"

"آہ۔ تم لوگوں کے درمیان میں بہت خوش ہوں۔ ابتدا ہی سے تحقیق میری دلچسپی رہی ہے۔ میں نے ہمیشہ جاننا چاہا ہے لیکن ایک نئی دنیا میرے تصورات سے ہمیشہ باہر رہی ہے۔ میں اس دنیا میں بہت خوش ہوں۔"

"تمہاری پسندیدہ خوراک کیا ہے؟"

"میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔"

"کیا تم تھکن محسوس کر رہے ہو؟"

"نہیں، میں سکون سے ہوں۔"

"تم نے ہوش میں آنے کے بعد اپنے بھالے سے کسی کو ہلاک کیا۔"

"ہوش میں آنے کے بعد۔"؟

"ہاں۔"

"شاید۔ مجھے خیال نہیں۔"

"یاد کرو۔ اسے جو پہلی بار تمہارے سامنے آیا تھا۔"

"ہاں۔ مجھے یاد آگیا۔ آہ واقعی۔ میں نے ایسا کیا تھا میں خوفزدہ تھا۔ میں سو گیا تھا۔ جب میں جاگا تو مجھے اندازہ ہوا کہ۔ کہ میں خوف کی وادی میں ہوں اور میرا دشمن میرے سامنے ہے۔ ہاں میں نے اس کے سینے میں بھالا مار کر اسے ہلاک کر دیا تھا۔"

"حالانکہ وہ تمہارا دشمن نہ تھا۔"

"آہ کیا وہ تمہارا دوست تھا۔"

"ہاں، ایک اچھا انسان جو تمہیں زندگی دینا چاہتا تھا۔"

"تب تو مجھے اس کا افسوس ہے۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

فرخندہ کے چہرے پر غم واندوہ کے آثار نمودار ہوگئے تھے۔ اس نے گردن جھٹک کر کہا۔

"اب یہ ذکر بیہودہ ہے۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"جو کچھ ہوا نادانستگی میں ہوا اس پر افسوس کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔" خاتون صوفیہ نے کہا۔

"تمہیں اپنی کہانی یاد آئی؟"

"اپنی کہانی کون بھولتا ہے۔ اور پھر ایسی کہانی جس کا ہر باب بیشمار داستانیں رکھتا ہو میرا باپ مرقوس۔ ابتدا ہی سے میری ماں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ ہر چند کہ ہمارے ہاں تنگدستی نہ تھی۔ لیکن میرا تندخو باپ میری ماں سے خوش نہ تھا۔ اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا تھا۔ میری چھوٹی بہن علایہ بہت دُبلی اور کمزور تھی۔ وہ نازک مزاج بھی تھی۔ اس لئے میری ماں اس کا خاص خیال رکھتی تھی، لیکن میرے باپ کو یہ بات پسند نہ تھی۔

اس واقعے کے کافی دن بعد کی بات ہے کہ میرا باپ کہیں سے واپس آیا اور اس نے میری ماں سے کھانا مانگا لیکن اس وقت جب میری ماں کھانا لینے گئی علایہ رونے لگی اور میری ماں اسے خاموش کرنے لگی۔

یہ بات میرے باپ کو ناگوار گزری اور وہ غصّے سے آگ بگولہ ہوگیا۔ اسی غصّے کے عالم میں اس نے میری ماں کو مارا اور ایک زوردار دھکّا دے کر بولا۔

"پہلے تجھے میرے لئے کھانا لانا چاہیئے تھا نہ کہ تو اپنی اولاد کی نازبرداری کرنے لگی۔"

لیکن دھکّا دینے سے میری ماں ایک پتھر پر گری اور اس کی پیشانی شدید زخمی ہوگئی۔

میرا باپ کھانا کھائے بغیر چلا گیا۔ لیکن خون زیادہ بہہ جانے سے میری ماں نڈھال ہوگئی تھی۔ اور اس کے بعد اس کا زخم ٹھیک نہ ہوسکا۔ اور پھر وہ مر گئی۔ اس کی موت پر میں اور علایہ خوب روئے تھے۔ اور چند روز میرے باپ نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ لیکن اس کے بعد اس کی خرمستیاں دوبارہ جاری ہوگئیں۔ چند روز کے بعد ایک اور عورت ہماری ماں کی حیثیت سے آگئی۔ لیکن اس عورت کا سلوک باپ سے بھی خراب تھا ہمارے لئے اور میں علایہ اس کے ہاتھوں پٹنے لگے۔

لیکن میں چھوٹا تھا۔ مجھے علایہ سے بہت محبت تھی۔ میں خود تو تکلیف برداشت کرسکتا تھا لیکن علایہ کی تکلیف میرے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اور میں اس کی وجہ سے پریشان رہنے لگا تھا۔

تو پھر ہوا یوں کہ ایک شام جب میرا باپ شراب کے نشے میں مدہوش ہوکر جب میرے گھر میں داخل ہوا، تو میری ماں سے اس کا جھگڑا ہونے لگا۔ وہ ماں جو میری اپنی نہ تھی اور میرے باپ کی نئی دریافت تھی۔ میرے باپ نے اب اس کے ساتھ بھی مارپیٹ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور وہ عورت اب پریشان رہتی تھی۔

لیکن یوں ہوتا کہ جب میرا باپ اس سے تعرض کرتا اور ان دونوں کے درمیان جھگڑا شروع ہوجاتا تو وہ یہ کینہ اپنے دل میں رکھ لیتی، اور دوسرے دن جب ہمارا باپ ہمارے گھر میں نہ ہوتا تو ہم بہن بھائیوں پر اس کا غصّہ اتارتی۔

سو اس وقت بھی یہی ہوا۔ اس کا جھگڑا میرے باپ سے ہوا لیکن اس نے کسی بات پر علایہ کو پیٹ ڈالا۔ میرا باپ جو نشے میں اوندھا پڑا ہوا تھا یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اس کے بچّوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔

اور ہوا یوں کہ علایہ کی پیشانی کی کھال بھی پھٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا، مجھے یاد آیا کہ میرے باپ نے جب ایک بار میری ماں کو مارا تھا تو میری ماں بھی اس حادثہ سے جانبر نہ ہوسکی تھی۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی اور میں نے سوچا کہ شاید اب علایہ بھی میرے پاس نہ رہے۔ کیونکہ وہ زخمی ہوچکی ہے اور اسی طیش کے عالم میں، میں نے ایک وزنی

پتھر اُٹھا کر اپنے باپ کی بیوی کے سر پر دے مارا۔
میری ماں کے حلق سے ایک دلخراش چیخ بلند ہوئی تھی۔ تب میں نے سوچا کہ اب میرا باپ ہوش میں آئے گا تو یہ دونوں مل کر ہم بہن بھائیوں کو قتل کر دیں گے اس لئے بہتر یہ ہے کہ میں علایہ کو لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔
یہ خوف میرے دل میں اس طرح جاگزیں ہوا کہ میں نے اپنی ننھی سی بہن کو ساتھ لیا اور گھر سے باہر نکل آیا۔ اس ٹیلے سے اُتر کر میں نے بڑھیاں طے کیں اور پھر پاؤں کی سمت چل پڑا۔ میں اپنی بستی سے دُور جا کر کسی جگہ چھپ جانا چاہتا تھا۔ جہاں میری بدطینت ماں اور میرا باپ مجھے تلاش نہ کر سکے۔ اور ایسی جگہ کی تلاش میں، میں اپنے قبیلے سے نجانے کتنی دور نکل آیا۔
تاحدِ نگاہ پہاڑی ٹیلے پھیلے ہوئے اور گھنے جنگلات نظر آ رہے تھے۔ جن میں یقیناً وہ جانور بھی چھپے ہوں گے جو انسانی خون اور گوشت کے پیاسے ہوتے ہیں۔ اور جہاں بھی کسی انسان کو تنہا پاتے ہیں ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات میرے علم میں آ چکے تھے، بیشمار افراد جنگلی جانوروں کا شکار ہو کر واپس قبیلے میں پہنچے تھے اور میں نے دیکھا تھا کہ ان کی انتڑیاں باہر نکلی ہوئی ہیں۔ ان کے بدن سے جگہ جگہ سے گوشت نُچا ہوا ہے۔
چنانچہ میں اور علایہ بُری طرح خوفزدہ ہو گئے۔ ہمارے چاروں طرف گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا اور رات کی تاریکیاں جھکتی آ رہی تھیں۔ علایہ سہم کر مجھ سے لپٹ گئی اور اُس نے اپنے معصوم لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔
"اب کیا ہوگا میرے بھائی، ہم۔۔۔ ہم کہاں جائیں گے۔ ہم کہاں جائیں گے؟"
"تم فکر نہ کرو میری بہن، یہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں ہے۔ کہیں نہ کہیں چلے جائیں گے۔" میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
سو میری نگاہ ایک اُونچے درخت کی جانب اُٹھ گئی جس کی شاخیں ایسی گھنی اور آپس میں جمٹی ہوئی تھیں کہ اگر ہم اُن تک پہنچ جاتے تو ہمارے نیچے گرنے کا احتمال نہیں رہتا۔ خواہ ہم سو ہی کیوں نہ جاتے۔ اور جنگلی درندوں سے بچنے کا یہ بہت طریقہ نجانے کہاں سے میرے ذہن میں آ گیا۔ سو میں نے یوں کیا کہ پہلے کوشش کر کے علایہ کو درخت کی ایک اُونچی جگہ پر پہنچایا اور اس کے بعد خود بھی اُوپر پہنچ گیا۔ یہاں سے کچھ اور اُوپر، پھر کچھ اور اُوپر یہاں تک کہ ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں درخت کی شاخیں ایک دوسرے سے اُلجھی ہوئی تھیں۔ اور رسیوں کی طرح ایک دوسرے سے پھنسی ہوئی تھیں، گویا ہم اگر اس چوڑے تختے پر بیٹھ جاتے تو نیچے گرنے کا احتمال نہ رہتا۔ تاہم میں نے یوں کیا کہ اس چوڑے تختے پر علایہ کو بٹھا کر درخت کی چند ایسی شاخیں آپس میں اُلجھا دیں جو نہایت نرم اور لچکدار تھیں، اس طرح ہم گرنے سے محفوظ ہو گئے اور گویا اب اگر ہم سو بھی جاتے تو کوئی حرج نہیں تھا۔
میں نے یہ بھی سوچا کہ علایہ بھوکی ہوگی لیکن یہ درخت صرف پتوں والا تھا۔ اس میں کوئی پھل نہیں تھا اور رات کے اس پہر ہم کسی پھل کو تلاش بھی نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ مجبوری تھی۔
میں صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن ابھی مکمل طور پر صبح نہیں ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا کوئی جنگلی جانور آہستہ آہستہ ہمارے درخت کے نزدیک آ رہا ہے اور پھر وہ درخت کی جڑ کے پاس پہنچ کر رُک گیا۔
میں نے سانس روک لی تھی۔ رات کی تاریکی میں یہ جنگلی جانور نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اُس کے کھروں کی سرسراہٹ صاف سُنائی دے رہی تھی۔
وہ غالباً درخت کے تنے سے پُشت رگڑ رہا تھا دفعتاً میں نے ایک بڑبڑاہٹ سُنی، کوئی کہہ رہا تھا۔
"آہ، کس قدر اندھیرا ہے، کس قدر اندھیرا ہے۔ لیکن یہ اندھیرے کتنی بہت سی روشنیوں کو جنم دیتے ہیں۔ اور میرا فن بتاتا ہے کہ میں بھی ایک روشنی کا حامل بننے والا ہوں۔"
انسانی آواز میرے لئے بہت ہی دلکش تھی۔ کسی انسان کی موجودگی میرے لئے بڑی تقویت کا باعث تھی۔ اور اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ درخت کے تنے سے پُشت رگڑنے والا کوئی درندہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اُوپر سے اُسے بڑے سہمے ہوئے انداز میں آواز دی۔ اور وہ شخص چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔
"کون ہو تم۔؟"
"میں لیباس ہوں۔"
"لیباس۔"
"ہاں مرقوس کا بیٹا لیباس۔"
"درخت پر کیا کر رہے ہو؟"

"بس درندوں کے خوف سے یہاں آچھپا ہوں۔"
میں نے جواب دیا۔

"ارے کیا عمر ہے تمہاری۔"؟

"میں نہیں جانتا۔"

"اچھا ٹھہرو، میں وہیں آکر دیکھتا ہوں۔" اُس شخص نے جواب دیا۔ اور پھر وہ آہستہ آہستہ درخت کی شاخوں پر چڑھتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔

"تو تم لیپاس ہو"؟ اُس نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں لیپاس ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اور محسوس کیا جیسے اُس کی آنکھیں تاریکی میں دیکھ رہی ہوں، حالانکہ میں اُس کی شکل بخوبی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"اور یہ جو تمہارے نزدیک سو رہی ہے یہ کون ہے"؟

"میری بہن علایہ۔"

"تم دونوں یہاں چھپے ہوئے کیا کر رہے ہو"؟

"بس میں گھر سے بھاگ آیا ہوں۔"

"اوہو۔ لیکن کیوں۔؟ اچھا اچھا ٹھہرو میں ستاروں سے تمہارے میں پوچھتا ہوں اور ستارے کبھی جھوٹ نہیں کہتے۔" اُس نے درختوں کی شاخیں اُٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا اور پھر آسمان کو گھورنے لگا۔

مجھے بہت سے ستارہ شناسوں کے بارے میں معلوم تھا۔ ستارہ شناسی کا فن عموماً کاھنوں کے پاس ہوتا تھا اور کاہن بھی اس فن پر عبور رکھتے تھے۔ وہ لوسس اعظم کو بتاتے تھے۔ کہ ستارے کیا کہہ رہے ہیں۔ زمانے کی چال کیا ہے اور کیا کیا ہونے والا ہے، اس کا مقصد ہے کہ یہ شخص بھی ستارہ شناس یعنی کاہن ہے۔ میں نے اس سے بھی یہی سوال کر ڈالا، مگر وہ ستارہ شناسی کی دُھن میں مگن تھا۔ اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بدستور آسمان کی جانب دیکھتا رہا، تب میں خاموش ہو کر اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد اُس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"گھر سے بھاگے ہوئے ہو، ماں باپ کے مظالم کا شکار، کیوں یہی بات ہے نا۔"

"ہاں"۔ میں نے تعجب سے کہا۔

"ستارہ شناسوں کے بارے میں، میں نے صرف سُنا تھا، ایک بھی ستارہ شناس سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی، گویا میں نہیں جانتا تھا کہ آسمان پر چمکنے والے سفید دھبوں کو دیکھ کر انسانی تقدیر کا حال کس طرح معلوم کیا جاتا ہے۔ اور اس شخص کی بات مجھے بڑی انوکھی معلوم ہوئی تھی۔

"آپ کا خیال دُرست ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"تو پھر اب کیا کرو گے؟"

"میں نہیں جانتا، بس اتنا مجھے معلوم ہے کہ جب میری ماں ہوش میں آئے گی اور جب میرا باپ جاگے گا تو وہ دونوں مجھے تلاش کریں گے۔ اور پھر وہ مجھے اتنا ماریں گے کہ میری ہڈیاں کڑکڑا اُٹھیں گی۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اور علایہ اُن کے تشدد کا شکار ہوں۔"

"لیپاس نام بتایا تم نے؟"

"ہاں۔"

"تو کیا لیپاس تم میرے ساتھ قیام کرنا پسند کرو گے۔"

"تمہارے ساتھ؟"

"ہاں میرے ساتھ، یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کی کھو میں میری قیامگاہ ہے میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔ یقین کرو، وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی، رات گزارنے کے بعد ہم سب صبح کو سفر کریں گے، گو بہت طویل فاصلہ نہیں ہے لیکن یوں ہوگا کہ وہاں تم آرام و سکون سے زندگی بسر کر سکتے ہو۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں آپ کی اس محبت اور عنایت کا بہت شکر گزار ہوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

پھر میں نے اُس سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے"؟

"میرا نام فرالموس ہے۔"

گو میں اُس کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا لیکن میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ میرے باپ ہی کی عمر کا کوئی شخص ہو سکتا ہے اور جب صبح کی روشنی پھوٹی تو علایہ جاگ گئی۔ اُس نے درخت پر رات گزاری تھی۔

اُٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلے مجھ سے یہ کہا۔

"میں بھوکی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں میری بہن، لیکن میں کیا کروں ابھی نیچے اُتر کر تیرے لیے کوئی بندوبست کروں گا۔" میں نے کہا۔

لیکن اُسی وقت بوڑھے فرالموس نے آنکھیں کھول کر اُسے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، تب اُس نے اپنی جھولی میں ہاتھ ڈال کر کھانے کی کوئی چیز نکالی اور علایہ کی جانب بڑھا دی۔

یہ ایک پھل تھا۔ جو خاصا بڑا اور رسیلا تھا، میرے منہ میں پانی آگیا۔ کیونکہ میں بھی بھوکا تھا لیکن اُس نے ایک ہی

پھل دیا تھا چنانچہ میں نے خود کو قابو میں رکھا کیونکہ علابہ کا پیٹ بھرنا میرے لئے بہت ضروری تھا۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس نے دوسرا پھل نکال کر مجھے دیا۔

"تو تم بھی کھالو۔ یہ پھل کھا کر تمہارے پیٹ بھر جائیں گے اور جب تم میری قیامگاہ میں پہنچو گے تو میں تمہارے لئے بہتر خوراک کا بندوبست کردوں گا۔"

"یہ کون ہیں لیپاس ؟" علابہ نے پوچھا۔

"ہمارے مہربان، ہمارے راہنما۔" میں نے جواب دیا۔

اور بوڑھا فرالموس مسکرانے لگا۔ اس کے گال پچکے ہوئے تھے، چہرہ عجیب جلا جلا سا محسوس ہوتا تھا، بدن بھی ڈھیلا ڈھالا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں بے پناہ قوت تھی۔ وہ ستارہ شناس تھا۔ میں نے اس سے درخت سے اُترتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم کاہن ہو ؟"

"کاہن ؟" فرالموس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ بولا۔

"نہیں لیپاس میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ میں ان نقلی کاہنوں میں سے نہیں ہوں جو خواہ مخواہ کی پیش گوئیاں کرتے ہیں۔"

"کیا مطلب ؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ابھی تم ان باتوں کا مطلب نہیں سمجھ سکو گے۔ مختصر یہ کہ جو دیوتاؤں کے ہم نشیں ہوتے ہیں وہ عیاں نہیں ہوتے اور خاموشی سے ان کی باتوں پر عمل کرتے رہتے ہیں لیکن جو خواہاں ہوتے ہیں نام و نمود کے وہ دھوکے بازی کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ وہ علوم سیکھ لیتے ہیں لیکن ان سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود کو برتر ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔"

"مگر تم تو ستارہ شناس ہو۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟"

"پھر تم کاہن کیوں نہیں ؟"

"اس کی وجہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

میری سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی، لیکن میں نے سوچا خاموش رہنا چاہیئے۔ مبادا وہ ناراض ہوجائے۔ اور اگر وہ ناراض ہوگیا تو اس جنگل میں کوئی اور جائے پناہ بھی نہ ملے گی۔

ہم درخت سے اُتر گئے۔ اور وہ ہمیں لے کر چل پڑا۔

فرالموس کی یہ قیامگاہ بھی خوب تھی۔ تاحدِ نگاہ بلند و بالا پہاڑ پھیلے ہوئے تھے جن کے ڈھلان پر جنگل تھے۔ اور ان جنگلوں میں خوبصورت جانور دوڑتے پھرتے تھے۔

فرالموس کی قیامگاہ ایک بڑے سے غار میں تھی جو اندر سے خوب کشادہ اور ہوادار تھا۔ لیکن اس کے ایک حصے میں بڑی بڑی عجیب چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ انسانی ہڈیاں اور جانوروں کے ڈھانچے اور نہ جانے کیا کیا الابلا۔ اسی سامان میں ستارہ شناسی سے متعلق کچھ چیزیں بھی تھیں۔

بوڑھے فرالموس نے ہمیں اپنی اس قیامگاہ میں خوش آمدید کہا۔ اور پھر ہمیں دودھ اور دوسری چیزیں کھانے کو دیں پھر جب ہم شکم سیر ہوگئے تو اس نے کہا۔

"لیپاس تم عمر کی اس منزل میں ہو جہاں سے انسان کو مستقبل کی ابتدا کر دینی چاہیئے۔ ممکن ہے تمہیں ایسا ماحول نہ ملا ہو جو مستقبل کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مستقبل سب سے اہم شے ہوتی ہے اور مستقبل کبھی مستقبل میں حاصل نہیں ہوتا۔ حال کی جدوجہد مستقبل کے دروازے کھولتی ہے۔"

میں اس کی باتیں غور سے سنتا رہا گو یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ البتہ میں گردن ہلاتا رہا۔

"تم نہیں سمجھ پاتے ؟" اس نے شائد میری بے لبسی کو محسوس کرلیا تھا۔

"ہاں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

"تو یوں سمجھو کہ بڑے ہو کر تم کیا کرو گے ؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔ دیوی دیوتا ان لوگوں کو کبھی پسند نہیں کرتے جو خود کچھ بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ صرف ان کی مدد کرتے ہیں جو خود بھی اپنی مدد کرنا جانتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"جس کے ہاتھ میں بھالا ہو وہ سب کو قتل نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی نہ کوئی اسے بھی قتل کر دیتا ہے۔"

"ہاں یہ بھی درست ہے۔"

"ہاتھ میں بھالا بدن میں طاقت اور دماغ میں عقل ضروری ہے۔"

"بیشک۔"

"میں چاہتا ہوں تم عقل کی جنگ سیکھو اور ان جھوٹے کاہنوں کے چہروں پر کالک لگا دو کیا خیال ہے۔"

"عقل کی جنگ میں کہاں سے سیکھوں گا ؟"

"میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"تو میں تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

اور بوڑھا فرالموس مسکرانے لگا۔ اس دن کے بعد سے اس نے میری تربیت شروع کر دی۔ انسانی ہڈیاں پانسے اور نہ جانے کن الابلاؤں سے اس نے مجھے علوم سکھانے شروع کر دیے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مجھے فنونِ جنگ کی تربیت بھی دیتا تھا۔ اور انوکھی شخصیت تھی فرالموس کی۔

پراسرار علوم سکھاتے ہوئے وہ ایک مشفق اُستاد ہوتا تھا اور جنگ کی تربیت دیتے ہوئے بہترین سپہ سالار۔

علابہ میرے ساتھ ہی بڑی ہو رہی تھی۔

جنگل کے کھلے ماحول اور تازہ پھلوں کی غذا نے ہمیں جسمانی طور پر بھی بہت طاقتور بنا دیا تھا۔ اور پھر فنونِ جنگ میں بھی بقول فرالموس کے میں نے خوب مہارت حاصل کر لی تھی۔ علابہ مجھے بےحد چاہتی تھی اور ہم دونوں ایک دوسرے کا سہارا بنے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے یوں چمٹی ہوئی تھی جیسے میدان میں تنہا کھڑے ہوئے درخت سے کوئی بیل۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے رہے میں اب جوان ہو گیا تھا۔

علابہ کے بدن کی لطافتیں بھی اس کی جوانی کا اعلان کر رہی تھیں۔ لیکن اس ویران علاقے میں ہم تین افراد کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ ابھی تو مجھے فکر نہیں تھی لیکن بارہا میں علابہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اس ویرانے میں اس کا کیا بنے گا!

تب ایک رات میں ستاروں کی چھاؤں میں بیٹھ کر غور کر رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ تو مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے ستاروں کی چال دیکھوں۔ میں نے آسمان میں ستارے تلاش کیے۔ اور بالآخر وہ مجھے مل گئے۔ میں نے جو کچھ دیکھا اس نے مجھے حیران کر دیا تھا۔

ایک انوکھی کہانی میرے علم میں آئی تھی جو مکمل نہ تھی۔ ستارے کبھی پوری کہانی نہیں سناتے، ہاں وہ نشاندہی کر دیتے ہیں آنے والے وقت کی۔ اور ایسی ہی نشاندہی کی گئی تھی۔ لیکن یہ صورتِ حال انوکھی تھی۔ میرا علم مجھے یہی بتاتا تھا لیکن دل اسے تسلیم نہیں کرتا تھا۔

تب دوسری صبح میں نے فرالموس کے سامنے حاضری دی بوڑھا عالم داں مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ "ہاں۔ ستارے جو کچھ کہتے ہیں جھوٹ نہیں ہوتا،" اس نے کہا۔

"تو تمہیں سب کچھ معلوم ہے؟"

"بہت پہلے سے معلوم تھا۔"

"لیکن اس سے آگے کی بات؟"

"ستارے تفصیل میں نہیں جاتے۔ جو کچھ تمہیں معلوم ہوا ہے اس پر قناعت کرو،" وقت تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

"مجھے اس پر حیرت ہے۔"

"دنیا حیرتوں کا گھر ہے آنے والا وقت نہ جانے کون کونسی کہانیاں سنائے گا، لیکن تم وہی کرو جو ستارے کہتے ہیں۔"

میں خاموش ہو گیا۔ لیکن علایہ کو میں نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اسی رات کی صبح علایہ نے مجھے فرالموس کی موت کی اطلاع دی تھی" وہ غار کے آخری سرے پر زندگی سے محروم پڑا ہوا ہے۔"

"یہ ہونا تھا علایہ۔"

"کیا مطلب؟" علایہ تعجب سے بولی۔

"ستارے اس کی پیش گوئی کر چکے تھے۔"

"تو تمہیں معلوم تھا۔"

"ہاں۔ اور فرالموس کو بھی۔"

"تو پھر اب۔ ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

"فرالموس کی لاش کو پتوں میں چھپا کر ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔ اور پھر ہمیں ایک بستی میں قیام کرنا ہو گا اس کے بعد تاریکی ہے۔"

"ستارے اس کے بعد کچھ نہیں کہتے؟"

"نہیں، کیونکہ وہ قبل از وقت ہو گا۔ سو یوں ہوا کہ ہم نے مل کر فرالموس کی لاش چھپانے کے لئے پتے فراہم کئے اور فرالموس کو ان میں لپیٹ کر اسی غار میں رکھ دیا۔ فرالموس کو قبل ہی اپنی موت کا علم تھا۔

اس کے بعد میں نے علایہ کو ساتھ لیا اور وہاں سے چل پڑا۔ میں نے کسی خاص سمت کا رخ نہیں کیا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ کسی بھی سمت رخ کر دوں مجھے ایک بستی ضرور ملے گی۔ سو یہ بستی مجھے مغرب کی سمت مل گئی۔ ہمیں سفر کرتے ہوئے ایک سورج اور ایک چاند گزر چکا تھا۔ پھر جب دوسرے سورج کی آمد ہوئی تو میں نے ایک معبد کے نشانات پائے۔"

وہ رک گیا۔ اس کی کہانی اس قدر دلچسپ تھی کہ کسی کو وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا جبکہ کافی دیر گزر گئی تھی۔ اس کے خاموش ہونے کے بعد فضا میں ایک سکوت سا پھیل گیا۔

ان کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ وہ سب خود کو اس بستی کے پاس محسوس کر رہے تھے۔ جس کے معبد کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ لیکن اس کے خاموش ہونے ہی جیسے وقت کی چلتی ہوئی فلم رک گئی تھی۔ انہوں نے بے چینی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

پھر فرخندہ نے کہا۔

"رک کیوں گئے لیپاس؟" اور وہ چونک پڑا۔ اس کے ساتھ ہی جیسے سب چونک پڑے۔

"آہ۔ رات ہو گئی ہے۔" خاتون صوفیہ نے کہا۔

"اوہ۔ احساس بھی نہ ہوا۔"

"احساس کیسے ہوتا۔ ہم سب قدیم یونان کے سحر میں گرفتار ہو گئے تھے۔ آہ وہ ساحر ہے۔ اس کے طلسم نے ہم سب کو اپنی آواز میں لپیٹ لیا ہے۔"

"لیکن یہ تو سوچو۔ ہم صدیوں پیچھے کے دور میں سیر کر رہے ہیں کیا کسی اور کو یہ حسین ماحول یہ انوکھا وقت مل سکا ہو گا؟"

"یوں کرو۔ کھانے پینے کا بندوبست کریں۔ لیپاس کو بھی کچھ کھانے پینے کو دیں۔ ہر چند کہ اس کی زندگی پُر اسرار اور ناقابل یقین ہے۔ لیکن صدیوں کے بعد وہ زندگی کی جانب لوٹا ہے۔ ایسے زندگی کی تمام ضروریات درکار ہیں ہمیں اس کی کہانی میں گم ہو کر یہ سب فراموش نہ کرنا چاہئے۔"

"ہاں بیشک۔ میں کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔" خاتون صوفیہ نے کہا۔

اور اس جگہ سے اٹھ گئیں۔

انہوں نے لیپاس سے کہا کہ وہ اپنے خیالات مجتمع کرے اس کے بعد اس کی کہانی دوبارہ سنی جائے گی۔" اور لیپاس نے ان سے تعاون کیا۔

کھانے کے بعد ان کی طبیعت بوجھل ہو گئی تھی۔ فرخندہ تھکی تھکی نظر آ رہی تھی۔ لیکن کہانی سننے کے لئے سب تیار تھے۔

تب خاتون صوفیہ نے پیشکش کی۔

"بہتر ہے کہ اب آرام کیا جائے۔ ورنہ ہم سب تھک جائیں گے۔ اس کی داستان اتنی دلچسپ ہے کہ اسے ایک لمحے کے لئے منقطع کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن یقیناً یہ داستان طویل ہو گی۔ اور ہم تفصیل سے اسے سنیں گے۔"

یوں آرام کی ٹھانی گئی۔ تنہا مسہری پر لیٹی ہوئی فرخندہ نے اس کے چوڑے چکلے بدن پر غور کیا۔ اس کی سیاہ آنکھوں کی گہرائی میں چھپی ہوئی انوکھی داستانوں کو محسوس کیا اور قدیم یونان کے اسرار میں کھو گئی۔ بند آنکھوں سے اس نے پُر اسرار کاہنوں کے معبد اور شہنشاہوں کے محل دیکھے ایک عجیب ماحول تھا۔

دوسری طرف اپنے بیڈ روم میں بیٹھی خاتون صوفیہ اپنی ڈائری میں اہم یادداشتیں درج کر رہی تھی۔ اس نے بیپاس کے لئے ایک سوال نامہ بھی تیار کیا تھا۔ اس دور کا لباس، طرزِ رہائش، مزاج، سیاست بہت سی ایسی چیزیں تھیں جن کے بارے میں سوالات کرکے اس سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا۔

دوسری صبح سب کے لئے بہت دلخوش کن تھی۔ وہ سب تیار ہوکر اس کے پاس پہنچ گئے۔

بیپاس پہلے سے زیادہ خوشگوار موڈ میں تھا۔ اب وہ بہت زیادہ مختلف نظر نہیں آتا تھا۔

پروفیسر بارے کی اس عظیم ایجاد نے اُسے یہ آسانیاں بخش دیں۔ ورنہ وحشت کا دور دورہ رہتا اور کوئی کسی کو نہ سمجھ پاتا۔

"تم نے ہم لوگوں کے بارے میں ضرور سوچا ہوگا بیپاس"؟

"ہاں سوچتا رہا ہوں۔"

"اپنے خیالات بتاؤ گے"؟

"اگر تم لوگ عام انسان ہو تو بے حد عجیب اور بڑے دلکش ہو۔"

"تمہارے ذہن میں شبہات ہیں"؟

"نہیں ہمیں حیرت ہے۔"

"تم نے اپنی اس نئی زندگی کے بارے میں بھی سوچا ہوگا۔"

"نہیں۔"

"تمہیں یہ خیال ضرور آیا ہوگا کہ تم آئندہ زندگی کیسے گزارو گے"؟

"نہیں۔ میں نے نہیں سوچا۔"

"تمہارے دور میں کیسے لباس پہنے جاتے تھے"؟

"تم سے بہت مختلف۔"

"کیا اس وقت آتشیں ہتھیار تھے۔"

"آتشیں"؟ اس نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں، جن سے آگ نکلتی ہو۔"

"آہ مجھے ایسے ہتھیاروں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم"۔ اس نے تحیر آمیز دلچسپی سے کہا۔

"خیر تم فکر مت کرو۔ ہم تمہیں اس نئی دنیا سے اچھی طرح روشناس کرائیں گے۔ تمہیں اپنی کہانی یاد آگئی"؟

"ہاں۔ وہ مجھے ازبر ہے۔"

"تو پھر سے جاری کرو۔"

اس کی آنکھیں خوابناک ہوگئیں اور پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہم دونوں اس معبد کی طرف بڑھ گئے۔ اس وقت ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کونسی بستی ہے اور یہاں کس کی حکومت ہے۔ لیکن اتنا معلوم تھا کہ وسیع حکومت نوسس اعظم کی ہے۔ خواہ اس کے تحت کتنے ہی قبائل ہوں۔ ہم نے معبد کے دروازے پر بے شمار لوگوں کو دیکھا اور خود بھی عبادت کرنے والوں میں شامل ہوگئے۔ عبادت کے بعد معبد کے بڑے پجاری نے لوگوں سے ان کی مشکلات پوچھیں اور ان لوگوں میں سے ایک شخص آگے بڑھ آیا۔ قوی ہیکل اور توانا انسان تھا۔ اسے دیکھ کر بہت سے لوگوں نے جگہ چھوڑ دی تھی۔

یقیناً وہ اس بستی کا کوئی معزز اور قابلِ عزت شخص تھا۔ یوں بھی اس کا چہرہ پرجلال اور پرہیبت تھا اور جسامت میں بھی وہ کسی پہلوان کی مانند نظر آتا تھا۔

معبد کے پجاری نے اسے احترام کی نگاہوں سے دیکھا اور گویا اسے دوسرے لوگوں پر فوقیت دے کر کہا۔

"آہ۔ ازمار۔ بہادر ازمار تو کیسے آیا کیا مجھ سے کوئی کام ہے"؟

"ہاں مقدس بزرگ۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے میں اس بدنصیب چور کی تلاش میں ہوں جس نے ازمار کے گھر میں داخل ہوکر اس کی ناک کاٹنے کی کوشش کی ہے۔ ملال مجھے اس بات کا نہیں ہے معزز رہنما کہ وہ سونا چاندی اور ہیروں کے انبار لے گیا بلکہ افسوس اس بات کا ہے کہ اس میں کچھ امانتیں بھی تھیں جو مجھے ان کے مالکوں کو واپس کرنا تھیں اور اگر میں ان کے بدلے کچھ دوسری چیزیں انہیں واپس کردوں یا بدل کے طور پر انہیں مال و دولت دوں تو وہ سوچیں گے کہ شاید میرے دل میں بدی آگئی۔ بس میں چاہتا ہوں کہ مجھے چور کا نشان ملے اور میرا مال و اسباب مجھے واپس مل جائے۔"

سو جواب میں کہا معبد کے پجاری نے کہ ہائے افسوس۔ یہ کام اس کے بس میں نہیں ہے کیونکہ دیوتاؤں نے عام انسانوں کو یہ حیثیت نہیں بخشی اور جو نہ ظاہر ہو وہ

ظاہر ہوتا ہے انہیں پر کرامی میں ان کی عظمت پنہاں ہے سوائے ازمار انتظار کر اس وقت کا جب دیوتا تیرے مسئلے پر غور کریں اور اس کے بعد تیری رہنمائی کریں ۔ افسوس ۔ صد افسوس کہ میں تجھ جیسے جلیل القدر شخص کے کام نہ آسکا جو ہمیشہ دوسروں کے کام آتا ہے ۔"

" اس کا مقصد ہوا مقدس بزرگ، کہ میرا مال و دولت باآسانی اس شخص کی تحویل میں چلا جائے گا جس نے اسے میری رہائش گاہ سے حاصل کیا ہے اور جب دیوتا اس کی طرف متوجہ ہوں گے تو وہ زمین کے کسی ایسے گوشے میں پوشیدہ ہو چکا ہوگا جہاں سے اس کی تلاش ناممکن ہوگی ۔ یہ تو کچھ نہ ہوا ۔ یعنی تو رہنمائی کرتا ہے ہماری اور تمام دوسرے لوگوں کی، لیکن میں کیوں محروم رہوں گا اس بات سے کہ تو میری مدد کرے ۔"

معبد کا پجاری مسکرایا اور بولا ۔

" اگر یوں نہ ہو ازمار تو پھر دیوتاؤں کا تقدس کیسے برقرار رہے گا ۔ انہوں نے ہمیں کچھ قوتیں دی ہیں ۔ لیکن وہ یوں کہ وہ عام قوتیں ہم عام بھلائی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، ذرا سوچ وہ شخص جس نے تیرے مال و اسباب پر ہاتھ صاف کیا ہے، اگر تیرے ہاتھ لگ جائے تو، تو اس کی جان کے درپے نہیں ہو جائے گا، اس کے بعد اے ازمار اس کا ٹھکانہ اس آبادی اس قبیلے میں ہو سکے گا، اگر نہیں تو اس کا مقصد تو یہی ہوا کہ تیرے عتاب کا شکار ہو کر وہ دربدر ہو جائے گا، یا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا ۔ اور دیوتاؤں نے یہ قوت انسان کو نہیں دی کہ وہ دوسرے کی زندگی کا مالک بن جائے، سو میں مجبور ہوں اور میری دلی خواہش تھی کہ میں تیری مدد کرتا ۔ لیکن افسوس، صد افسوس میں اس سے قاصر ہوں ۔"

جس شخص کا نام ازمار لیا گیا تھا اس کے چہرے پر کبیدگی کے آثار پھیل گئے ۔ اور وہ گردن جھٹک کر کسی قدر طنزیہ انداز میں بولا ۔

" مگر میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں، یہ تو کچھ بہتر نہ ہوا، میں تو بڑی امیدیں لے کر تیرے پاس آیا تھا اس کا مقصد ہے کہ یہاں آنا فضول ہی رہا ۔ اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ میں اپنے آدمیوں کو مزید ہدایات جاری کرتا ۔ وہ قبیلے کی ناکہ بندی کر دیتے اور جس شخص پر ذرا بھی شبہ ہوتا اسے گرفتار کر کے میرے پاس آ جاتے تاہم میں اس سلسلے میں تم سے کچھ اور نہیں کہوں گا مقدس بزرگ کیونکہ میں تمہارا احترام کرتا ہوں تمہاری عزت کرتا ہوں ۔"

وہ واپسی کے لئے مڑ گیا دوسرے تمام لوگ دور تک اسے دیکھتے رہے تھے اور چونکہ میں اور علایہ بھی ان عبادت کرنے والوں میں شامل تھے ۔ اس لئے ہم نے ان کی باتیں سن لی تھیں اور میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا تھا ۔

کیوں نہ کسی کی دوستی حاصل کرنے کے لئے کچھ کیا جائے سو میں نے علایہ کا بازو پکڑا اور اس شخص کے پیچھے پیچھے چل پڑا ۔

معبد کے پجاری کے اردگرد ابھی تک تمام لوگ جمع تھے ۔ ابھی تو انہیں اپنے مسائل بھی پجاری کو بتانے تھے، سو ہمارا کسی نے تعاقب نہ کیا اور میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس شخص کے قریب پہنچ گیا ۔ جو اب گھنی جھاڑیوں کے نزدیک سے گزر رہا تھا ۔ میں نے اسے آواز دی ۔

" رک جاؤ ازمار رک جاؤ ۔" اور وہ چونک کر رک گیا ۔ اس نے اجنبی نگاہوں سے پہلے مجھے اور پھر علایہ کو دیکھا اور اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے ۔

" کیا بات ہے ؟ کون ہو تم ۔ یوں لگتا ہے جیسے اس سے قبل میں نے تمہیں کبھی نہ دیکھا ہو اور شاید یہ حقیقت ہے کہ تمہارا تعلق اس بستی اور اس قبیلے سے نہیں ہے ۔" اس نے گہری نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا ۔

" تیرا خیال درست ہے ازمار، بیشک ہم دونوں اجنبی ہیں اس سرزمین پر اور پناہ کی تلاش میں آئے ہیں تمہارے پاس ۔ لیکن ضروری ہوتا ہے کہ کسی شخص کی محبت اور پناہ حاصل کرنے کے لئے پہلے اس کے کام آیا جائے، ابھی تم مقدس پجاری کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کر رہے تھے ۔ تب مجھے خیال آیا کیوں نہ میں تمہاری مدد کر کے تمہاری پریشانی کا حل تلاش کروں ۔"

" مدد کرو گے ۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا ۔

" ہاں ۔"

" تم میری کیا مدد کر سکتے ہو ۔" وہ کسی قدر حقارت بھرے انداز میں بولا ۔

"کوئی خاص نہیں۔ لیکن ابھی تم نے پجاری کے سامنے جس مال و دولت کا تذکرہ کیا۔ میں اسے تلاش کر کے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہوں۔ بھلا وہ کیسے۔"؟ اس بار اس شخص کے چہرے پر کسی قدر مسکراہٹ آگئی تھی۔

"مجھے اس کا موقع دے، مجھے کوئی جگہ فراہم کر، میں کوشش کروں گا کہ تجھے تیرا مال و اسباب واپس دلا سکوں۔"

"کتنے عرصے میں۔"؟ اس نے سوال کیا۔

"اس کا یقین تو مشکل ہے، ممکن ہے چند لمحات ہی صرف ہوں اس میں، لیکن اس کے لئے مجھے میری مطلوبہ جگہ درکار ہے۔" میں نے کہا۔

ازمار ہنس پڑا۔ اور شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"بڑا چالاک نظر آتا ہے تو۔ جیسا کہ تو نے کہا کہ تو اس اجنبی بستی میں نیا ہے اور ابھی آیا ہے، اور خواہش مند ہے یہاں قیام کا، سو تو نے سوچا ہو گا کہ مجھ سے بہتر اور کون شخص ہے جو تجھے رہائش اور پناہ دے سکتا ہے اور بیشک جو میری پناہ میں آجائے اسے کیا دشواری ہو سکتی ہے۔ خاص طور سے اس علاقے اور اس سرزمین میں، لیکن مجھے تیری یہ چالاکی پسند آئی۔ تو نے مجھے لالچ دیا، لیکن میں تیرے لالچ میں نہیں آیا۔ ہاں اگر تجھے جگہ کی ضرورت ہے تو میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔"

میں نے ازمار سے کچھ نہ کہا۔ جس چیز کا میں نے دعویٰ کیا تھا ابھی اس کے سلسلے میں، میں خود بھی متذبذب تھا، میں سوچ رہا تھا کہ کہیں یوں نہ ہو کہ میں اپنی کوشش میں ناکام رہوں۔ اور ازمار میرے دعوؤں کا مذاق اڑاتا پھرے۔

بظاہر وہ ایک رحمدل اور صحیح انسان نظر آتا تھا چنانچہ میں نے اس کی اس پیشکش سے فائدہ اٹھایا۔ تب ازمار مجھے لئے ہوئے ایک ایسے جھونپڑے کے پاس پہنچ گیا جس کے اطراف میں بے شمار جھونپڑے بنے ہوئے تھے، گو وہ اس سے کچھ فاصلے پر تھے۔

لیکن بہر صورت اس جھونپڑے کو آبادی میں ہی کہا جا سکتا تھا۔ جھونپڑے کے دروازے پر مونجھ کی رسیاں بندھی ہوئی تھیں، گویا وہ استعمال نہیں ہوتا تھا اور شاید طویل عرصے سے خالی پڑا ہوا تھا۔

"جس طرح تو چاہے اس جھونپڑے کو استعمال کر اس میں رہ، اس کی صفائی ستھرائی کرے، لیکن یہ تیرے ساتھ کون ہے، شاید تیری بیوی ہے۔"

"نہیں یہ میری بہن ملایہ ہے۔"

"تیرا نام کیا ہے۔"؟ اس نے پوچھا۔

"بیباس۔"

"ٹھیک ہے میں تجھ سے تفصیلات بعد میں معلوم کروں گا، اس وقت میں پریشان ہوں اور چاہتا ہوں کہ میرا مال و اسباب جلد سے جلد مل جائے۔ تو نہیں جانتا کہ وہ میرے لئے کس قدر قیمتی ہے۔" ازمار نے پریشانی سے کہا۔

"معزز ازمار۔ میں چاہتا ہوں کہ تو ایک بار پھر میری بات کو غور سے سن، تو نے مجھے جائے پناہ مہیا کر دی، میں تیرا شکر گزار ہوں۔ اور اس شکر گزاری کے طور پر میں

خود بھی تیرے کام آنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا تھا، غلط نہ تھا، میں کوشش کر سکتا ہوں اور ممکن ہے پتہ چل جائے اس بات کا کہ تیرا مال و اسباب کہاں ہے اور اسے چرانے والا کون ہے"؟

"کس طرح پتہ چلے گا"؟ ازمار نے اس بار سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"مجھے تھوڑی سی مہلت دے، بلکہ یہ بہتر ہوگا میرے پاس قیام کر، اس جھونپڑے کی صفائی وغیرہ کر لی جائے گی لیکن میں چاہتا ہوں کہ پہلے میں تیرا کام کر دوں"۔

"تو پھر اس کے لئے مجھ سے بار بار سوالات کیوں کر رہا ہے۔ مجھ سے کیا چاہتا ہے بتا۔" ازمار نے بیزاری کے سے انداز میں کہا۔

"ہاں، میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔

"بتا۔"

"صرف یہ کہ اس جھونپڑے میں تنہا تھوڑی دیر میرے ساتھ بیٹھ۔ کیونکہ میں ناواقف ہوں اس بستی کے اطراف سے۔ جو سوال میں تجھ سے کروں تو ان کا مجھے جواب دے۔"

"چلو یہ تماشہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ کیا لگتا ہے" ازمار نے جیسے خود سے کہا اور پھر جھونپڑے میں میرے سامنے آ بیٹھا۔

علایہ کو میں نے باہر انتظار کرنے کے لئے کہا تھا وہ جھونپڑے کے عقب میں ایک گھنے پیڑ کے نیچے جا بیٹھی۔ میں نے زمین پر لکیریں کھینچیں اور جو کچھ مجھے فراعوس نے سکھایا تھا اس کے تحت تو یہ نہایت آسان سا کام تھا، لکیریں میری راہنمائی کرنے لگیں۔

میں نے ستاروں کے نام ترتیب دیئے ازمار سے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں۔ وقت پوچھا اور تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد زمین پر زائچہ کھینچ لیا۔ ازمار میری حرکتوں کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ دیر تک میں اپنے کام میں مصروف رہا اور ستاروں نے میری جہاں تک رہنمائی کی، میں نے ازمار کو اس کے بارے میں بتا دیا۔

میں نے ازمار سے کہا۔

"اے ازمار وہ شخص تو ابھی تک تاریکی میں ہے جس نے تیرا مال و اسباب چرایا ہے، لیکن سن ایک ایسی جگہ، ایک ایسی چٹان جو کسی طور اژدہے کے سر سے مشابہ ہو، یعنی اس کی شکل یوں ہو کہ اس کا اگلا سرا آگے کو پھیلا ہو اور اس پر اُبھرے ہوئے پتھر یوں لگتے ہوں جیسے اژدہے کی اُبھری ہوئی آنکھیں اور درمیان میں ایک منہ محسوس ہوتا ہو۔ اور اس کے اطراف میں گھنی جھاڑیاں پھیلی ہوں، شاید یہ جنگل یا درخت بھی موجود ہوں۔ کیا ایسی کسی چٹان کا وجود قرب و جوار میں کہیں ہے"۔

"ہوں۔" ازمار مسکرا کر بولا۔

"گویا تم اس راستے سے آئے ہو"۔

"کیا مطلب، میں نہیں سمجھا۔" میں نے ازمار کو دیکھا۔

"ہاں ایسی ایک چٹان یہاں موجود ہے جو یقیناً تجھے اس بستی میں آتے ہوئے راستے میں نظر آئی ہوگی"۔

"خوب، گویا تو اُس چٹان کا پتہ جانتا ہے۔" میں نے ازمار کی بات پر مسکرا کر کہا۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں، وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"تو بس تیرا مال و اسباب اُسی چٹان کے نیچے دفن ہے۔ چاہے تو اپنے آدمیوں کو ساتھ لے جا، وہاں تجھے ایسے نشانات تلاش کرنے میں دقت نہیں ہوگی جن سے تجھے تیرے مال و اسباب کا نشان مل سکے، اگر دل چاہے تو میری بات پر تسلی کر لے، میں کوشش کروں گا کہ اُس شخص کا بھی پتہ چل جائے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے"۔

"کیا تیرا علم تجھے اُس شخص کا پتہ نہیں دیتا؟" ازمار نے پوچھا۔

"نہیں، کیونکہ وہ تاریکی میں ہے اور یقیناً وہ کوئی ایسی شخصیت ہے جو تاریک لبادہ اوڑھ سکتی ہے، چنانچہ میں ابھی اسے روشنی میں نہیں لا سکتا۔ لیکن آنے والا وقت اس سلسلے میں بھی میری مدد کرے گا، اگر تو پسند کرے تو وقت ضائع مت کر، یہاں سے جا اپنے آدمیوں کو ساتھ لے اور اپنا مال و اسباب تلاش کر لے"۔

"ہوں، لیکن یہ سوچ لے اے شخص، یعنی الیاس کہ اگر تم نے خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کرنے کی کوشش کی تو میں تیرا دوست نہ رہ سکوں گا، مجھے ان لوگوں سے سخت نفرت ہے جو اپنا مفاد حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو احمق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں بھی ہوا ہے کہ

میں نے تمہیں تمہاری پسند کے مطابق کچھ عرصے اس جگہ رہنے کے لیے اپنی یہ جگہ مستعار دے دی ہے، تم جب تک چاہو یہاں رہو، اور اگر اس بستی میں اپنا کوئی مقام بنا سکو تو بہتر ہے۔"

"اگر اس جگہ کی بجائے کسی دوسری جگہ رہنا چاہو تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، جس طرح دوسرے بہت سے لوگ رہتے ہیں اسی طرح تم بھی رہو گے۔ لیکن اگر یوں ہوا کہ تم نے اپنے مفاد کے حصول کے لیے الٹی سیدھی پیشگوئیاں کرنا شروع کر دیں تو نہ صرف میں بلکہ بستی کے دوسرے لوگ بھی تمہارے دوست نہ رہ سکیں گے۔" ازمار نے کہا۔

"میں تجھ سے مخلص ہوں ازمار، میری اس کوشش پر عمل کر کے تو دیکھ ممکن ہے دیوتا مجھے سرخرو کر دیں۔" میں نے کہا اور ازمار نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے وہ چٹان میری نگاہ ہے، میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں جاتا ہوں اور تیری ہدایات پر عمل کر کے دیکھ لیتا ہوں۔"

ازمار جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ تب میں نے علایہ کو آواز دی۔ علایہ نے دور جاتے ہوئے اس شخص کو دیکھ لیا تھا اور خود بھی میری طرف آ رہی تھی۔

"کیا رہا۔" ؟ اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں نے زائچہ بنا کر اس شخص کو اس کے مال و اسباب کی تفصیل تو بتائی ہے، اب دیکھو کیا رہتا ہے۔"

علایہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر وہ جھونپڑی کے اندر آئی اور بولی۔

"اگر ہم اسے صاف ستھرا کر لیں اور اس کے عقبی حصے میں ایک کھڑکی بنا لیں تو یقیناً یہ بہترین جگہ ثابت ہوگی اور پھر یوں بھی ہمیں تو قیام اور سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ درکار ہے تو تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا اس بستی کے لوگ ہمیں کوئی حیثیت دے سکیں گے۔"

"کوشش کریں گے علایہ کہ ہمیں کوئی نہ کوئی حیثیت حاصل ہو جائے اور ممکن بھی یہی ہے کہ اب ہم کوئی جائے پناہ حاصل کر کے اپنے مستقبل کا آغاز کریں، جتنا وقت گزر چکا ہے اس نے ہمیں جو کچھ دیا ہے وہ ہمارا سرمایۂ حیات ہے چنانچہ اس کی ابتداء اب ازمار سے ہوئی ہے، دیکھو تقدیر اب کیا رنگ دکھاتی ہے۔"

علایہ جھونپڑے کی صفائی کرنے لگی۔ جس کھڑکی کے لئے اس نے کہا تھا اسے جھونپڑی کی پشت میں بنانا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

لیکن میں نے علایہ سے کہا کہ جب تک ازمار ہمیں اس کی اجازت نہ دے۔ ہم اس کی اس ملکیت میں کوئی تحریف نہیں کر سکتے۔ اس بات کو علایہ نے بھی منظور کر لیا۔ تاہم اس نے اس جھونپڑی کو قابلِ رہائش بنا لیا۔ اور اس کے سامنے کے حصے کی بھی صفائی کرنے لگی۔ تاکہ تھوڑی سی کھلی آب و ہوا بھی میسر ہو جائے اور یہی ہوا۔

دوپہر کے بعد اس وقت جبکہ سورج ڈھلان پر تھا ہم لوگ اپنے لیے اس عمدہ رہائش گاہ کو تیار کر چکے تھے۔ اور انتظار اس بات کا تھا کہ بستی میں جا کر کچھ ایسا کام کیا جائے جس کے عوض ہمیں کچھ کھانے پینے کی اشیاء میسر آ سکیں، لیکن تقدیر نے ہمارا ساتھ دیا۔

سورج کا ڈھلان ابھی شروع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ازمار اپنے تین ساتھیوں سمیت ہمارے پاس آیا۔ اس کے ساتھ ایک گدھا بھی تھا جس پر خاصا سامان لدا ہوا تھا۔

ازمار جھونپڑی کے نزدیک آیا اور اس نے مجھے لیپاس کہہ کر آواز دی۔

میں باہر نکلا تو ازمار نے مسکرا کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے میں ٹھٹھک گیا۔

"میرے قریب آؤ لیپاس، جلدی آؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے مجھے سینے سے لگا لیا اور کہنے لگا۔

"تم۔ تم بلاشبہ صاحبِ علم ہو اور میں تمہارے علم کی بے پناہ قدر کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب ؟" میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

"مجھے میرا مال و اسباب اسی جگہ سے مل گیا ہے جس کی تم نے نشاندہی کی تھی۔ اور تم تو بڑے صاحبِ کمال ہو۔ میں بستی کے صاحبِ ثروت لوگوں سے تمہارا تذکرہ کروں گا یقیناً تمہیں اس بستی میں ایک نمایاں مقام مل جائے گا، اور سنو مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں نے تم پر توجہ نہیں دی تھی، کیونکہ میں رنجیدہ تھا، اپنے مال و اسباب کے لیے، لیکن اب میں تمہارے لیے وہ اشیاء لایا ہوں جن کی تمہیں ضرورت ہو سکتی ہے، انہیں اپنی اس جھونپڑی میں بار کر لو" (شندند)

وقت بھی تمہیں جس چیز کی بھی ضرورت ہو، میرے گھر کے دروازے تم لوگوں پر کھلے ہوئے ہیں، بے کم وکاست تم جانا اور اپنا مقصد بیان کر دینا، اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ گدھے پر لدا ہوا سامان اُتار اُتار کر میری جھونپڑی میں بار کرنے لگے۔

علایہ کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے اور میری آنکھوں میں بھی شکر گزاری کے جذبات تھے، تقدیر نے ہمارا ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا تھا۔ لہٰذا ہم اس وقت اپنے دیوتاؤں کے مشکور تھے جنہوں نے ہمیں اس حیثیت سے سر بلند کیا تھا۔

دیر تک ازماز مجھ سے باتیں کرتا رہا اور یہ ساری باتیں میری تعریف و توصیف پر مشتمل تھیں اور میں خوشی کے جذبات لئے فراعوس کے بارے میں سوچنے لگا جس نے مجھے یہ علم سکھایا تھا۔

ازمار تعریف و توصیف کے الفاظ کہہ کر چلا گیا تھا۔ اور جو سامان وہ لایا تھا اس میں وہ تمام اشیاء موجود تھیں جن سے ایک گھر کی ابتداء کی جا سکتی تھی۔

علایہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم اسے اپنی خوش بختی کی انتہا کہہ سکتے ہیں لیپاس کہ ہمیں پہلے ہی مرحلے پر دشوار کن مراحل سے نہیں گزرنا پڑا اور ہمارے لئے تمام آسانیاں فراہم ہو گئیں۔ میں ابھی کھانا تیار کرتی ہوں۔ تم چاہو تو اس بستی کے رہنے والوں کو دیکھ لو۔ ان سے شناسائی حاصل کرو، کیونکہ ہمیں ان کے درمیان رہنا ہے۔" میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

علایہ اس نئے گھر سے بہت خوش تھی۔ میں جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔

قرب و جوار میں بکھری ہوئی جھونپڑیوں میں بستی کے باشندے روزمرہ کی ضروریات میں مصروف تھے۔ ان میں سے بعض کی نگاہیں ہماری جھونپڑی کی طرف تھیں۔ شاید اس تصور کے ساتھ کہ نئے اور اجنبی پڑوسی کے بارے میں جان سکیں۔

علایہ کی خواہش تھی کہ میں ان لوگوں سے شناسائی حاصل کروں۔ لیکن میں زیادہ لوگوں سے ملاقات کا قائل نہیں تھا اور میرا خیال تھا کہ بہت کم لوگوں سے دوستی رکھ کر اپنی زندگی کا آغاز کروں۔ کیونکہ میں کسی کو اپنے بارے میں تفصیل بتانا نہیں چاہتا تھا اور لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ پہلے وہ شناسا کی ذات سے متعلق ہر بات جان لینے کے خواہاں ہوتے ہیں۔

"تاہم ایک معمر بوڑھے شخص نے مجھ تک رسائی حاصل کر لی۔ وہ نہایت تکریم سے مجھ سے ملا۔ اور کہنے لگا۔" یوں لگتا ہے جیسے تم کہیں دور سے آئے ہو اور معزز ازمار کے کوئی قریبی شناسا۔ ہم نے خود دیکھا کہ ازمار تمہارے پاس آیا تھا۔"

"آپ کا خیال درست ہے معزز بزرگ۔ آپ کون ہیں۔"

"میرا نام بونارا ہے، تمہارا پڑوسی ہوں اور کسان ہوں میرے تین بیٹے زمین سے ترکاریاں اُگاتے ہیں اور انہیں فروخت کر کے اپنی اور قبیلے والوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔"

"میں تمہارا نیا پڑوسی لیپاس ہوں اور اپنی بہن علایہ کے ساتھ اب اس جگہ مقیم ہوں۔"

"کسی اور بستی سے آئے ہو؟"

"ہاں، بہت دور کی بستی سے جہاں میرے تمام اقارب موت کا شکار ہو گئے تھے۔"

"کوئی جنگ ہوئی تھی؟"

"اوہ۔ نہیں۔ بس وہ سب طبعی موت مرے تھے۔"

"ہم تمہارے پڑوسی ہیں اور اگر تمہیں کسی شے کی خواہش ہو تو ہم سے طلب کر لینا ہمیں خوشی ہوگی۔" بوڑھا یہ کہہ کر چلا گیا۔

علایہ کی خواہش پر میں نے جھونپڑی کے عقب میں ایک کھڑکی بنا دی اور ہمارے دو سورج بہ آسانی گزر گئے ازمار اس دوران ایک بار اور آیا تھا۔ اور اس نے بتایا۔

"بستی کے کئی لوگ تجھ سے ملاقات کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ تیرے انوکھے علم سے فائدہ اُٹھائیں لیکن میں نے انہیں منع کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ ابھی لیپاس کو کچھ دن سکون سے آرام کرنے دو، تاکہ وہ بستی کے لوگوں سے مانوس ہو جائے اور ان کے درمیان گھل مل جائے اس کے بعد اس سے مل لینا۔ تجھے کوئی تکلیف کوئی پریشانی تو نہیں ہے لیپاس؟"

"نہیں ازمار تیرا شکریہ۔" میں نے کہا۔

اور سچی بات تو یہ تھی کہ تکلیف نامی کوئی چیز مجھے نہیں تھی۔ لیکن ایک احساس ضرور تھا میرے ذہن میں، میں

سوچتا تھا کہ فرالموس کے دبے ہوئے علم سے میں کوئی خاص فائدہ نہیں حاصل کروں گا۔ بلکہ اپنے لئے کوئی دوسرا ہی مقام بناؤں گا۔ اس مقام کے بارے میں ابھی کوئی تصور میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔"

جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ خاتون صوفیہ نے اس کی کہانی کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ اور دوسرے لوگوں سے مخاطب ہوئی۔

"کیا تم لوگ چائے نہ پیو گے"؟

سب چونک پڑے۔ "بڑا مناسب خیال ہے آپ کا۔"

"میں بندوبست کرتی ہوں۔" خاتون صوفیہ اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

چائے پیتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے۔ یہ کہانی ان کی زندگی کا سب سے دلچسپ مقصد بن گئی ہے۔ اس کے الفاظ انہیں قدیم یونان میں لے گئے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ خود بھی لیپاس کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔

بہر حال لیپاس کو زیادہ مہلت نہ دی گئی۔ اور وہ بولا

"میرے قیام کی پانچویں رات تھی۔ اس شام بادل گھرے ہوئے تھے اور کئی بار بوندا باندی ہو چکی تھی۔ لیکن تیز بارش ایک بار بھی نہیں ہوئی تھی۔ بستی کے بچے سارا دن بارش میں بھیگتے رہے تھے۔ اور سرِ شام ان کے سرپرستوں نے انہیں جھونپڑیوں میں قید کر دیا تھا۔ اس لئے اندھیرا ہوتے ہی فضا میں خاموشی چھا گئی۔"

"علایہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر آرام کرنے لیٹ گئی۔ اور میں بھی ایک چٹائی پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نہ جانے کب میں سو گیا اور نہ جانے کتنی دیر سوتا رہا۔ یکایک مجھے اپنے بدن پر زبردست بوجھ سا محسوس ہوا، اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی تو ایک نوکدار شے میرے حلق پر آ ٹکی۔ اور میری گردن پھر زمین سے جا لگی۔

جھونپڑی کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور تاریکی کے باوجود چند سائے نظر آ رہے تھے۔

نوکدار چیز اب مجھے تکلیف دے رہی تھی اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ میرے حلق میں نہ اتر جائے۔

"کون ہو تم"؟ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تیری موت۔ تیرے دشمن۔"

"نہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس بستی میں میرا دشمن کون ہے، میں تو ابھی چند روز قبل یہاں آیا ہوں۔"

"اور آتے ہی اپنی شیطنیت کے جال بچھا دیئے۔"

"میں نے کیا کیا ہے"؟

"جو کچھ کر چکا ہے بتانے کی ضرورت ہے"؟

"ہاں۔ کم از کم مجھے میرا قصور تو بتا دو۔"

"تم نے ازمار کی مدد کیوں کی کیا تمہارے خیال میں تم بہت بڑے ستارہ شناس اور جادوگر ہو۔ اگر یہ خیال ہے تو اسے ذہن سے نکال دو۔ اب بتاؤ کیا چاقو کی تیز نوک تمہارے حلق میں داخل ہو کر تمہاری زندگی کا خاتمہ نہ کر دے گی۔ کیا اب تم اس سے بچ سکتے ہو"؟

"رحم کرو۔ میں نے سب کچھ ایک اچھے جذبے کے تحت کیا تھا۔"

"اور اب اسی اچھے جذبہ کے تحت تم اس شخص کا پتہ بھی چلا لو گے جس نے ازمار کو قلاش کر دیا ہے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ کیا یہ کہ میں اسے اس شخص کے بارے میں نہ بتاؤں جس نے اس کے ہاں چوری کی تھی۔ اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں ازمار سے کہہ دوں گا کہ وہ شخص نامعلوم ہے۔"

"صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ"؟

"تو مجھے بتاؤ۔ میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"جیسا میں کہوں گا ویسا کرو گے"؟

"ہاں وعدہ کرتا ہوں۔"

"تو پھر اسی وقت جاؤ۔ اور ازمار کے گھر میں داخل ہو کر وہ اشیاء دوبارہ حاصل کرو اور انہیں ایسی جگہ چھپا دو جہاں وہ محفوظ رہیں، بعد میں ہم تم سے ان کا پتہ معلوم کر لیں گے۔"

"گویا میں چوری کروں"؟

"ہاں۔ اگر تم نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا تو دیوتاؤں کی قسم تمہاری اور تمہاری بہن کی موت تم سے دور نہ ہو گی۔ تمہیں ضرور ہلاک کر دیا جائے گا،" چاقو کی نوک میرے حلق میں گھسنے لگی۔

"نہیں نہیں، میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا، لیکن میں وہ مال کہاں چھپاؤں۔ میں تو ابھی اس علاقے سے پوری طرح واقف نہیں ہوں۔"

"تب پھر تو اسے اپنی جھونپڑی میں پوشیدہ کر دینا۔ کسی بھی وقت ہم یہ سب کچھ تم سے لے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تم بے فکر رہو، میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔" میں نے کہا۔

اور چاقو کی نوک میری گردن سے ہٹ گئی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے مجھ سے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے وہ سب باہر نکل گئے۔

میں اپنی گردن مسل رہا تھا۔ رات کی تاریکی کی وجہ سے میں ان میں سے کسی کی شکل نہیں دیکھ پایا تھا۔ لیکن وہ آواز۔ آہ۔ وہ آواز مجھے جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں نے وہ آواز کہیں سنی ہے۔ لیکن کہاں۔ میری یادداشت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

علایہ اسی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔ اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ مجھ پر کیا بیت گئی ہے۔ نوجوانی کی نیند اتنی ہی گہری ہوتی ہے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو جائے گی اس لئے میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ اور چونکہ زندہ رہنے کے لئے مجھے وہ کرنا تھا جس کی ہدایت میرے ان نادیدہ کرم فرماؤں نے کی تھی۔ لیکن میں نے بھی سوچ لیا کہ چالاکی سے کام لوں گا اور ازمار کو ساری حقیقت بتا دوں گا۔ اس سے کہوں گا کہ میں چور نہیں ہوں بلکہ یہ چوری مجھ سے کرائی گئی ہے۔ میں عین اس وقت اصلی چوروں کی نشاندہی کر دوں گا۔ جب وہ میری جھونپڑی سے اپنا مال وصول کرنے آئیں گے۔ اس سے عمدہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔

یہ اٹل فیصلہ تھا۔ اور میں خاموشی سے اپنی جھونپڑی کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

آسمان پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کوئی ستارہ بھی موجود نہیں تھا۔ ہاں بارش بھی نہیں ہو رہی تھی۔ البتہ کسی بھی وقت تیز بارش کا امکان موجود تھا۔

جو کچھ کرنے میں جا رہا تھا وہ میری مجبوری تھی۔ لیکن مجھے یہ اندازہ بخوبی ہو گیا تھا کہ مجھے چوری کے لئے مجبور کرنے والے وہ ہیں جو میری وجہ سے اپنی پہلی کوشش میں ناکام ہو گئے ہیں اور اس بات سے سخت ناراض ہیں کہ میں نے ان کی محنت اکارت کر دی اور مال واپس ازمار کو پہنچ گیا۔ لیکن یہ چور کون تھے۔

بہر حال یہ ساری باتیں بعد کی تھیں۔ پہلے مجھے اپنی اور علایہ کی زندگی کی حفاظت کے لئے پہلا قدم اٹھانا تھا۔ چنانچہ میں تیز رفتاری سے ازمار کے گھر کی جانب چل پڑا۔ راستے سنسان تھے۔ مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

ازمار کے طویل و عریض مکان میں، میں چوروں کی طرح ہی داخل ہوا تھا اور پھر اس جگہ پہنچنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوئی جہاں ازمار اپنا مال و اسباب چھپا کر رکھتا تھا۔ خود ازمار نے مجھے اس جگہ کے بارے میں بتایا تھا سو یوں ہوا کہ میں نے ازمار کو تلاش کیا لیکن رات کے اس وقت وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا۔ نہ جانے کہاں گیا ہوا تھا وہ۔

میں نے سوچ لیا کہ نہ سہی اس وقت بعد میں سہی، میں ازمار کو اس بارے میں ضرور بتا دوں گا۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ میرے خلاف کیا سازش عمل میں آ رہی ہے۔ میں نہایت خاموشی اور نہایت کامیابی سے ازمار کو ایک بار پھر تلاش کر آیا۔ اس کا قیمتی اثاثہ اب میری جھونپڑی میں منتقل ہو چکا تھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں اپنی چٹائی پر لیٹ گیا اور ان حالات کے بارے میں غور کرنے لگا۔

ساری رات ہی گزر گئی تھی۔ میں نے رات کے اس آخری حصے میں سونے کی کوشش کی۔ لیکن آج تقدیر میں نیند ہی نہیں تھی۔ مجھے سوئے ہوئے چند گھڑیاں بھی نہ گزری تھیں کہ باہر سے ـــــ شور کی آوازیں ابھرنے لگیں، لوگ چیختے چلاتے اس طرف آ رہے تھے۔

میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ نجانے یہ کیسا شور تھا اور نجانے کیا بات تھی کہ یہ میری ہی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ علایہ بھی شور کی آواز سے جاگ گئی۔ اور متوحش انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی ہے۔ پھر اس نے میری جانب رخ کر کے کہا۔

"نیلپکس کیا تم یہ آوازیں سن رہے ہو؟"

"ہاں علایہ۔" میں نے مختصراً کہا۔ اور اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا یہ ہماری جانب نہیں آ رہیں۔" علایہ نے پوچھا لیکن علایہ کی بات کا جواب دیئے بغیر میں اپنے جھونپڑے کے دروازے پر باہر نکل آیا۔

میں نے حیرت آمیز انداز میں دیکھا کہ لوگ ڈنڈے ہلاتے میرے ہی گھر کی طرف آ رہے تھے۔

"وہ رہا۔ وہ رہا۔ دیکھو وہ کمبخت شیطان چور اپنی جھونپڑی کے دروازے پر موجود ہے۔" مجھے ایک آواز سنائی

دی۔ اور میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے سب سے آگے چلنے
والے شخص کو دیکھا۔ یہ ازمار کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
ازمار میرا دوست، اس بستی میں میرا واحد ساتھی۔ یہ اسے
کیا ہو گیا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر میرے بدن
کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ میں تو سخت مشکلات
میں گھرنے والا ہوں۔ اور شائد مصیبت کا کوئی انوکھا وقت مجھ
پر آ گیا ہے۔
ازمار کے گھر سے چرائی ہوئی دولت میری جھونپڑی
میں موجود ہے، اور میں کسی طور اپنی صفائی پیش نہیں
کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے ایک اور
شخصیت کو دیکھا اور یہ شخصیت بھی میرے لئے تحیر کن تھی یعنی
معبد کا وہ پجاری جس سے ازمار نے اپنی دولت کا پتہ پوچھا
تھا اور اس نے بتایا تھا کہ وہ اس دولت کا پتہ بتانے سے
قاصر ہے، یہ شخص ازمار کے شانہ بشانہ چل رہا تھا۔ اور بہت
پرجوش نظر آتا تھا۔
یوں لوگوں کا گروہ میرے نزدیک پہنچا اور ازمار نے
دونوں ہاتھ پھیلا کر ان لوگوں کو روک دیا، گویا ان کے جوش
کا خاتمہ چاہتا تھا وہ سو ازمار پہنچ گیا میرے سامنے، اس کی
خشمناک نگاہیں مجھے گھور رہی تھیں اور معبد کا پجاری بھی
اسی انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔
"مقدس بزرگ کیا یہی وہ نوجوان ہے جس کے بارے
میں تیرا علم بتاتا ہے۔"
"یہی ہے وہ اور نہایت چالاک ہے یہ لڑکا، دیوتاؤں
کی قسم میں نے تو غور بھی نہ کیا تھا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ
بھی موجود ہوتے ہیں۔ ہاں ہاں یہی ہے وہ شخص جس نے
پہلی بار تیرے گھر کی دولت پر ہاتھ صاف کیا اور اسے
ایک ایسی چٹان کے نیچے گاڑ دیا جو سانپ کے پھن سے
مشابہ تھی۔ اور ہوا یوں کہ جب تو میرے پاس اپنی اس دولت
کا پتہ پوچھنے آیا تو یہ آگے بڑھا اور اس نے تیرا اعتماد حاصل
کرنے کے لئے تجھے وہ دولت مہیا کر دی۔ گویا یہ اس بستی میں
قدم جمانا چاہتا تھا، لیکن تو خود ہی بتا ازمار کیا ایسے شاطر
اور بد قماش لوگوں کو بستی میں قیام کی اجازت دی جا سکتی ہے
گو اس کی بہن بھی اس کے ساتھ ہے لیکن یہ لوگ اس قابل
نہیں ہیں کہ یہ اس بستی میں رہیں۔ اور ازمار تو بہادر ہے۔
تو کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہمارے
بچے پرورش پائیں۔" بڑے پادری نے کہا اور ازمار نفرت
کے انداز میں مجھے گھورنے لگا۔
"کیا یہ درست ہے۔" اس نے پوچھا۔
میں کیا جواب دیتا اس نادرست کو نادرست کہنا میرے
حق میں بالکل بے مقصد تھا۔ ہاں ایک بات میرے ذہن
میں بخوبی آ گئی تھی۔ مجھے وہ آواز یاد آ گئی تھی جس نے میری
گردن پر چاقو رکھ کر مجھے اس کام کے لئے مجبور کیا تھا اور بلاشبہ
یہ آواز معبد کے بڑے پجاری کے علاوہ کسی کی نہیں تھی یعنی
یہ شخص مجھے اس بستی میں دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اور اس
کی وجہ بھی مجھے معلوم تھی۔
اس نے ازمار کی دولت کا پتہ بتانے سے انکار کر دیا تھا
اور کیا عجب پہلی بار بھی یہی شخص ازمار کی دولت چرانے
کا موجب ہو، جب اس نے دیکھا کہ وہ میری وجہ سے
ناکام ہو گیا ہے اور یہ بھی جان گیا کہ میرا علم سچا ہے تو اسے خطرہ
ہوا کہ اگر میں اس بستی میں رہا تو اس کی مجرمانہ کاروائیاں جاری
نہ رہ سکیں گی۔
یوں ایک ایسے دشمن کو جو کسی کے لئے مستقل خطرہ
بن جائے، تھوڑی سی دولت کے عوض ذبح کرنا گھاٹے کا
سودا نہیں۔
گویا پجاری نے فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے اس بستی میں نہ رہنے
دے گا اور مجھے یہاں سے نکلوانے کے بعد بخوبی اپنا کام انجام
دے گا یہی ہوا کہ پچھلی رات اس نے چاقو کی نوک میری
گردن پر رکھ کر مجھ سے اس دولت کے حصول کے لئے کہا۔
اور جب میں ازمار کی دولت لے کر اپنی جھونپڑی میں آ گیا۔
تو وہ ازمار کو یہاں لے آیا۔ ہاں مجھے یہ بھی یاد تھا کہ جب میں
ازمار کی جھونپڑی میں پہنچا تو ازمار موجود نہ تھا۔ یقیناً وہ بڑے
پجاری کے پاس گیا ہو گا۔
ازمار کی آواز نے مجھے خیالات سے چونکا دیا، وہ چند
قدم آگے بڑھا اور میرے نزدیک آ کر کھڑا ہو گیا۔
"بدفطرت اور بدباطن شخص، کیا بڑے پجاری کا کہنا
درست ہے۔؟"
"کیا کہتا ہے بڑا پجاری۔؟" میں نے سوال کیا۔
"بڑا پجاری عظیم ہے، نیکیوں کی قوت کا سرچشمہ۔ وہ
برائیوں کو فروغ دینے سے گریز کرتا ہے اور کسی کو کسی کی
پر آمادہ نہیں کرتا، لیکن جب اس نے میرے پاس اپنا
آدمی بھیجا اور کہا کہ وہ کچھ انکشافات کرنا چاہتا ہے کسی خاص

مسئلے میں، تو میں اس کے پاس پہنچا۔ سو بڑے پجاری نے مجھے بتایا کہ ایک بد باطن شخص ہم لوگوں کے درمیان آ گھسا ہے جو فتنہ و فساد کی جڑ ہے۔ اور آگے چل کر یہ فتنہ و فساد کچھ اور بڑھے گا۔ اور مشکلات پیدا کرے گا۔ یہ ابتداء ہے اس کی کہ اس نے تیری ہمدردیاں حاصل کیں۔ اس طرح کہ تجھے تیری دولت کا پتہ بتا دیا۔ جبکہ وہ دولت اس نے خود چرائی تھی، اور دوسری بار پھر اس نے اس دولت کے حصول کا قصد کیا ہے اور اس کوشش میں کامیاب ہو چکا ہے۔

سو جب بڑے پجاری نے مجھے یہ سب کچھ بتا دیا تو مجھے یقین نہ آیا۔ میں نے سوچا کہ تجھ جیسا باعلم شخص یہ حرکت نہیں کرے گا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ تو بھیڑ کی کھال میں چھپا ہوا بھیڑیا ہے۔ ایک ایسا سانپ جسے میں نے اپنی آستین میں پرورش کیا اور دودھ پلایا۔ بتا میں نے تیرے لئے کیا کچھ مہیا نہ کیا تھا۔ لیکن ٹھہر پہلے یہ بتا کہ تو اس بات سے انکار کرے گا۔ کہ تو نے دوسری بار میرے گھر میں چوری کی ہے"

ازمار نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "ازمار۔ میں جانتا ہوں کہ حالات میرے خلاف ہو گئے ہیں اور بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ انسان بے گناہ ہونے کے باوجود اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت نہیں رکھتا۔ لیکن میں تجھے ایک حقیقت سے ضرور باخبر کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ حقیقت کیا ہے؟"

"تیری دولت میری جھونپڑی میں محفوظ ہے۔ اور مجھے اس کا اعتراف ہے کہ دوسری بار میں نے ہی اسے تیری جھونپڑی سے چرایا ہے لیکن ایسا کسی کی ایما پر کیا، کیا تو یقین کرے گا۔"

"تو نے چوری کا اعتراف کر لیا ہے، شائد اس لئے کہ تو نے سوچا ہو گا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد یہ دولت تیری جھونپڑی سے برآمد ہو جائے گی اور لوگ دیکھ لیں گے کہ چور کون ہے۔ لیکن۔ اب تو اور کیا کہنا چاہتا ہے۔ کس پر الزام لگانا چاہتا ہے یہ بھی کہہ دے۔"

"یہ شخص جسے تم نے اپنا پجاری بنایا ہے اصل چور ہے اور سنو ازمار جو حقیقت ہے یعنی یہ شخص جس نے تیری دولت چرائی تھی اور اسے پوشیدہ کر دیا تھا مطمئن تھا کہ کوئی اس پر شبہ نہیں کرے گا لیکن میں نے یہ طلسم توڑ دیا اور تجھے وہ جگہ بتا دی۔ سن ازمار بھلا یہ کیوں پسند کرے گا کہ میں اس بستی میں رہوں۔ اور جلد یا بدیر تجھے میری سچائی معلوم ہو جائے گی۔ دوبارہ یعنی رات کو یہ شخص میرے پاس آیا اور خنجر کی نوک میری گردن پر رکھ کر مجھے مجبور کیا کہ میں اس دولت کو دوبارہ حاصل کروں۔ ورنہ میری بہن کو اور مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن میں نے سوچا تھا کہ تجھے حقیقتِ حال سے باخبر کر دوں گا اور اس کا جال ٹوٹ جائے گا لیکن۔"

"بس بس خاموش ہو جا اور مزید بکواس نہ کر۔ ورنہ یہ لوگ تیری زبان ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیں گے۔ تو چور ہے اور ناقابلِ معافی۔ تجھے معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

"تو مجھ پر الزام لگا رہا ہے بدبخت۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کمینے کتے۔ نمک حرام"

بڑے پجاری نے اپنے قریب کھڑے ہوئے شخص سے ایک موٹا اور مضبوط ڈنڈا چھین لیا اور مجھ پر پل پڑا لیکن اب اس منحوس شخص سے مجھے بے پناہ نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے پوری قوت سے میرے شانے پر وار کیا۔ لیکن بوڑھا شخص مجھ سے زیادہ پھرتیلا نہیں تھا۔ میں نے اس کا وار خالی دے کر ڈنڈا اس سے چھین لیا۔

"بول چور میں ہوں"؟ میں نے اس سے سوال کیا۔

"تو۔ کمینے نمک حرام۔ تو چور ہے اور یقیناً تیرا باپ بھی چور ہو گا۔" اس نے چیخ کر کہا۔

دوبارہ وہ مجھے نمک حرام کہہ چکا تھا۔ اور اب بات میرے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ میری آنکھوں میں خون اتر آگیا۔ میں نے ڈنڈا اس شخص کے سر پر دے مارا۔ اور سنبھلنے کیسی ضرب تھی وہ مجھے خود حیرت ہوئی تھی کہ اس کا سر درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔

ازمار کو مجھ سے ایسی امید نہ تھی۔ شائد اسے احساس ہو کہ چور بزدل ہوتا ہے۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا تو میں نے اس سے کہا۔

"آخری بات سن لے ازمار۔ میں نے جو کہا درست تھا۔ لیکن یہ شخص اسی قابل تھا اور میں نے اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔"

تب ازمار چونکا۔ دوسرے لوگ چونکے اور پھر سب چیختے چلاتے مجھ پر چڑھ دوڑے۔ لیکن میں ان کی زد سے نکل گیا۔ اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں جان بچا کر بھاگوں۔ ہوشیار رہنے والے ہوشیار ہو گئے تھے۔ وہ چیختے چلاتے میرا تعاقب کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے ڈنڈے

اور دھار دار کلہاڑے مجھ پر پھینکے لیکن قسمت میرے ساتھ تھی۔ اِن میں سے ایک بھی ہتھیار میرے نہ لگا۔ اور میں پوری قوت سے دوڑتا رہا۔

میں دوڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ وہ لوگ مجھے نہ پکڑ سکے اور میں جنگل میں نہ جانے کتنی دُور نکل آیا۔

لیکن مجھے معلوم تھا کہ عقیدت مند لوگ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور آخری حد تک میرا تعاقب کریں گے۔ اِس لئے میں اِن سے زیادہ سے زیادہ دور نکل آنے کے لئے دوڑتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کا نشان بھی نہ رہا۔ میں ایک دلدل کے کنارے اُگے ہوئے نرسلوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اور ان کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

دیر تک ان کی آوازیں نہ سُنائی دیں۔ وہ لوگ بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ اس دوران میرا سانس بھی دُرست ہو گیا تھا۔ اور میں سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔

میں نے سوچا۔ عقیدت مند لوگ اپنے پجاری کے قتل پر مجھے معاف نہیں کریں گے۔ ازمار بھی میرا دشمن بن گیا ہوگا۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ میری بہن علایہ اِن کے نرغے میں پھنسی رہ گئی تھی۔ سچ بات یہ تھی کہ میں علایہ کے لئے سخت پریشان تھا۔ اور اس کے حصول کی کوئی ترکیب میرے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔

لیکن میں اپنی بہن کو کسی قیمت پر ان کے درمیان نہیں چھوڑ سکتا تھا خواہ اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔ البتہ کوئی بہتر ترکیب میرے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ تاہم میں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اگر انہوں نے علایہ کو کوئی نقصان پہنچایا تو۔ بستی کی بہت سی عورتوں کو بین کرنا پڑے گا۔ بات خواہ نوسس اعظم تک جا پہنچے یا کہیں اور۔ علایہ کو نقصان پہنچانے والے زندہ نہ بچیں گے۔

میں اپنی جگہ چھپا انتظار کرتا رہا۔ دن چڑھ آیا اور سورج خوب چمک رہا تھا اس روز۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن مجھ سے کچھ دُور لگے ہوئے پھل دار درخت میری بھوک مٹانے کے لئے موجود تھے۔ میں نے ان درختوں سے پانی والے پھل توڑ کر کھائے جن سے میری بھوک اور پیاس مٹ گئی۔ اور میں اس طرف سے مطمئن ہو گیا۔

پھر جب رات کے اندھیرے دلدل پر اترنے لگے تو میں اپنی کمین گاہ سے نکل آیا اور چھپتا چھپاتا بستی کی طرف چل پڑا۔ مشکل یہ تھی کہ میرا جھونپڑا آبادی میں تھا اور اس تک پہنچنے کے لئے مجھے بہت سوں کے درمیان سے گزرنا پڑے گا۔ لیکن ممکن ہے رات کی تاریکیاں میری مدد کریں۔ اسی اُمید پر میں آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے بستی کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔

جگہ جگہ الاؤ جل رہے تھے اور لوگ ان کے گرد بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میرا دل چاہا کہ میں اِن کی باتیں سنوں۔ اور میں ایک جھونپڑے کے عقب میں پہنچ گیا۔ جہاں سامنے کی سمت پر چار یا پانچ افراد بیٹھے ہوئے تھے اِن میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"لوگ پتہ لگا رہے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا تھا لیکن کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"اس لڑکی نے بھی زبان نہیں کھولی۔"؟

"ازمار نے اعلان کر دیا ہے کہ لڑکی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی کیونکہ وہ بے قصور ہے۔"

"حالانکہ یہ ایک احمقانہ شرافت ہے۔"

"اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"پجاری کا قتل رنگ لائے گا۔"!

"ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تم بے فکر رہو۔"

"کیوں"؟

"اس لئے کہ قاتل ہمارے قبیلے اور ہماری بستی سے نہیں تھا۔ تباہی نازل ہوگی تو اس کے قبیلے پر۔ اس کے خاندان پر۔"

ہر شخص اپنے طور پر تبصرہ کر رہا تھا۔ ان میں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں تھا کہ پجاری بھی چور ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن میں صورتحال سمجھ چکا تھا۔ پجاری اپنے تقدس کی آڑ میں یہ گھناؤنے کھیل کھیل رہا تھا۔ اور یقیناً اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی ہوں گے۔ اس کے علاوہ ازمار کی اس شرافت نے مجھے متاثر کیا تھا کہ اس نے میری بہن کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

اگر اس نے یہ اچھی بات کی ہے تو اب میرا بھی فرض ہے کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤں اور خاموشی سے علایہ کو لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔ سو میں وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔

بستی کے کتے بھونک رہے تھے۔ مجھے ان کے علاوہ کسی سے خطرہ نہیں تھا۔ لیکن اپنی جھونپڑی سے کچھ دُور میں رُک گیا۔ میں نے جھونپڑی کے دروازے پر کچھ لوگوں کو

مستعد دیکھا تھا۔

انہوں نے مشعلیں زمین میں گاڑھ رکھی تھیں اور شاید میرے انتظار میں مستعد تھے۔ ان لوگوں کا خیال ہو گا کہ میں اپنی بہن سے ملاقات کرنے ضرور آؤں گا۔

خیال تو ان کا بالکل درست تھا۔ لیکن یہ حماقت لاجواب تھی کہ وہ روشنی کر کے میرا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے برعکس اگر جھونپڑے کے ارد گرد خاموشی سے چھپ کر میرا انتظار کرتے تو شاید میں دھوکہ کھا جاتا۔ تاہم ان کی یہ حماقت میرے لئے سودمند ثابت ہوئی۔ میں نے اور علایہ نے شاید آج ہی کے لئے جھونپڑے کے عقب میں وہ کھڑکی بنائی تھی جو بظاہر ہم نے روشنی اور ہوا کے حصول کے لئے کھولی تھی۔ لیکن یہ آج دوسرے طور سے ہمارے کام آئی تھی۔

میں نے حالات کا جائزہ لے کر اس کی جانب قدم بڑھا دیئے اور سانس کی آواز روک کر کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔

کھڑکی اندر سے بند تھی لیکن مجھے اس کی تمام بندشیں معلوم تھیں۔ میں جانتا تھا کہ اسے کہاں سے کھولا جا سکتا ہے لہٰذا چند لمحات میں نے اندر کی آہٹیں سنیں اور اس کے بعد کھڑکی کھول لی۔

علایہ کو شاید ہوا کے جھونکوں نے کسی غیر معمولی بات کا پتہ دیا تھا۔ اس نے گردن اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا اسے کچھ شبہ ہوا تو وہ کھڑکی کے قریب آ گئی۔

"کون ہے؟" اس کی سرگوشی سنائی دی۔

"وہی جس کا تجھے انتظار تھا علایہ۔"

"لیپاس۔ میرا بھائی۔"

"تو اس کھڑکی سے باہر نکل سکتی ہے علایہ؟"

"کیوں نہیں۔ تجھے علم ہے کہ باہر ازمار کے آدمی تیرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہاں۔ انہوں نے اس کھڑکی پر توجہ نہیں دی۔

"شاید ان میں سے کسی کو کھڑکی کے بارے میں معلوم ہی نہیں کیونکہ میں نے اسے بند رکھا تھا۔"

"بس تو اس کھڑکی سے باہر آ جاؤ علایہ۔ یہ بستی اب ہمارے لئے بے حد خطرناک ہے اور ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔" میں نے کہا۔

اور علایہ اپنا بدن سکوڑ کر کھڑکی سے باہر آ گئی۔ میں نے اسے سہارا دے کر باہر نکالا تھا۔ اس طرح کہ ہلکی سی آواز بھی نہ ہو۔

یوں علایہ باہر آ گئی۔ اور میں اس کا بازو پکڑ کر تاریکیوں کے سمندر میں چل دیا۔

تاریکی اتنی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اور جھونپڑی کی روشنیاں اس قدر محدود تھیں کہ بس ان کے قرب و جوار کے تھوڑے سے حصے کو منور کر رہی تھیں۔ لیکن ہم اس محدود روشنی سے بھی بچ رہے تھے۔ اور ایک بار پھر میں کامیابی سے بستی سے دور نکل آیا۔

ان لوگوں کو شبہ بھی نہیں ہو سکا تھا۔ وہ بے چارے اس انتظار میں رات بھر جاگتے رہیں گے کہ میں اپنی بہن علایہ سے ملاقات کرنے آؤں گا۔

بہر طور میں سفر کرتا رہا اور میرا خیال تھا کہ کم از کم رات بھر انہیں میری آمد یا فرار کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکے گا۔ لیکن اس کے باوجود میں جانتا تھا کہ صبح کو جب انہیں صورت حال معلوم ہو گی تو وہ جوش غضب سے دیوانے ہو جائیں گے اور ہم دونوں کی تلاش میں چل پڑیں گے۔ مذہبی جوش بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ لوگ بھی پر جوش ہو جاتے ہیں جنہوں نے زندگی میں کبھی کچھ نہیں کیا ہوتا۔ چنانچہ ان لوگوں سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا اور وہ یہ کہ ہم رات بھر چلتے رہیں۔ اور دن طلوع ہونے سے پہلے ان لوگوں سے کافی دور پہنچ جائیں۔

میری بہن علایہ نے بھی میرے اس خیال سے اتفاق کیا اور رات کی تاریکی میں ہم ٹھوکریں کھاتے آگے بڑھتے رہے پھر جب جنگل میں دور نکل آئے تو چاند طلوع ہوا۔ چاند نے ہماری منزل آسان بنا دی۔ اس طرح ہم کم از کم ٹھوکریں کھانے سے بچ گئے تھے۔ اور کسی ایک سمت کا تعین کر سکتے تھے۔

چنانچہ ہم چلتے رہے اور رات گزرنے لگی، چاند کا سفر ہمارے سفر کے ساتھ جاری تھا۔ اور پھر جب صبح کی روشنی طلوع ہوئی تو ہم ایک کھیت میں چھپ گئے، اس خوف سے کہ مبادا تلاش کرنے والے گھوڑوں پر سوار ہو کر ہم تک نہ پہنچ جائیں۔

دوپہر ڈھلنے تک ہم کھیت میں چھپے رہے اور جب سورج نے ڈھلان کا سفر شروع کیا تو ہمیں چند افراد نظر آئے ہم نے گردنیں نکال کر دیکھا۔

ایک گروہ تھا جو خون میں لت پت، پھٹے لباس، برے احوال نجانے کہاں سے آ رہا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔

علایہ انہیں دیکھ کر شدتِ حیرت سے منہ کھول کر رہ گئی۔ لیکن میں نے اسے بولنے سے منع کر دیا۔
میں نے اس سے کہا کہ یہ لوگ کسی بھی حال میں ہیں، کہیں سے بھی آ رہے ہیں اور کہیں بھی جا رہے ہیں، ہمارا ان سے مخاطب ہونا بہتر نہیں ہوگا، نہ جانے ان کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔
چنانچہ علایہ خاموش ہوگئی اور ہم ان کے دُور نکل جانے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر انہوں نے جو سمت اختیار کی تھی اس سے اختلاف کرتے ہوئے ہم وہاں سے بھی آگے بڑھ گئے۔
یوں دن اور رات کا سفر جاری رہا۔ ہم کامیابی سے بہت دُور نکل آئے تھے۔
یہ شاید تیسرے دن شام کی بات تھی کہ ہم ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں ہمیں عجیب و غریب مناظر نظر آئے۔ سیاہ اور جلے ہوئے کھیتوں کو ہم نے دُور سے کالی چٹانیں سمجھا تھا، لیکن جب ہم ان کے نزدیک پہنچے تو ہمیں دھوئیں کی لکیریں فضا میں بلند ہوتی نظر آئیں، جلے ہوئے کھیت بالکل سیاہ ہوگئے تھے۔ اور اس سے آگے جو منظر ہمیں دیکھنے کو ملا وہ بہت ہی لرزہ خیز اور بھیانک تھا۔
جلے ہوئے جھونپڑوں میں مردوں اور بچوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں، جگہ جگہ خون کے لوتھڑے جمے ہوئے تھے، غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی میں لاشوں کا رنگ بھی سُرخ ہوگیا تھا، چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں بچوں کی عورتوں کی، بوڑھوں کی۔ علایہ لرز کر مجھ سے لپٹ گئی اس کے حلق سے دہشت ناک چیخیں نکل رہی تھیں، میں نے بمشکل تمام اسے سہارا دیا اور ایک چوڑے تنے والے درخت کی آڑ میں ہوگیا۔
یہ عجیب و غریب منظر میرے لیے خلافِ توقع تھا اور میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس منظر کا موجد کون ہے، درخت کی آڑ میں، میں علایہ کو تسلیاں دے رہا تھا۔
"تمہیں خود پر قابو رکھنا چاہیے علایہ، بے شک منظر بہت بھیانک ہے، لیکن کیا عجب جنہوں نے یہ خونریزی کی ہے، یہیں قرب و جوار میں موجود ہوں۔ اور ہمیں بھی انہی لوگوں میں شمار کریں جنہیں وہ قتل کر چکے ہیں، اس طرح ہم ان کے عتاب کا شکار ہو جائیں گے۔ علایہ ہمت سے کام لو۔ ہمت سے کام لو، تمہیں اس منظر کو برداشت کرنا ہے ورنہ ہم بھی زندگی سے دُور چلے جائیں گے۔"
علایہ سہمی ہوئی مجھ سے چمٹی ہوئی لرز رہی تھی اور میں طائرانہ نگاہوں سے اپنے قرب و جوار میں دیکھ رہا تھا۔ دُور کہیں ایک کتے کے رونے کی آواز سنائی دی اور میں چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔
جانوروں کے سوا یہاں شاید کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ بڑی مشکل سے میں علایہ کو سمجھا بجھا کر خوف کے اس جال سے نکال سکا۔ پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔
"یہ۔ یہ سب کیا ہے لیپاس۔"
"یوں لگتا ہے جیسے دو قبیلوں میں جنگ ہوئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"آہ، انہوں نے کھیت بھی جلا ڈالے، بچوں کو بھی مار ڈالا۔"
"ہاں علایہ دشمنی ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔" ابھی یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے ہی تھے کہ کسی کے کراہنے کی آواز مجھے سنائی دی۔
یہ آواز ایک ٹوٹی ہوئی باڑھ کی طرف سے آ رہی تھی۔ میں نے علایہ کا بازو پکڑا اور درخت کے تنے کی آڑ سے نکل کر اس ٹوٹی ہوئی باڑھ کی جانب چل پڑا۔ جہاں سے کراہنے کی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔
ہم دونوں تیزی سے اس باڑھ کی جانب بڑھ گئے۔ باڑھ کے دوسری طرف ایک نوجوان عورت پڑی ہوئی تھی۔ جو بُری طرح زخمی تھی۔ اس عورت سے تھوڑی ہی دُور ایک نوجوان شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اور اس لاش کے اردگرد بھی بہت سی لاشیں موجود تھیں۔ جو کسی دوسرے قبیلے کے سپاہیوں کی تھیں۔ ان کے لباسوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ یہ نوجوان بےحد بہادر تھا اور اس کے اردگرد جو لاشیں پڑی ہوئی تھیں یہ اسی کے ہاتھوں کا کارنامہ تھا۔ زخمی عورت کے نزدیک ہی ایک بچہ پڑا ہوا تھا۔ یہ بچہ زخمی عورت کے سینے سے لپٹا ہوا تھا۔ میں اس عورت کی طرف دیکھنے لگا۔ علایہ ایک بار پھر مجھ سے چمٹ گئی تھی۔
دفعتاً اس عورت نے کراہ کر اپنی آنکھیں کھول دیں مجھے دیکھا اور اُس کی آنکھوں میں خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔
وہ شاید مجھے اپنے دشمنوں میں ہی سمجھی تھی۔ اس نے منہ کھول کر چیخنے کی کوشش کی۔ لیکن زخمی ہونے کی وجہ سے وہ چیخ نہیں سکی تھی۔ بس پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے

گھورتی رہی اور اس کے چہرے پر وحشت پھیلی رہی۔ اس نے امداد طلب نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں نوجوان کی لاش پر ٹک گئیں۔
اس لاش کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔
اس کے اس انداز میں بڑی بیچارگی تھی۔ میں ہمدردی سے اس کے پاس پہنچ گیا۔ تب میں نے اس کے زخمی بازو پر ہاتھ پھیر کر کہا۔
"میں تمہارا دشمن نہیں ہوں، فکر مت کرو، میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔"
میرے ان الفاظ کو اس نے حیرت سے سُنا۔ اس کی آنکھوں سے حیرت صاف نمایاں تھی اور پھر اس کے آنسوؤں کی روانی تیز ہوگئی۔ اور وہ روتے ہوئے بولی۔
"تم۔ تم میرے دوست ہو؟"
"ہاں میں تمہارا دوست ہوں، میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"
"اگر تم میرے ہمدرد، میرے دوست ہو تو میری ایک بات مان لو۔" وہ کمزور لہجے میں بولی۔
"ہاں ہاں کہو کیا بات ہے۔"
"جلدی سے مجھے قتل کردو، میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔"
"اوہ بیشک جن حالات میں، میں نے تمہیں دیکھا ہے، وہ بیحد دردناک ہیں، لیکن میں ان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"
"آہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی، میں کچھ نہیں کہوں گی، میرے حواس میرا ساتھ نہیں دیں گے، مجھے قتل کردو، دیوتاؤں کے لئے مجھے قتل کردو۔"
میں نے علایہ کی جانب دیکھا اور اسے اشارہ کیا کہ وہ پانی لے آئے، چنانچہ علایہ جلدی سے ایک طرف رکھے ہوئے برتنوں میں سے پانی لے آئی جو نجانے کس طرح اس برتن میں رہ گیا تھا۔
میں نے بمشکل تمام عورت کو پانی پلایا، اس نے جلدی جلدی پانی کے چند گھونٹ لئے اور اس کی حالت کسی قدر اعتدال پر آگئی۔ لیکن وہ اب بھی اُٹھنے کے قابل نہیں تھی۔
"بس تمہارا شکریہ، اب مجھے جلدی سے قتل کردو۔ دیوتاؤں کے لئے مجھے قتل کردو۔ یہ مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔"

"میں یہ منحوس کام نہیں کرسکتا، ہاں اگر تم کچھ اور مدد چاہو تو مجھے اس میں کچھ اعتراض نہ ہوگا، میں جاننا چاہتا ہوں تمہارے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کس نے کیا۔"
"آہ اسی خونی نے اسی خوفناک شخص نے جسے سلاطیس کہتے ہیں، ہم سب سکون کی نیند سو رہے تھے اپنی لبتی میں کوئی پریشانی نہ تھی ہمیں کہ رات کی تاریکی میں طوفان اُٹھا اور چاروں طرف وحشت خیزی پھیل گئی، ہر چھوٹے بڑے سے عورتوں، مردوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اور اس کے بعد یہ خوفناک تباہی پھیل گئی۔ ہماری لبتی کو جلا دیا گیا۔ ہمارے مردوں کو قتل کردیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو بھی مار دیا گیا۔ دیکھو یہ بھالا میرے سینے میں پیوست ہوا تھا۔ لیکن نجانے کس طرح میں بچ گئی۔ میری نگاہوں کے سامنے میرے بچے کو مار دیا گیا۔ میرا شوہر ان وحشیوں سے لڑتا ہوا قتل ہوگیا۔"
"میں کیوں زندہ رہ گئی۔ آہ میں کیوں زندہ رہ گئی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لیکن پہلی ہی آواز کے ساتھ اس کے منہ سے خون کی پھوار نکلی اور اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔
علایہ نے دونوں آنکھیں بند کرلیں اور پھر دوسری طرف رُخ کرکے رونے لگی۔ میں نے دُکھ بھرے انداز میں مرنے والی کو دیکھا اور افسردگی سے گردن جھکائے ہوئے علایہ کے نزدیک آگیا۔
"علایہ زندگی اسی کا نام ہے، کسی نہ کسی دن یہ زندگی موت کی آغوش میں جا سوتی ہے، لیکن جس انداز میں یہ موت کی آغوش میں گئی اس کا مجھے بھی افسوس ہے دیوتاؤں کے لئے تم غم نہ کرو، ہم وحشت کی اس لبتی سے نکل چلتے ہیں آؤ جلدی کریں، کہیں ہمارے ذہنوں میں بھی خوف کے سائے پیدا نہ ہوجائیں۔"
میں نے علایہ کو سنبھالا اور بمشکل تمام آسے لے کر چلتے ہوئے کھیتوں اور مردہ انسانوں کی اس لبتی سے تیز رفتاری سے باہر نکل آیا۔ آگے جنگل شروع ہوگیا تھا۔ میں نے رفتار اتنی تیز رکھی تھی کہ جلد سے جلد یہاں سے نکل کر جنگل میں پہنچ جاؤں۔
ہمارے سامنے کوئی منزل نہ تھی وحشت خیزی کا یہ منظر جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ہمارے لئے بڑا ہی دردناک تھا۔ ہمارے ذہنوں میں عجیب عجیب وسوسے

سرائیت کر گئے تھے۔ بمشکل تمام بستی سے کافی دور نکلنے کے بعد ہم نے قیام کے لئے ایک جگہ منتخب کی۔

علایہ کی حالت بہتر نہ تھی، وہ لڑکی تھی اور دلیری سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس منظر نے اُس کے اوپر بہت بُرا اثر کیا تھا۔ چنانچہ اُسے سنبھالنا بھی مشکل تھا۔ میں اسے تسلیاں دیتا رہا۔

قیام کے لئے جو جگہ میں نے منتخب کی تھی یہ ایک اُونچا ٹیلا تھا جس پر ایک تنہا درخت کھڑا ہوا تھا۔ درخت کا اُوپری حصّہ خاصا گھنا تھا جبکہ تنا اس کی بہ نسبت دُبلا پتلا اور کمزور تھا تاہم اُس نے ہمیں ایک بہتر پناہ گاہ مہیّا کی، بلندی ہونے کی وجہ سے یہاں کیڑوں مکوڑوں کا بھی خدشہ نہیں تھا۔ میں نے جگہ صاف کر کے علایہ کو وہاں بٹھا دیا اور اُسے تسلیاں دینے لگا "لیکن یہ سلاطیس بدبخت کون تھا اُس نے یہ خونریزی کیوں کی؟" علایہ نے کہا۔

"یہ کوئی سوال نہیں ہے علایہ خونریزی کرنے والے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔"

"مقدس کاھنوں کی سرزمین پر کیا یہ وحشت خیزی بہتر لگتی ہے۔ پیلاٹوس، ایھنا ایسے لوگوں کی سرکوبی کیوں نہیں کرتے، کاھنِ اعظم اپنے افکار سے ان لوگوں کو باز کیوں نہیں رکھتے۔ یہ کون لوگ ہوتے ہیں۔ لیباس۔ جو انسانی خون کو اس بیدردی سے بہا دیتے ہیں۔ خون بہنے کا دور تو ختم ہو گیا ہے۔ دیوی، دیوتاؤں سبھی نے اس کی مذمت کی ہے۔ آہ سرزمینِ یونان پر یہ سب کچھ کب تک ہوتا رہے گا کوئی سدِباب کرنے والا نہیں ہے اس کا"، علایہ غمزدہ لہجے میں کہنے لگی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جو کچھ سناتے ہیں علایہ ان کا مفہوم ایک ہی نکلتا ہے۔ انسان ازل سے خون بہانے کا شائق رہا ہے۔ جانوروں کا، اپنے جیسے انسانوں کا، جو کوئی بھی ہاتھ مل جائے۔ چنانچہ یوں لگتا ہے علایہ کہ جب تک یہ ستارے چمکتے رہیں گے خون اسی طرح بہتا رہے گا۔ بھلا انسان کو سمجھانے والا کون ہے۔"

"کوئی تو ہو، کوئی تو ہو۔"

"ٹھیک ہے علایہ لیکن تم اس سلسلے میں اپنے ذہن کو پراگندہ مت کرو۔ ہمیں تو خود ابھی اپنی منزل کی تلاش ہے۔ دیکھیں تقدیر ہمیں کہاں لے جاتی ہے۔ اگر ہم کوئی صحیح جگہ نہ پا سکے تو ممکن ہے کسی ویرانے میں ہمارے جسم بھی اسی طرح خون اُگل رہے ہوں۔"

"دیوتاؤں کے لئے لیباس مجھے خوفزدہ مت کرو ایسی باتیں مت کرو، میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

"جب تک لیباس زندہ ہے علایہ تیرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے لیکن شرط یہی ہے کہ تو پریشانی اور اوہام کو اپنے نزدیک نہ آنے دے۔"

"آخر ہماری منزل کونسی ہوگی؟"

"کوئی بھی آبادی۔"

"اور آبادی کب ملے گی۔" علایہ سرد آہ بھر کر بولی۔

"بہت جلد علایہ تو فکر مت کر، تو محفوظ ہے۔ میں تیرا محافظ ہوں، ہم جلد ہی کسی آبادی میں پہنچ جائیں گے۔ ایسی آبادی میں جہاں ہمارا کوئی دشمن نہ ہوگا۔ تو خود سوچ علایہ ہمارے دشمنوں کی تعداد کتنی بڑھ گئی ہے۔ حالانکہ میں امن پسند ہوں کسی کا خون بہانا نہیں چاہتا۔ لیکن نجانے کیوں یہ لوگ مجھے اس پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ میں اپنے علم سے روشنی پھیلانا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ میں ستارہ شناسوں میں ایک بڑا ستارہ شناس بنوں۔ میری خواہش ہے علایہ میں کسی معبد کا کاہن بن جاؤں اور لوگوں کو محبت کا اخوت کا ہمدردی کا سبق پڑھاؤں، لیکن منزل پانے کے لئے نجانے کون کون سے راستوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ سو ابھی ہم مسافر ہیں۔ مجھے صرف ایک بات کا افسوس ہے علایہ اور وہ یہ کہ میں تیرے لئے کوئی بہتر پناہ گاہ تلاش نہ کر سکا۔ کوئی آبادی مل جائے تو اُسی کے قریب پہنچ جاؤں تو میری سب سے پہلی کوشش یہی ہوگی کہ تجھے دیوتاؤں کے قانون کے مطابق کسی شخص کی تحویل میں دے دوں جو تیرا شوہر کہلائے۔ اور اس کے بعد میں اپنے مشن کا آغاز کروں۔"

"آہ، مجھے تو انسانوں سے خوف محسوس ہونے لگا ہے کیا یوں نہیں ہو سکتا لیباس کہ جس معبد کا تو کاہن بنے اُسی معبد میں مجھے ایک پجارن کی حیثیت دے دے میں خود بھی اپنی زندگی انسانوں سے دور دیوتاؤں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں مجھے یہ انسان بڑے وحشی لگتے ہیں۔ لیباس اگر تو میرے لئے کچھ کر سکتا ہے تو یہی کر کہ مجھے کسی معبد کی پجارن بنوا دے۔"

علایہ کی بات پر میں مسکرا کر رہ گیا۔ میں جانتا تھا کہ ترک دنیا بڑا مشکل کام ہے اور جو لوگ یہ کام کر چکے ہوتے ہیں وہ بڑی کٹھن منزلوں سے گزر کر وہاں تک پہنچتے ہیں۔ علایہ جیسی کمزور لڑکی اتنی کٹھن منزلوں کو طے نہ کر پائے گی۔ وہ تو اور ہی

لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو اس حد تک مار بیٹھتے
ہیں، تاہم میں نے اپنی بہن سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور رات
آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔

بمشکل تمام میں نے علابہ کو تھوڑی دیر سونے کے لئے
راضی کر لیا۔ لیکن مجھے خود نیند نہ آئی۔ میں اس شخص کے
بارے میں سوچتا رہا جس نے یہ تباہی پھیلائی تھی۔ سلاطیس
آخر کون ہے اور اس نے یہ خونریزیاں کیوں کی۔ نوسس اعظم
کے عہد میں ایسی خونریزیاں کرنا واقعی مشکل کام تھا کیونکہ
اس کی سزا بہت سخت ہوا کرتی تھی۔

قبائل کی آپس کی جنگ بلاشبہ ایسے مناظر مہیا کر
دیتی تھی مگر جب سے نوسس اعظم نے نیا قانون نافذ
کیا تھا تو قبائل نے آپس میں لڑنا جھگڑنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ
اپنے مسائل لے کر طویل سفر کر کے نوسس اعظم کے دربار
میں پہنچتے اور نوسس اعظم دونوں کی شکایات سننے کے
بعد فیصلہ دیتا تھا۔

نوسس اعظم کے عہد میں خونریزی کافی کم ہو گئی
تھی اور یہ قانون سختی سے تمام قبائل پر نافذ کیا جا رہا تھا جبکہ
اس سے قبل آبادیوں میں موجود قبائل اپنے مسائل جنگ و
جدل سے طے کرتے تھے۔

بھالے تلواریں اور کلہاڑے ان کے آپس کی چپقلش
کا فیصلہ کرتے تھے۔ یوں جنگل کے پرندوں کو اور مُردہ کھانے
والے جانوروں کو غذا فراہم ہو جاتی تھی۔ لیکن جب سے
نوسس اعظم نے نئے قانون نافذ کئے تھے یہ جانور بھوک سے
مرنے لگے تھے اور ان کے لئے وہ سہولتیں مہیا نہیں رہی
تھیں جو اس سے قبل تھیں۔

سو اس دور میں کسی کو اس طرح تاراج کر دینا ذرا
تعجب خیز بات تھی۔ شاید یوں لگتا تھا کہ نوسس اعظم کو اس
بات کا پتہ نہیں کہ کوئی اس طرح کی خونریزی کر رہا ہے۔ سو
کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں نوسس اعظم کے دربار تک جاؤں
اور اس بستی کا حال سناؤں، ممکن ہے دربار میں مجھے کوئی
بہتر مقام مل جائے۔ یا اس اطلاع پر نوسس اعظم خوش
ہو کر مجھے کوئی جاگیر بخش دے، حالانکہ یہ احمقانہ منصوبہ تھا۔
اس وقت تو میری آنتیں نقاہت سے پیٹ میں پہنچ رہی
تھیں، یقیناً علابہ بھی بھوکی ہوگی، خوف نے اس سے اس
کی بھوک چھین لی تھی۔ اگر قبیلے کا خون وہ اس طرح نہ دیکھ
لیتی تو شاید وہ اس وقت مجھ سے کھانے کی فرمائش کر رہی
ہوتی۔ لیکن اب وہ معصوم بچوں کی طرح آسمان کی جانب
منہ کئے سو رہی تھی۔

میں نے سوچا کہ جب علابہ صبح کو جاگے گی تو اسے بھوک
کی شکایت ہوگی اور ممکن ہے نقاہت کی وجہ سے وہ بیمار
ہو جائے۔ چنانچہ کوئی ایسا عمل کرنا ضروری تھا جس سے اسے
پیٹ بھر روٹی مل جائے۔ چنانچہ میری نگاہ ادھر ادھر بھٹکنے
لگی۔ لیکن قرب و جوار میں ایسے درخت یا جنگل موجود نہیں
تھے جن میں پھلدار درخت ہوتے اور میں پھلوں کو توڑ کر
صبح تک علابہ کے لئے محفوظ کر لیتا۔

ہاں کبھی کبھی مجھے کچھ جانوروں کی ادھر سے ادھر
بھاگنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں سو اس وقت کوئی
ہتھیار موجود نہیں تھا میرے پاس اور زمانہ قدیم میں
ہتھیاروں کے بارے میں جو کچھ سنا تھا میرے ذہن
میں آئی کہ میں ان میں سے کسی طریقے پر عمل کروں چنانچہ
علابہ کو اسی جگہ چھوڑ کر میں ایک ایسے پتھر کی تلاش میں آ نکلا
جسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا اور یہ کام کچھ مشکل
نہ تھا۔

ٹیلے سے اترنے کے بعد جو چھوٹے چھوٹے پتھر بیج
علاقے سامنے نظر آتے تھے ان میں پتھروں کی بہتات تھی،
اور میں ان کے درمیان کسی روح کی طرح بھٹکنے لگا۔ جو
رات کی تاریکی میں اپنے مسکن سے نکل آئی ہے۔ اور اگر
یوں دیکھتا مجھے کوئی تو یقیناً خوف سے چیخنے لگتا اور یہی
سمجھتا کہ ویرانوں کے بھوت باہر نکل آئے ہیں۔ لیکن میں
تو اپنے مقصد کی تلاش میں سرگرداں تھا اور اسے پا لیا میں
نے چٹانوں کے درمیان۔

یعنی ایک ایسا پتھر جو لمبوترا تھا اور اس کا ایک سرا
وزنی اور کنارے دار تھا۔ یعنی میں اگر اسے پیچھے سے پکڑ
کر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا تو وہ یقیناً ایک مہلک ہتھیار
ہوتا۔ اس ہتھیار کا انتخاب کر کے میں اپنی جگہ واپس آ گیا۔
اور ان جانوروں کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے
لگا جو کبھی کبھی مجھے نظر آ جاتے تھے لیکن کوئی ایسا جانور
اس کے بعد نزدیک نہ پھٹکا، یوں لگتا تھا جیسے انہیں میری
نیت کا علم ہو گیا ہو۔ البتہ علابہ کے اٹھنے سے کچھ وقت قبل
میں نے ایک عجیب و غریب جانور کو دیکھا جس کا قد کتے کے
برابر ہوگا اور جو شکل و صورت سے معصوم نظر آتا تھا۔ میں
نے سوچا کہ اگر یہ جانور صبح ہی صبح میری زد میں آ جائے تو

یقیناً ہمارے لئے بہترین خوراک میسّر کر سکے گا۔ میں ٹیلے سے نیچے اُتر آیا اور اُس کی آڑ میں چھپ کر جانور کے تعاقب میں نگاہیں دوڑانے لگا۔

جانور گھاس کھانے والا تھا۔ وہ سر سبز کونپلوں کی تلاش میں زمین پر منہ مارتا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا اپنے دشمن سے بے خبر۔

میں نے ہتھیار ہاتھ میں تولا اور ضرورت اُس وقت مہارت کی تھی کہ جانور ایک ہی وار میں کم از کم اتنا زخمی ہو جائے کہ فوراً اُٹھ کر نہ بھاگ سکے۔ چنانچہ اس پوری مہارت کو استعمال کرتے ہوئے میں نے جانور پر پہلا وار کیا۔ اور میرے ہاتھ سے وہ نوکیلا اور زبردست پتھر پوری قوت سے نکل کر گھومتا ہوا اُس جانور کی پیشانی پر پڑا۔ سو یوں ہوا کہ جانور کی پیشانی تڑخ گئی اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد وہ اپنے دونوں پنجوں کو زمین پر مار کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

لیکن ہوا یوں تھا کہ اُس کا بھیجہ باہر نکل پڑا تھا۔ میں نے بالکل انتظار نہ کیا اور اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔ میرا ہتھیار اُس کے نزدیک ہی پڑا ہوا تھا۔ اسے اُٹھا کر میں نے دو تین ضربیں اُس کی گردن پر لگائیں اور جانور کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اُس کی کھال اب بھی آہستہ آہستہ پھڑک رہی تھی۔ میں نے اپنے لباس کی اندرونی جیب سے چھوٹا سا خنجر نکالا۔ اور جانور کی کھال اُتارنے لگا۔

قرب و جوار میں اس گوشت کو پکانے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ جو کچھ بھی ہو یہ کچا گوشت ہی سہی۔ ہمارے لئے بہتر غذا کا کام دیگا۔ خاص طور سے اس لئے کہ علایہ بھوک سے تڑپ رہی ہوگی اور یہی ہوا۔

میں نے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کئے اور اُسے جانور کی کھال میں محفوظ کر لیا۔ علایہ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ جاگی اور اُس نے ویران نگاہوں سے آسمان کی جانب دیکھا۔ پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری طرف۔ مجھے مسکراتے دیکھ کر اُس نے بھی مسکرانے کی کوشش کی اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا کر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"پیاس۔" اُس نے کمزور اور لفیہ آواز میں پکارا۔

"ہاں، کیا بات ہے علایہ؟" میں نے جواب دیا۔

"میں، میں سخت بھوکی ہوں، مجھے اپنا بدن سنسناتا

محسوس ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں نے تیرے لئے غذا کا بندوبست کر لیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور میرے یہ الفاظ علابہ کے لئے گویا تریاق کی حیثیت رکھتے تھے۔

وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسرت نمودار ہو گئی تھی۔

"غذا کا بندوبست کہاں سے؟" اس نے سوال کیا۔ اور میں نے وہ کھال گھسیٹ کر اس کے سامنے کر دی۔ جس میں گوشت کے پارچے پڑے ہوئے تھے۔ علابہ خوشی سے اچھل پڑی۔

کھانا ہمارے سامنے موجود تھا اور اس وقت علابہ کی خوشی کا اندازہ وہی لوگ بہتر طور پر لگا سکتے ہیں جو کئی دنوں سے درختوں کے پتے چبا چبا کر پیٹ کی آگ بجھاتے رہے ہوں۔ گوشت کے چھوٹے چھوٹے قتلے علابہ نے اپنی جانب سرکا لئے۔ اور انہیں چبا چبا کر کھانے لگی۔

کچا گوشت کھانا انسانی حرکت نہیں ہے لیکن سچی بات یہ تھی کہ اس وقت کچا گوشت بھی ہمیں دنیا کی لذیز ترین نعمت محسوس ہو رہا تھا۔ خیر ہم نے گوشت کھایا اور ہماری بھوک ختم ہو گئی اس کے بعد ہم نے پانی کی تلاش کی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ٹیلے سے اتر کر ایک ایسی سمت چل پڑے جہاں ہمیں پانی نظر آ رہا تھا۔ غالباً یہ ایک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ جس سے پانی ابل رہا تھا اور جو آگے چل کر ایک اچھی خاصی وسیع و عریض جھیل کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ میں اور علابہ خوشی سے چیختے ہوئے اس طرف دوڑنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ دیوتا ہماری مدد کر رہے ہیں، ہمیں خوراک بھی مہیا ہو گئی اور اس کے بعد پانی بھی ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے بعد ہمیں پانی کی مشکلات کا شکار ہونا پڑتا لیکن اب تو ہم اس چشمے میں نہا بھی سکتے تھے۔ اس لئے ہماری رفتار تیز ہو گئی تھی کیونکہ بھوک کی نقاہت ختم ہو گئی تھی۔

چند ساعت کے بعد ہم چشمے کے نزدیک پہنچ گئے پہلے ہم نے خوب سیر ہو کر پانی پیا، اس کے بعد علابہ نے میری جانب دیکھا اور چشمے میں اتر گئی۔

معصوم لڑکی جواب جوان ہو چکی تھی اپنی جوانی کی لطافتوں سے بے خبر تھی۔ بھلا اسے اپنے بھائی سے کیا شرم ہو سکتی تھی۔ لیکن میں نے نگاہیں پھیر لیں۔ کیونکہ میں تہذیب و اقدار کا قائل تھا۔ اور تہذیب و اقدار نے مجھے یہی سکھایا تھا کہ جوان بہن سے نگاہیں چرائی جائیں۔ میں دوسری طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا تھا۔

میں نے سوچا جب علابہ نہا کر فارغ ہو جائے گی اور اپنا لباس پہن لے گی تو میں اس سے کہوں گا کہ وہ کسی ٹیلے کی آڑ میں ہو جائے تاکہ میں غسل کر لوں، لیکن ابھی میری نگاہیں اسی طرف تھیں کہ دفعتاً علابہ کی سُریلی چیخ میرے کانوں میں گونجی اور میں بادلِ ناخواستہ اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

چشمے سے کچھ دور ایک بلند ٹیلے پر کچھ لوگ موجود تھے۔ ان کے لباس مخصوص قسم کے تھے۔ اور میں نے فوراً پہچان لیا۔

یہ لباس ان لوگوں کے لباس سے ملتے جلتے تھے جو میں نے اس عورت کے شوہر کے گرد مردہ دیکھے تھے۔ یعنی ان قاتلوں کے لباس جنہوں نے وہ قبیلہ تاراج کیا تھا۔

علابہ خوف کے باعث جلدی سے چشمے سے نکل آئی، اور اپنا لباس پہننے لگی۔ لیکن ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ اور اب وہ لوگ انگلیوں سے ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے۔ پھر ان کا ایک گروہ ٹیلے سے نیچے اترنے لگا تھا۔

اور اب صورتحال میرے سامنے تھی۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ خونی شیطان اب ہماری تکا بوٹی کرنا چاہتے ہیں اور اگر وہ ہم تک پہنچ گئے تو بلاشبہ ہمیں جیتا نہ چھوڑیں گے۔ علابہ کو وہ ایک عورت کی حیثیت دیں گے اور مجھے۔

ان کے وحشیانہ ارادے ان کے بشرے سے ٹپک رہے تھے۔ اس دوران علابہ لباس پہن چکی تھی۔ میں نے اسے آواز دی۔ اور وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"وہ۔ وہ ہماری طرف آ رہے ہیں۔"

"بھاگو علابہ۔ بدن کی پوری قوت سے بھاگو ورنہ۔ ورنہ ہم ان سے نہ بچ سکیں گے۔"

علابہ نے گردن ہلا دی۔ اور ہم دوڑنے لگے۔ سمت کا تعین کئے بغیر ہم دوڑ رہے تھے۔ خوف کی وجہ سے ہماری ٹانگوں میں حیرت انگیز تیزی آ گئی تھی اور ہم جان توڑ کر دوڑ رہے تھے۔

• ہمارے سامنے ایک ناہموار میدان تھا جو نجانے کہاں سے کہاں تک چلا گیا تھا اس میدان میں درخت اور جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔

دوڑنے والے اب ٹیلوں کو عبور کر کے اس جگہ آ گئے

تھے۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے ہم موجود تھے۔ لیکن ہمارے اور ان کے درمیان کافی فاصلہ پیدا ہوگیا تھا۔ ہم برق رفتاری سے دوڑتے رہے۔ ہمارا اندازہ تھا کہ اس میدان کے اس پار جو درختوں کا سلسلہ نظر آرہا تھا اس میں پہنچنے کے بعد ہم کم از کم ان لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو جائیں گے چنانچہ ہم درختوں کی جانب ہی دوڑ رہے تھے۔

ہمارے پیچھے شکاری کتوں کی طرح وہ لوگ دوڑتے شور مچاتے چلے آرہے تھے اور ان کی رفتار بھی خاصی تیز تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے سلسلے تک پہنچ گئے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر شدید دکھ ہوا کہ درختوں کا یہ سلسلہ زیادہ طویل نہیں تھا۔

بس ایک پٹی تھی جس پر گھنے درخت پھیلے ہوئے تھے اور دور سے دیکھنے پر یہی لگتا تھا جیسے درختوں کے پیچھے گھنا جنگل ہوگا۔ لیکن دوسری جانب ایک دریا نظر آرہا تھا۔ دریا کے بہاؤ کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اگر میں درختوں کے ساتھ ساتھ بھاگتا چلا جاتا ہوں تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ لوگ ہمارا تعاقب کرتے رہیں گے۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ دریا کی سمت دوڑا جائے۔ چنانچہ میں اور علایہ دریا کی جانب دوڑنے لگے۔

دریا کے پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ وہاں پیر جمانا ممکن معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ہماری زندگیاں تو دونوں طرف سے خطرے میں تھیں۔

میں دریا کے کنارے تک پہنچ کر رک گیا۔ علایہ کے تیز سانسوں کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی۔ تب علایہ نے درد بھرے بے بسی کے لہجے میں کہا۔

"آہ لیپاس ہم کیا کریں، ہم کیا کریں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔

"ایک ہی راستہ ہے ہمارے سامنے علایہ۔"

"وہ کیا لیپاس۔" ؟ اس نے امید و بیم کی کیفیت میں پوچھا۔ مگر میں خود مجبور تھا۔ اسے کوئی آس نہیں دلا سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"ہمیں دریا میں اترنا ہوگا۔ اگر ہم دریا میں ڈوب کر نہ مرے تو وہ بدبخت ہمیں تلواروں اور کلہاڑیوں کا شکار بنالیں گے، وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے، تمہاری بے حرمتی کریں گے اور مجھے قتل کر دیں گے۔ اس لئے ایک ہی راستہ ہے ہمارے سامنے کہ دریا میں ڈوب کر مر جائیں۔"

"ہاں لیپاس ڈوب کر مرنا زیادہ بہتر ہوگا۔" علایہ نے کہا۔

اور میں نے بے بسی سے بہن کو دیکھا جو بچپن ہی سے مشکلات کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھی۔ میری طرح تقدیر کی ماری تھی۔ لیکن بہرصورت کچھ بھی تھا میں اسے ان وحشیوں کے حوالے نہیں کر سکتا تھا خواہ ہم دونوں مر جاتے، چنانچہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دریا کے کنارے پر پہنچ گیا۔

دوڑنے والے ہمارے قریب آتے جارہے تھے۔ چنانچہ اب انتظار یا مناسب جگہ کی تلاش حماقت تھی۔ ہم نے دریا میں چھلانگ لگادی۔ اور پانی کے بہاؤ نے ہمیں تیزی سے ڈھکیلنا شروع کر دیا۔

میں نے اندازہ لگالیا کہ پانی کے اس تند و تیز بہاؤ میں کوئی جدوجہد بیسود ہے۔ دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ لیکن اس کے بہاؤ کو کاٹ کر دوسرے کنارے تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔

پانی ہمیں ان لوگوں سے کافی دور لے گیا۔ وہ دریا کے کنارے کھڑے حسرت بھری نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ میں نے اب ساری جدوجہد ترک کر کے صرف اس کوشش میں اپنی قوت صرف کر دی تھی کہ علایہ میرے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اور ابھی تک میں اس کوشش میں کامیاب تھا۔

نہ جانے ہم کتنی دُور نکل آئے۔ اور پھر ہماری تقدیر نے ہمارے لئے زندگی کے سامان فراہم کرنا شروع کر دیئے دریا کا پاٹ بتدریج چوڑا ہوتا جا رہا تھا۔ اور پانی چوڑائی میں جا کر پھیل رہا تھا۔ اور اس پھیلاؤ میں اس کی رفتار خود بخود سست ہوتی جا رہی تھی۔

یہاں تک کہ ایسی صورت حال پیش آ گئی کہ میں کنارے کی جانب جانے کی جدوجہد کا آغاز کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ کوشش شروع کر دی اور یوں کیا میں نے کہ علایہ کو اپنی پشت کے لباس سے کس لیا۔ اس طرح میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ اور ان آزاد ہاتھوں کی مدد سے میں نے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔

علایہ بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ لیکن میں نے اسے سنبھالے رکھا اور جوں جوں کنارہ نزدیک آتا جا رہا تھا میری مسرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

میں نے علایہ کو خشکی پر گھسیٹ لیا اور وہ زمین پر لیٹ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

"علایہ خود کو سنبھالو۔ ہم ابھی خطرے سے دُور نہیں ہوئے۔" علایہ نے مجھے دیکھا اور کمزور لہجے میں بولی۔

"اب کیا خطرہ ہے لیپاس"؟

"ممکن ہے وہ وحشی لوگ بھی ہماری مانند دریا عبور کرنے کی کوشش کریں۔ تم اس بستی میں ان کی وحشت خیزیاں دیکھ چکی ہو۔ ممکن ہے وہ دیوانے ہماری تلاش میں یہاں آ جائیں۔"

"آہ۔ مگر میں بہت کمزوری محسوس کر رہی ہوں"

"مجھے احساس ہے علایہ"

"تو پھر"؟

"اس کے باوجود ہمیں سفر کرنا پڑے گا"!

"آخر کہاں تک"؟

"تم مایوس ہو چکی ہو علایہ"؟

"ہاں لیپاس" وہ رونے لگی۔

"یہ حماقت ہے علایہ۔"

"مگر میں ..."

"تمہیں ہمت کرنی چاہئے علایہ۔ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم کسی مناسب جگہ ضرور پہنچ جائیں گے۔"

"تم ایک کام کرو لیپاس"

"کیا"؟

"مجھے یہاں چھوڑ دو۔ اپنی زندگی بچاؤ۔ شاید میری تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ شاید ستاروں نے اسی جگہ میرے سفر کا اختتام کہا ہے۔ تم جاؤ لیپاس"

"بیوقوفی کی باتیں مت کرو علایہ۔ میں تمہارے بغیر کہیں نہیں جاؤں گا۔ کیا تمہیں اپنے بھائی سے یہی امید ہے"

"مگر ستارے"؟

"ستاروں کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ ہمت کرو۔ دیوتا ہماری مدد کریں گے۔"

میری ان باتوں سے علایہ کی ہمت بندھ گئی اور وہ اُٹھ گئی۔ دُور دُور تک بلند و بالا ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ یہ ناہموار ٹیلے آگے چل کر بلند ہوتے جا رہے تھے۔ اور نہ جانے اس چڑھائی کے دوسری طرف کیا تھا۔ ہمیں اس کا اندازہ نہیں تھا۔ لیکن ہم بڑھتے جا رہے تھے۔ ٹیلوں کی بلندیاں سست روی سے طے ہو رہی تھیں۔ اور شاید ہماری تقدیر کسی نئے سفر کا آغاز کر رہی تھی۔

جب یہ بلندیاں ختم ہوئیں تو دوسری جانب ہمیں ایک بڑا لشکر نظر آیا جس نے وہاں چھاؤنی ڈالی ہوئی تھی بھورے رنگ کے خیموں کا ایک چھوٹا سا شہر آباد تھا۔ درمیان میں ایک بہت بڑا خیمہ بنا ہوا تھا جس کے اردگرد ویسے ہی لباس والے سپاہی ٹہل رہے تھے۔ جنہوں نے ہمارا تعاقب کیا تھا یا جن میں سے چند کی لاشیں اس چھوٹی سی بستی میں دیکھی تھیں۔

یہ دیکھ کر میرا خون خشک ہو گیا۔ علایہ بھی وحشتناک نگاہوں سے اس عظیم الشان چھاؤنی کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کے حلق سے خوف بھری آواز نکلی۔

"تم نے دیکھا لیپاس"؟

"ہاں۔"

"کیا ہماری تقدیر ہم سے چوہے بلی کا کھیل نہیں کھیل رہی۔" علایہ رُندھی آواز میں بولی۔
لیکن میرے دل میں اب عجیب سے تاثرات پیدا ہوگئے تھے۔ میں نے ٹھوس اور بھاری آواز میں کہا۔
"علایہ یوں لگتا ہے کہ تقدیر کا یہ کھیل فیصلہ کن ہے۔ یقیناً ہمارے لئے صرف ایک راستہ رہ گیا ہے کہ آگے بڑھیں اور وحشیوں کے اس غول میں پہنچ جائیں، اس کے بعد حالات کا انتظار کریں کہ جو بھی ممکن ہو۔" علایہ نے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر میری جانب دیکھا اور بولی۔
"لیپاس کیا ہماری زندگی صرف یہیں تک تھی؟"
"کیا کہا جا سکتا ہے علایہ۔ آؤ آگے بڑھیں یہاں رکنا بیسود ہے۔ دیکھو شاید ان سپاہیوں نے ہمیں دیکھ بھی لیا ہے۔" میں نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
دفعتاً ہم نے بھاری بھاری ڈھول بجنے کی آوازیں سنیں یہ ڈھول اچانک ہی بجنا شروع ہوگئے تھے۔ پھر ایک انسانی غول ایک انسان کے پیچھے دوڑتا نظر آیا۔ یہ شخص جو آگے آگے دوڑ رہا تھا۔ ایک قوی ہیکل آدمی تھا۔ اس کے پیروں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ البتہ ہاتھ آزاد تھے۔ دوڑنے والے اس پر چھوٹے چھوٹے بھالے پھینک کر مار رہے تھے۔ اور وہ شخص خود کو ان بھالوں سے بچاتا دوڑ رہا تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ ایک ایسی جگہ آگیا جسے میدان کہا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ میدان خیموں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ چونکہ ہم بلند جگہ تھے اس لئے اس میدان کو دیکھ سکتے تھے۔
میدان کے ایک سرے پر اس بڑے خیمے کا دروازہ کھلتا تھا جو عام خیموں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اور اس کھلے ہوئے دروازے میں ایک قوی ہیکل جوان عجیب شان سے کھڑا ہوا تھا۔
دفعتاً اس کا ہاتھ بلند ہوا اور یہ سارا تماشہ رک گیا۔ شاید اس نے بھی بلندی پر کھڑے ہوئے دو ایسے افراد کو دیکھ لیا تھا جو اس کے سپاہیوں کے لباس میں نہ تھے اور یہ ہم تھے۔
چنانچہ اس نے کچھ اشارہ کیا اور پھر چاروں طرف سے ہم پر سپاہیوں کی یلغار شروع ہوگئی۔ تلواروں، نیزوں اور کلہاڑیوں سے مسلح افراد ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لینے لگے۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ شاید ان سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن ظاہر ہے ہماری موجودہ کیفیت ہمیں مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ علایہ تو ویسے ہی نیم جاں ہو رہی تھی۔ ان لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ اور بھی بے حال ہوگئی۔ اور زمین پر گرنے لگی۔
تب میں نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ میں اس بلندی سے نیچے کی طرف اترنے لگا تھا۔
میرا رخ اس بڑے خیمے کی جانب تھا جس کے کھلے دروازے میں وہ قوی ہیکل جوان کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے جا کر میں اپنی بے بسی اور شکست کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ اور اس بات کا انتظار کہ دیکھیں اب میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

○

سرزمین یونان کی قدیم تاریخ جو اب صرف کتابوں میں محفوظ تھی۔ ھومر، ہیروڈوٹس کے قلم سے جو انوکھی کہانیاں علم میں آئی تھیں اور جن کی پُراسرار چاشنی ذہنوں کو دیویوں اور دیوتاؤں کے سحر کا شکار کر دیتی تھی ایک انوکھے دور سے روشناس ہو رہی تھی۔ اور اسے سننے والے ذہنوں میں انوکھے سناٹے محسوس کر رہے تھے۔ کہیں انہیں نوسس اعظم کے سپاہیوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیتی تھیں۔ اور کہیں کاہنوں کی مقدس آوازیں جن میں نت نئے طلسم پوشیدہ ہوتے تھے۔
مادام صوفیہ اپنی ڈائری لکھنا بھول گئی تھیں۔ وہ اپنے مہمانوں کی تواضع کی جانب سے بھی غفلت کا شکار ہوگئی تھیں۔ بھوک پیاس یا اور کوئی طلب جب ان لوگوں کو زندگی کا احساس دلاتی تو وہ تھوڑی دیر کے لئے جاگ اٹھتے۔ لیکن یہ ضرورتیں انہیں بار محسوس ہوتیں۔ اور وہ ان سے نجات پا کر پھر اسی طلسمی ماحول میں گم ہو جاتے۔
لیپاس کی پُراسرار شخصیت ان کے ذہنوں پر طاری ہو چکی تھی۔ اس کی سیاہ چمکدار آنکھوں میں وہ کہانیاں چمک رہی ہوتیں جنہوں نے یونانی دیو مالا تخلیق کی تھی۔ اور دیکھنے والے ان کہانیوں کو زندہ دیکھتے۔ لیپاس کی آنکھوں کے اسکرین پر اس دور کے کردار مصروف نظر آتے اور ہر آنکھ انہیں بآسانی دیکھ سکتی تھی۔
یہ طلسم جاری تھا اور سحر زدہ افراد اس سے نکلنا نہ چاہتے

تھے۔ اس کی آواز کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔

"تب میرے آقا۔ آہستہ آہستہ ہم اس عظیم الشان قسم کے جھونپڑے کے نزدیک پہنچ گئے۔ جہاں وہ دیو ہیکل شخص نظر آ رہا تھا۔ سپاہیوں نے چونکہ ہمیں دیکھ کر اس بدنصیب کی جانب بڑھتے ہوئے قدم روک لئے تھے جس کی زندگی ابھی باقی تھی۔ اور یہ حقیقت تھی کہ ہماری آمد نے بھاگنے والے اس نوجوان کو یقینی طور پر زندگی کا پیغام دیا تھا۔ ہوا یوں کہ سپاہی اس کی جانب سے غافل ہو گئے۔ اور وہ تیز رفتار شخص بڑھتا ہوا اُن کی دسترس سے دُور نکل گیا۔ ہاں وہ لوگ جو ہمارے گرد گھیرا تنگ کر رہے تھے رفتہ رفتہ ہم سے قریب ہونے لگے تھے۔ لیکن میری خواہش تھی کہ اپنی بہن علایہ کو لے کر جلد از جلد اُس قوی ہیکل شخص کے پاس پہنچ جاؤں کہ جو سردار ہوتے ہیں اعلیٰ ظرف کے مالک ہوتے ہیں۔ اور بہتر ہوتے ہیں ان کم ظرفوں سے جو صرف مالک کی خوشنودگی کے لئے ہی خونریزی پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اور اگر مالک خوش نہ ہو اس بات سے تو پھر اُن کی صورتیں قابل دید ہوتی ہیں۔ اس وقت بھی یہی ہوا کہ ہم اُس شخص کے بالکل نزدیک پہنچ گئے اور یقینی امر تھا کہ چند ساعت کے بعد ہم اُن کی تیز انیوں والے بھالے کا شکار ہو جائیں کہ قوی ہیکل شخص نے اپنا ایک ہاتھ بلند کر دیا۔ یوں لگا کہ بھاگتے ہوئے قدموں میں بھاری وزن آ پڑا ہو اور وہ ساکت ہو گئے پتھر کی مانند۔

میری نگاہ اُس قوی ہیکل شخص کا جائزہ لے رہی تھی اور یوں لگا چند لمحات کے لئے مجھے جیسے یہ شکل جانی پہچانی ہو۔ جیسے کہیں نہ کہیں اسے دیکھا ہو۔ شاید یہی کیفیت اُس شخص کی بھی تھی جو یقینی طور پر اس لشکر عظیم کا سردار تھا اور نہ جانے کون تھا وہ کہ مجھے یاد کرنے کے باوجود یاد نہ آ رہا تھا۔ تعاقب کرنے والے رُک چکے تھے۔

سردار نہایت شان و شوکت سے ہماری جانب بڑھا۔ حالانکہ وہ بھی نوجوان تھا لیکن اُس کا قد و قامت لشکر میں موجود ہر شخص سے نکلتا ہوا اور چہرہ مرعوب کن تھا۔ اُس کا سینہ چکی کے پاٹ کی مانند چوڑا تھا۔ اور اُس کے خدوخال یونان کی وجاہت کے آئینہ دار تھے۔ ایسے خدوخال جنہیں کیوپڈ کی ملکیت کہا جاتا ہے اور اُس کی آنکھیں حسین لیکن آگ میں تپے ہوئے لوہے کے مانند سرخ اور دہکتی لگ رہی تھیں۔

اُس نے گہری نگاہوں سے میرا اور پھر علایہ کا جائزہ لیا اور پھر اُس کی گونجدار آواز گونجی۔

"کون ہیں یہ احمق اور کیوں یہ بھاگ دوڑ ہو رہی تھی اِن کے ساتھ جواب دو یا سامنے کے بیوقوف سپاہیوں کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ میری رہائش گاہ کے سامنے اِن ہنگاموں کا کوئی وجود نہیں ہونا چاہئے۔"

جس قدر سپاہی قرب و جوار میں موجود تھے وہ رکوع کے انداز میں جھک گئے۔ اور پھر اِن میں سے ایک نے سیدھے ہو کر کہا۔

"عظیم سلاطین نہ جانے کون ہیں یہ احمق جو ہمارے دریا کے دوسری جانب نظر آئے تھے اور ہم نے چاہا کہ ہم اِن سے گفتگو کریں اور معلوم کریں کہ یہ کونسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور اس جگہ ان کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ لیکن یہ احمق شخص اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر بھاگ نکلا اور شاید یہ خود کو بہت زیادہ پھرتیلا اور جنگجو سمجھتا ہے کہ اس نے ہم سے بچنے کی کوشش کی، اور ہم سے بچ کر نکل جانا چاہا۔ لیکن ہم نے اسے اس طرح گھیرا کہ یہ عظیم سلاطیس کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہ نکل پائے۔ اور ہم اِسے آپ کی خدمت میں پیش کر کے اِس کی اصلیت اُس کے سامنے لائیں۔"

وہ شخص جس کا نام سلاطیس بتایا گیا تھا خشمناک نگاہوں سے سب کو دیکھتا ہوا بولا۔

"اور اِس کے بعد بہتر یہی ہے کہ ایک لمحہ توقف کئے بغیر تو اپنے بارے میں بتا کہ تو کون ہے اور اس علاقے میں تیرا گزر کہاں سے ہوا کیا یہ درست ہے کہ تو قبیلہ فنس سے ہے اور اُس وقت جان بچا کر بھاگ گیا تھا کہ جب میرے سپاہی یونان سے اُس کا نام و نشان مٹا رہے تھے۔ اور کیا تجھے علم نہیں کہ یہ وہی قبیلہ ہے جو کبھی بے حد طاقتور تھا اور جس نے سلاطیس اعظم کے باپ کے خلاف نوسس اعظم کی مدد کی تھی۔ کیا تجھے یہ بھی علم نہیں ہے کہ سلاطیس نے گیارہ سال کی عمر میں یہ قسم کھائی تھی کہ وہ تمام قبائل جو متحد ہو کر سلاطیس کے باپ کے راستے میں آئے تھے اور جنہوں نے نوسس اعظم کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی بہادری کے سکے جمائے تھے اور یوں سمجھا تھا اُنہوں نے کہ انتہائی تعداد میں ہو کر ایک چھوٹی سی ریاست کو تباہ کر کے وہ بہادر کہلائیں گے۔ لیکن بہادر تو وہ ہوتے ہیں جو آمنے سامنے آ کر اپنی تعداد سے مقابلہ کرتے ہیں جو اُن کی تعداد پر پوری اُترتی ہو۔"

"یہ کیا کہ ہزاروں افراد نے سینکڑوں افراد کو گھیرا اور اپنی تعداد کی بنا پر اُنہیں قتل کر کے فاتح کہلائے۔ سوائے شخص

تجھے اپنے قبیلے کی ان حرکات کا پتہ نہیں۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ سلاطیس اعظم اپنی قسم پوری کرے گا۔"

بولتے بولتے اس قوی ہیکل شخص کی آواز میں بے پناہ غصہ کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اور یہ صورتحال جو اس نے بیان کی تھی میرے لیے انوکھی تھی۔ اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور اس کا مفہوم کیا ہے۔

اور غصہ میں ڈوبے ہوئے سردار نے اپنے سپاہیوں کی جانب رخ کر کے کہا۔

"اپنے مجرم کو قتل کر دو اپنے بھالے ان کے جسموں میں اتار دو۔ پہلے اس عورت کو قتل کرو، ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ بوڑھا عورت کے گوشت کو کیسے کاٹتا ہے۔ مگر نہیں فسق قبیلے کے لوگوں سے ہمیں ایسی شدید نفرت ہے کہ ہم ان کی موت بھی اتنی آسانی نہیں پسند کرتے۔ یوں کرو کہ ان کے جسم پر شہد چھڑک کر انہیں درخت سے ٹانگ دو۔

درختوں کی جڑ میں رہنے والی چیونٹیاں اپنی غذا ان کے جسموں سے حاصل کریں گی۔ اور پھر یوں ہوگا جب شہد ختم ہو جائے گا اور ان کی ننھی ننھی زبانیں انسانی خون سے آشنا ہوں گی تو وہ ان کے جسموں میں داخل ہو کر اسے اچھی طرح دیکھیں گی اور انہیں کھا کر ہلاک کر دیں گی اور کل صبح ان کی ہڈیاں لٹکی ہوں گی۔"

"کیا خوبصورت انتقام ہوگا۔ جلدی کرو جلدی کرو۔ میں اپنی باپ کی موت کے دشمنوں کو اپنی پسندیدہ موت دینے کا خواہشمند ہوں۔"

وہ سپاہی میرے اور علایہ کی جانب بڑھے اور انہوں نے ہمیں بازوؤں سے جکڑ لیا اور اب اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں تھا کہ میں جلد از جلد اسے حقیقت سے آشنا کروں، اور ہوتا یوں ہے کہ جب انسان کی جان پر بن آتی ہے تو اس کی تمام قوتیں تیز تر ہو جاتی ہیں اور وہ باتیں بھی اسے یاد آجاتی ہیں جو عام حالات میں کبھی یاد نہ آئیں۔

سو میرے ذہن کے نہاں خانوں میں تحریک ہوئی اور یہ سرخ آنکھیں اور یہ سیک ہونٹ اور یہ ستواں ناک اور یہ چوڑی ٹھوڑی اور یہ بھرے بھرے رخسار اور حسین قامت کے ذہن میں کچھ پوشیدہ یادوں کو جگانے لگا اور میں نے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کہا۔

"سن اے سلاطیس اعظم سن، بے شک اگرچہ میرا تعلق قبیلۂ فسق سے ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ یہ قبیلہ تیرے باپ کا دشمن تھا اور اس نے تیرے باپ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ یوں اگر میں اس قبیلے کا فرد مانا جاؤں اور ثابت کر دیا جاؤں تو جیسا کہ تم نے چاہا وہی بہتر ہے۔ لیکن یوں ہو کہ میرا تعلق قطعاً اس قبیلے سے نہ ہو بلکہ کچھ بھولی باتیں میرے ذہن میں محفوظ ہوں اور میں انہیں تجھ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ پھر تیرا بھی فرض ہے کہ ان باتوں کو سن اور فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کر۔"

"میرے یہ الفاظ اس کے کانوں تک پہنچے تو ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر غور و خوض کے آثار نظر آئے۔ اس نے دوبارہ مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اور اگر میری نگاہوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں الجھن کے کچھ نقوش نمایاں ہوئے تھے۔ گویا سے بھی کچھ یاد آ رہا تھا۔

تب اس نے ایک مخصوص انداز میں گردن کو بائیں جانب ہلکا سا خم دیا۔ آنکھوں کی کیفیت میں بھی ایک نئی تبدیلی پیدا ہوئی اور یوں اُس کے لب گویا ہوئے۔

"اے شخص میں اُن لوگوں کے نام اور پتے جاننے کی کوشش نہیں کرتا جنہیں میں اپنے دشمنوں میں شمار کر لیتا ہوں لیکن اگر تو کہتا ہے کہ تیرا تعلق قبیلہ فسق سے نہیں ہے تو میں تیری بات سننے کے لئے تیار ہوں۔ شرط یہ ہے کہ میرے سامنے جھوٹ مت بولنا کیونکہ میرے جاننے والے تیرے سچ اور جھوٹ کی تمیز کر لیں گے اور میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں تیرے لئے اس سے بدترین موت کا انتخاب کر سکوں گا۔ لیکن یہ جان لے میرا غضب انتہا کو پہنچ جائے گا اور اس کے بعد تیرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اُس کا ذمہ دار تیرا جھوٹ ہی ہوگا۔"

"مجھے تیری یہ بات منظور ہے سلاطیس اعظم لیکن میری درخواست ہے کہ جو کچھ میں کہوں اس پر ذرا سا غور کرنا۔ اور اُس کے بارے میں ضرور سوچنا۔"

"ہاں کہو کیا کہنا چاہتا ہے!؟"

"سلاطیس اعظم میری خواہش ہے کہ تو اپنی عمر کے کچھ سال پیچھے لوٹ جا۔ اُن سالوں کا تعین میں پندرہ سے بیس سال تک کر سکتا ہوں۔ کیونکہ صحیح وقت مجھے یاد نہیں میں اُس وقت کا حوالہ ضرور دوں گا کہ جب تو اور تیری ماں ایک بستی میں پہنچے تھے۔ اور تیری ماں نے اُس بستی کے ایک گھر میں داخل ہو کر ایک عورت سے کہا تھا کہ وہ تم سے اپنے گھر میں پناہ دے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اور اُس کا بیٹا بھوکا ہے چنانچہ اُنہیں کچھ کھانے کو دیا جائے لیکن اُس عورت نے انکار کیا۔ لیکن تو نے طیش میں آ کر اُس عورت کو زخمی کر دیا۔ پھر جب تم دونوں وہاں سے واپس ہوئے تو ایک لڑکا تمہارے لئے دودھ کی تونبی لے کر آیا تھا۔ اور اُس نے بھیڑوں کا دودھ اور شہد تمہیں دیا تھا جب یوں ہوا کہ تم نے اُس لڑکے سے کہا کہ آنے والا وقت تمہیں عظیم بنا کر پیش کرے گا۔ اور اس لڑکے کو اس خدمت کا صلہ ضرور دیا جائے گا تو اے سلاطیس اعظم کیا یہ ممکن ہے کہ تو اُس وقت کو یاد کرے۔ دودھ اور اُس شہد کی مٹھاس تیرے ہونٹوں میں محسوس کر کے تیرے اس حکم کو منسوخ کر دے جو تو نے ہمارے واسطے دیا ہے۔"

"ذہن پر زور دو عظیم سلاطیس کہ میرا نام بھی تیرے علم میں تھا اور مجھے لیپاس کہا جاتا ہے۔"

میں نے سلاطیس اعظم کو پریشان انداز میں داہنا گال کھجاتے دیکھا۔ اُس کی نگاہیں مجھ پر گڑی ہوئی تھیں۔ اور رفتہ رفتہ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس بار اُس نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے تھے اور پھر اُس کی آواز اُبھری۔

"آہ لیپاس، میں اُنہیں کبھی نہیں بھول سکتا جنہوں نے زندگی میں میرے ساتھ تھوڑا سا بھی بہتر سلوک کیا ہے ہاں میرے دوست مجھے یاد آ گیا کہ تو وہی ہے۔ بیشک اس سے پہلے میں نے تیرے خدوخال پر غور نہیں کیا تھا۔ لیکن جب تو نے مجھے کوئی بھولی بسری کہانی یاد دلانے کی کوشش کی تو میں نے بھی سوچا کہ یہ خدوخال آنکھوں سے مانوس معلوم ہوتے ہیں اور میری آنکھوں نے جواب دیا کہ یہ حقیقت ہے اور مجھے یاد آ گیا۔ بیشک تیرا احسان مجھ پر قرض ہے۔ اور جو عظیم ہوتے ہیں وہ قرض کی ادائیگی فرض سمجھتے ہیں سپاہیو پیچھے ہٹ جاؤ۔ یہ شخص قابل احترام ہے ہمارے لئے کہ اس نے سلاطیس اعظم کی بھوک مٹائی تھی اپنی ماں کو بھی ناراض کر کے۔"

"نوجوان ہم نے ایک عہد اور بھی کیا تھا بہتر ہوا کہ تو نے وہ عہد ہمیں یاد کروا دیا۔"

اس کے بعد سلاطیس اعظم نے اپنے سپاہیوں کو میرے لئے احکامات دیئے۔

اور اُس کے عظیم الشان جھونپڑے کے قریب ایک جھونپڑا میرے لئے خالی کر دیا گیا۔ مجھے اور علایہ کو اس جھونپڑے میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں آرائش کے تمام سامان موجود تھے۔ گویا بُرا وقت ٹل گیا تھا اور اگر وہ سب کچھ نہ ہوتا جو بیس سال قبل میں نے کیا تھا میری ماں نے مجھے اس کی سرزنش کی تھی اور میرا باپ میرا دشمن ہو گیا تھا اُس کے صلے میں یہ بھی نہ ہوتا جو اب ہوا تھا۔

علایہ اور میں ایک بار پھر زندگی کی جانب لوٹ آئے تھے۔ علایہ کا جسم ہلکان ہو رہا تھا۔ خوف سے اس کے جسم میں تھرتھری پھیلی ہوئی تھی۔ رنگ زرد ہو چکا تھا۔ موت کا خوف بار بار اُس کی آنکھوں میں اُتر آتا تھا اور اب جبکہ ہم زندگی کی جانب لوٹ آئے تھے۔ سو کم از کم میری بہن کو یہ یقین نہ تھا کہ زندگی مل سکے گی سلاطیس کی وحشی فطرت میرے علم میں بہت پہلے آ چکی تھی۔ آج بھی میں نے اُسے اسی طرح

وحشی دیکھا تھا۔ بلکہ اب اُسے لشکرِ جرار کی طاقت بھی حاصل تھی۔

لیکن سلاطیبس نے یہ طاقت کس طرح حاصل کی اور وہ سب کچھ کر دکھایا جس کا اعلان اُس نے نوعمری میں کیا تھا۔ جس میں لڑکے احمقانہ گفتگو کرتے ہیں اور خود کو چشمِ تصور میں اُن بلندیوں پر پاتے ہیں۔ جن تک پہنچنا اُن کے کمزور پیروں کے بس میں نہیں ہوتا۔ لیکن جو عظیم ہوتے ہیں وہ سب کچھ کر دکھلاتے ہیں جو اُن کے ذہن میں ہوتا ہے۔

اتنا اندازہ میں نے ضرور لگا لیا تھا کہ سلاطین کے دماغ میں جو جذبۂ انتقام پرورش پا رہا تھا وہ یقیناً اور رنگ لائے گا اور اُس کی موجودہ مثال میرے سامنے موجود تھی۔

یہ بات بھی میرے علم میں آچکی تھی کہ اپنی گزرگاہ پر میں نے جس لوٹتے ہوئے قبیلے جلے ہوئے کھیتوں اور بے پناہ لاشوں کو دیکھا تھا۔ وہ سلاطیبس کا ہی کارنامہ تھا گویا اُس نے اُس قبیلے کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ جس نے اُس کے باپ کے خلاف جنگ کی تھی۔ اور یہ بھی نہیں جانتا تھا میں کہ اس سے پہلے وہ اور کون کون سے قبائل کو ختم کر چکا ہے۔ ہاں لوسس اعظم کی مملکت میں جو خونریزی اُس نے شروع کی تھی اُس کے بارے میں اتنا ضرور کہا جا سکتا تھا کہ لوسس اعظم کے کانوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہو گی اور یقیناً وہ سلاطیبس کے بارے میں فکرمند ہو گا۔

گویا سلاطیبس کا شمار حکومت یونان کے باغیوں میں تھا۔ اور باغیوں کا اتنا بڑا گروہ اس سے پہلے کہیں نہیں، دیکھا گیا تھا۔ گویا اس کی ضربیں براہِ راست حکومتِ یونان پر پڑ رہی تھیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ میں ابھی تک ہنگاموں کی اس دُنیا سے دور اپنے علوم کی تکمیل میں مصروف تھا۔ کہ جو کچھ میں نے ابتک سیکھا تھا اُس کا استعمال اب تک کہیں نہ ہو سکا تھا۔ یعنی اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ میں نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں پایا تھا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ سلاطیبس کی دوستی میرے لئے کارآمد بن جائے۔ اور میں نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ جونہی فرصت ملی میں غور کروں گا کہ میرے مستقبل کا آغاز کیسے ہو۔

حالانکہ سلاطیبس کی وحشت اور اُس کی مستقل مزاجی اس بات کا اظہار کر رہی تھی کہ اُس کی ذہنی رو کسی وقت بھی پلٹ سکتی ہے اور وہ اپنے سب سے چہیتے شخص کو بھی قتل کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ گویا انتقام کے جنون نے اُسے عقل و فہم تو بخشی تھی لیکن اس حد تک کہ وہ اپنے دشمنوں کو کس قدر اذیتیں دیکر مار سکتا ہے اور ایسے شخص کی دوستی بھی دشمنی ہی کے مترادف تھی۔ لیکن ذرا سا سکون ملے تو اِن علوم کو بھی آزماؤں جو سلاطیبس کے دل میں گھر کر سکتے ہیں۔

ان ساری باتوں سے پہلے تو مجھے اپنی بہن علایہ کو دیکھنا تھا جو ابھی تک خوف سے زرد پڑی ہوئی تھی۔ اور جسے یقین نہ آرہا تھا کہ اُس کے برہنہ بدن سے لگے شہد پر چیونٹیاں نہیں رینگ رہیں۔ خونخوار چیونٹیاں جو بظاہر چھوٹے چھوٹے اور بے ضرر ہوتی ہیں۔ لیکن ننھے سے بدن میں اتنی قوت ضرور ہوتی ہے کہ وہ انسان کی کھال پھاڑ کر اُن کے گوشت میں گھس جائے اور پھر گوشت کے پار پہنچنے کی کوشش کرے۔ میں تصور کرتا تو یہ احساس خود مجھے اپنے بدن میں رینگتا محسوس ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ نہ تھا اور میں مرد تھا اس لئے اس احساس سے پیچھا چھڑانے میں زیادہ دقت نہ ہوئی۔ اور میں نے سوچا پہلے اپنی بہن کی خبر لوں اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

علایہ بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ اُس کا پورا جسم ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ خوف سے زرد چہرے نے اس کے حسین خدو خال کو ماند کر دیا تھا۔ اور اُس کی آنکھوں میں دھندلاہٹ رقصاں تھی۔ مایوسی کی نگاہوں سے اُس نے میری جانب دیکھا۔ پھر میں نے اُس کے شانے پر اور پھر ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ اور محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"علایہ میری بہن ہم پریشانی کی اُن حدود سے باہر نکل آئے ہیں جو چند لمحات قبل ہمارے گرد احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات ہماری ایک چھوٹی سی کوشش ہمارے مستقبل میں بہت بڑی معاون ثابت ہوتی ہے۔ سو جیسا کہ تم نے سنا کہ یہ شخص میرا ممنون تھا اور اسی ممنونیت کی بنیاد پر اس نے مجھے اپنے دوستوں میں جگہ دی ہے۔"

"مگر یہ کون ہے بیباس۔ مجھے تو یہ بڑا وحشی صفت انسان معلوم ہوتا ہے جیسے اس کی مہربانیاں کبھی ہمیں زندگیاں نہ بخش سکیں گی۔"

"تمہارا کہنا درست ہے علایہ۔ لیکن انسان اگر ذہانت سے کام لے اور تقدیر بھی اُس کے ساتھ ہو تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں جو اُس کے گرد احاطہ کئے ہوئی ہیں۔ فی الوقت ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے، تم اپنے ذہن سے خوف کا احساس نکال دو۔ اس وقت ہم اس طاقتور کے مہمان ہیں جو یقیناً اس ماحول میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے جس کا احساس تمہیں بھی ہو چکا ہوگا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے، لیکن کیا یہ ہمیں آزاد کر دے گا؟"

"یقیناً۔ ہمیں اگر آزادی نہ بھی ملی تو اس کے ساتھیوں کی حیثیت سے جگہ ضرور مل جائے گی۔ اور اُس وقت تک جب تک ہم اپنے لئے کوئی بہتر راستہ تلاش نہ کر لیں ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"دیوتا کرے ایسا ہی ہو" علایہ نے سہمے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"دیوتاؤں نے بلاشبہ ہم پر مہربانی کی ہے ورنہ اب تک ہم موت کی وادیوں میں جا چکے ہوتے۔"

"تو اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے لیپاس" علایہ نے اُمید بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہرگز نہیں، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اب ہماری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔" میں نے ہر ممکن طور پر علایہ کو تسلیاں دینے کی کوشش کی اور ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ علایہ کی حالت بہتر نظر آنے لگی۔

سو میرے دوستو۔ یہ تھے وہ واقعات جو مجھے اور میری بہن کو اس انوکھے شخص کے پاس لے آئے جس کا عروج سرزمین یونان پر سورج کی مانند چمکا اور جس نے نوسس اعظم کے تخت کو ہلا ڈالا۔ لیکن اس دور میں ایسے انوکھے اور ہزاروں واقعات پیش آئے جنہوں نے مجھے مزید مشکلات کا شکار کیا۔ یہاں تک کہ سرزمینِ یونان کے کاہن میرے خلاف کمربستہ ہو گئے۔"

"لیکن بہتر تو یہ ہوگا کہ تم مجھے میری کہانی اُسی انداز میں سنانے دو جس انداز میں مجھ پر سب کچھ بیتا تھا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ میں...."

خاتون صوفیہ چونک پڑی، ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ خالی خالی نگاہوں سے اطراف میں گھورنے لگے۔ وہ سحر جو ان کے ذہنوں پر طاری تھا چند لمحات کے لئے ختم ہوا۔ لیکن اس طرح جیسے شدید نشے کا عادی کوئی شخص نشہ ٹوٹ جانے کے بعد اس دنیا کو خالی خالی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔"

پھر اُن کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد اس انوکھے ماحول میں پہنچ جائیں جہاں کی کہانیاں اُن کی آنکھوں میں تھیں۔ جو اپنی نگاہوں سے یونان کے اُس عظیم فاتح کو دیکھ رہے تھے جس نے ہزاروں سال قبلِ مسیح میں یونان کی حکومت کو ہلا ڈالا تھا۔

یونان کے اُس دور کو دیوی دیوتاؤں کا دور کہا جاتا ہے۔ جب انسان توہمات میں گھرا ہوا تھا۔ ستارہ شناساؤں کی کمندیں آسمان پر پہنچیں۔ نجومی آنے والے وقت کی پیش گوئیاں ایسے کر دیا کرتے تھے۔ جیسے کوئی ہیروس کے گھر کا حال سنا دے۔

"یہ دور انتہائی پُرکشش تھا" ونسلا تاریخ کے یہ عظیم واقعات اُن کی نگاہوں میں اُسی طرح گھوم رہے تھے جیسے یا سکرین پر کوئی فلم دیکھ رہے ہوں۔

مادام صوفیہ نے کہا۔

"سنو لیپاس تمہاری کہانی کا کوئی حصہ ہمیں ناگوار نہیں گزرا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنی زندگی کے وہ تمام واقعات جو تمہارے ساتھ پیش آئے اُسی طرح ہمیں سناؤ جس طرح تم پر گزرے تھے۔ ہمیں اس بات سے انتہائی مسرت ہوگی۔"

قدیم یونان کے اس زندہ شخص نے مسکراتی نگاہوں سے اپنے مداحوں کو دیکھا اور بولا۔

"علایہ کے چہرے سے خوف کی چادر ہٹ گئی تو اُس کا حسن نمایاں ہو گیا۔ اور کیونکہ سلاطیس ہم پر مہربان ہو گیا تھا اس لئے شام کو ہمارے لئے عمدہ خوان آئے جن میں انواع و اقسام کی چیزیں تھیں۔ گویا یہ اُس دودھ کی توہین کا بدل تھا جو میں نے سلاطیس کو پیش کی تھی۔ لیکن یہ بدل صرف اتنا ہی نہ تھا جو لوگ عظیم ہوتے ہیں وہ چھوٹے سے احسان کو اپنی ذات پر مسلط کر لیتے ہیں اور کبھی نہیں بھولتے اور پھر یہ ان کی عظمت کا پیمانہ ہوتا ہے کہ وہ ان احسانات کا بدلہ کس طرح اُتاریں۔"

چنانچہ کھانے کے بعد ہمارے لئے نہایت نفیس لباس لائے گئے۔ اور علایہ کے لئے بھی اُس کے بدن کی مناسبت سے خوبصورت کپڑے موجود تھے۔ اور سلاطیس کی ان نوازشوں نے علایہ کے چہرے پر شگفتگی کی لہریں دوڑا دیں۔ اس نے بڑی دلچسپی سے سلاطیس کا بھیجا ہوا لباس پہنا اور معصومانہ انداز

میں مجھ سے بولی۔

"آہ۔ یہ لباس میری بچپن سے یہ خواہش تھی کہ میں ایسے لباس پہنوں لیکن میں نے تم سے اس کا تذکرہ یوں نہ کیا کہ تم مجھے یہ لباس فراہم نہ کر سکتے تھے۔ اور ہمیں وہی سب کچھ کرنا تھا جو ہم کر سکتے تھے لیکن یہ مہربان شہزادہ جس کی پیشانی پر چاند جھلکتا ہے اور جس کی سرخ آنکھوں میں نرمی ہو تو یہ دنیا کی حسین ترین آنکھیں کہلا سکتی ہیں۔ بہت ہی فراخدل واقع ہوا ہے۔ پر دیکھو تو اس لباس میں کیسی لگ رہی ہوں میں۔"

علایہ کی اس بات نے مجھے ایک لمحے کے لئے مضمحل کر دیا تھا لیکن مجھے ہر حالت میں اس کی خوشی عزیز تھی، خواہ کسی طرح نصیب ہوئی ہو۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پُر مسرت لہجے میں بولا۔

"ہاں علایہ اس لباس میں تم سلاطیس اعظم کے محل کی کوئی شہزادی معلوم ہوتی ہو۔ میں تو تمہیں دیکھ کر حیران ہوں۔"

"دوسرے بھی مجھے دیکھ کر حیران ہو جائیں گے اور خاص طور پر وہ شخص جو کچھ دیر پہلے میرے جسم میں بھالے اتار دینے کا حکم دے رہا تھا۔ اور پھر اُسے احساس ہوگا کہ میرا یہ بدن چیونٹیوں کے ستم کا شکار ہو جاتا تو کس قدر پُر ملال بات تھی۔ اور اب وہ مجھے دیکھے گا تو اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوگا کیوں میں سچ کہتی ہوں نا۔"

"ہاں علایہ بیشک جو کچھ تم نے کہا وہ سچ ہے لیکن ایک بات کا خیال ضرور رکھنا کہ سلاطیس وحشی صفت ہے اور اُس کے مزاج کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا ہر چند کہ میں نے چند لمحات اُسے دیکھا ہے لیکن اس کی فطرت کا تجزیہ میں نے اپنے علم کی روشنی میں کیا ہے۔"

"چنانچہ اُس کے سامنے تم احترام کے وہ تمام الفاظ استعمال کرنا جو تمہیں یاد ہوں۔ اور یہ اقرار کرنا کہ سرزمین یاحاز پر ایسا بانکا جوان ایسا بہادر اور ایسا حسین پہلے پیدا ہی نہ ہوا ہوگا اور نہ آئندہ پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ اس کی خوشنودگی ہماری زندگی کا باعث بنے گی اور اگر تم نے کوئی حماقت کی اور حد سے گزرنے کی کوشش کی تو حالات کے بگڑنے کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

میرے ان الفاظ سے علایہ کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے خوف کے آثار نمودار ہوئے۔ لیکن پھر اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر اتنی ہی سی بات ہے تو میں بیوقوف تھوڑی ہوں میں سب کچھ سنبھال لوں گی تم فکر نہ کرو۔"

یہ رات ہم نے بڑی سکون سے گزاری اور دوسری صبح ہم اُس وقت جاگے جب زور زور سے ڈھول پیٹے جا رہے تھے۔ ہم جاگے ہی تھے کہ ایک خادمہ جو معمولی سی شکل و صورت کی مالک تھی ہمارے جھونپڑے میں داخل ہوگئی اور اُس نے ادب سے کہا۔

"سلاطیس کے مہمان ہمارے محترم کیا تم صبح کا ناشتہ کرنے کے لئے تیار ہو۔"

"ہاں ہمیں ناشتہ پہنچا دیا جائے۔" میں نے جواب دیا تھا۔

ناشتے کے دوران خادمہ ہمارے درمیان ہی کھڑی رہی تھی کہ شائد ہم اُسے کسی اور چیز کے بارے میں حکم دیں۔ اور ڈھول کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ میں نے خادمہ سے اُس کے بارے میں دریافت کیا۔

"اے عورت یہ ڈھول کیسے بج رہے ہیں کیا یہ صبح کے نقارے ہیں یا کوئی اور معاملہ ہے۔" جواب میں اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، بلکہ چند قیدیوں کو اُن کے اختتام تک پہنچایا جا رہا ہے۔"

"قیدیوں کو۔"؟ میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ قیدیوں کو۔ اور جب عظیم سلاطیس کا دماغ بہتر ہوتا ہے اور صبح کی خوشگوار ہوائیں اُس کے ذہن کو تر و تازہ کر دیتی ہیں یعنی کوئی ایسا خواب اُس نے رات کو نہیں دیکھا ہوتا ہے جس میں انتقام کا جذبہ پنہاں ہو یا اُس کے لئے غصہ کا باعث ہو تو وہ قیدیوں کا کھیل کھیلتا ہے۔ یہ قیدی اُس کے لئے مخصوص رکھے جاتے ہیں تاکہ اُس کے مزاج کے مطابق اُن کا استعمال ہو سکے سو یہ ڈھول لشکر والوں کے لئے ہیں کہ وہ قیدیوں کے کھیل سے آگاہ ہو جائیں۔"

خادمہ کی اِس بات پر میں نے کچھ نہ کہا اور ہم دونوں ناشتہ سے فارغ ہوگئے۔ البتہ جب وہ چلی گئی تو علایہ کہنے لگی۔

"کیا اِس کھیل میں ہمیں شریک نہ کیا جائے گا الیاس؟"

"میں نہیں کہہ سکتا۔ ممکن ہے سلاطیس ہمیں بھی

دعوت دے۔"

"لیکن یہ کھیل کیا ہوتا ہوگا؟"

"علایہ جو کچھ بھی ہوتا ہوگا یقینی طور پر خوشگوار نہ ہوگا کیونکہ وحشی صفت انسانوں کا کھیل بھی کسی نہ کسی انسان کی زندگی سے کھیلنے کا کھیل ہوتا ہے۔ کیا تم خود کو اس ماحول میں ضم کر سکو گی۔ میرا مقصد ہے کہ بہتے ہوئے خون اور کٹی ہوئی گردنوں کو دیکھ کر تمہارے دل پر وحشت تو سوار نہ ہوگی۔ دراصل علایہ ہم جن لوگوں کے درمیان ہیں انہیں خون کا یہ کھیل بہت پسند ہے۔ چنانچہ ہمیں خود کو خون کے اسی رنگ میں رنگنا ہوگا جو ہمارے سامنے ہے۔ میں اپنی جانب سے تو قطعی خوفزدہ نہیں ہوں کیونکہ میری پوشیدہ صلاحیتیں مجھے اس بات کا احساس دلاتی رہتی ہیں کہ آنے والے وقت میں قتل و غارت گری سے واسطہ پڑا تو میں خود کسی سے پیچھے نہ رہوں گا۔ لیکن بس میں تمہاری جانب سے خوفزدہ رہتا ہوں۔"

"چنانچہ میری بہن تمہارے لئے اور خود میرے لئے بہتر بھی ہے کہ ہم خود کو مضبوط بنیادوں پر استوار کریں تاکہ ہمیں دقت پیش نہ آئے۔"

علایہ مسکرانے لگی اور پھر اس نے کہا۔

"میری جانب سے اتنے فکرمند نہ ہو لیپاس۔"

اور پھر یہی ہوا کہ یعنی دو خادم ہمارے سامنے آئے اور انہوں نے کہا کہ سلاطیس ہمیں طلب کرتا ہے۔

نئے لباس ہمارے جسموں پر تھے ہم ان خادموں کے ساتھ چل پڑے۔ یہ خادم ہمیں لئے ہوئے ایک ایسے احاطے میں پہنچ گئے جس میں لاتعداد افراد موجود تھے۔ دیوہیکل سلاطیس ایک نیزے کے سہارے پتھر کی ایک چٹان پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے قرب وجوار میں بےشمار افراد کھڑے ہوئے موجود تھے۔

ہم دونوں سلاطیس کے ساتھیوں کے ساتھ اس چٹان پر پہنچ گئے۔ سلاطیس بہت خوش نظر آرہا تھا کسی بات پر ہنستے ہوئے اس نے ہماری طرف دیکھا۔ پہلے اس کی نگاہ مجھ پر اور پھر علایہ پر پڑی اور دوسرے لمحے اس کی ہنسی سکڑ گئی۔ اس کا پھیلا ہوا دہانہ اپنی جگہ پر واپس آتا چلا گیا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی پُراضطراب کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

چند ساعت یوں لگا جیسے کہ وہ بالکل ساکت ہو کر رہ گیا ہو۔ میں خوف کی نگاہوں سے اس کی یہ کیفیت دیکھ رہا تھا نہ جانے ایسا کیوں ہوا تھا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ اپنی اصل کیفیت میں واپس آ گیا۔ اس نے ایک شخص کو اشارہ کیا اور اس شخص نے چمڑہ منڈھے ہوئے لکڑی کے دو ڈھول ہمارے سامنے رکھ دیئے۔ جو بیٹھنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

اور یہ اعزاز صرف ان لوگوں کو دیا جاتا تھا جو سلاطیس کے خاص مشیر یا اس کے پسندیدہ لوگ ہوتے تھے جب ہمارے بیٹھنے کے لئے یہ بندوبست کیا گیا تو سلاطیس کے لوگوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ ہم ایک نمایاں حیثیت کے مالک ہیں چنانچہ انہوں نے بھی ہمیں پُراحترام انداز میں جگہ دے دی تھی۔

سلاطیس کے اشارے پر ہم بیٹھ گئے اس کے بعد سلاطیس نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور ہم نے دیکھا کہ دو نوجوان پابہ زنجیر چلے آرہے ہیں۔ ان نوجوانوں کو احاطے کے اندر لایا گیا پھر وہ سلاطیس کے سامنے پہنچے اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھک گئے۔

سلاطیس نے عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور مخاطب ہوا۔

"ہاں تو فسق قبیلے کے کتو، تم وہ لوگ ہو جن کے اجداد نے میرے باپ کے خلاف نوسیس اعظم کی مدد کی تھی۔ ہاں کتو تم انہی کی اولاد ہو۔ اور فسق قبیلے میں سنا ہے کہ دلاور بہت کم پیدا ہوتے ہیں لیکن تمہاری شکلیں یکساں کیوں ہیں میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم ایک ہی شکل کے مالک ہو اس کی وجہ؟" سلاطیس نے کہا۔

اور وہ دونوں قیدی سیدھے ہو گئے۔ لیکن وہ اب بھی زمین پر ہی بیٹھے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"عظیم سلاطیس ہم دونوں جڑواں بھائی ہیں۔"

"جڑواں! گویا تمہاری پیدائش تم لوگوں کی ماں کے لئے بھی شدید تکلیف دہ رہی ہوگی۔ خیر خیر یہ اس کا مسئلہ تھا میں تم دونوں میں سے ایک کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں بتاؤ تم میں سے کون زندہ رہنا پسند کرے گا۔"

سلاطیس نے سوال کیا۔ تو ایک بھائی آگے بڑھ آیا لیکن دوسرے بھائی نے اسے پیچھے گھسیٹ لیا اور خود آگے بڑھ آیا۔

"کیا مطلب؟ تم دونوں زندہ رہنے پر جھگڑ رہے ہو؟"

سلاطیس نے پوچھا۔
"نہیں سلاطیس اعظم ہم موت کا خواہش مند نہیں" ان میں سے ایک بولا۔
"ہرگز نہیں سلاطیس میں پہلے مرنا چاہتا ہوں" دوسرے نے جواب دیا۔
"واہ واہ، گویا تم دونوں ہی موت کے خواہشمند ہو۔ یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اس میں دلیری کی جھلکیاں ہیں۔ پھر میں نے اپنے فیصلے میں تبدیلی کی اور یہ طے کیا کہ تم لوگ جنگ کرو گے، یعنی اگر تم" سلاطیس نے ایک کی جانب انگلی کر کے کہا۔
"اپنے بھائی کو زندہ رکھنا چاہتے ہو تو تم خارم قبیلے کے افراد سے جنگ کرو گے، اگر تم نے خارم قبیلے کے ایک فرد کو بھی مار دیا تو تمہارے بھائی کو آزاد کر دیا جائے گا۔"
اسی لمحے دوسرے آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں سلاطیس اعظم خارم قبیلے کے افراد سے میں جنگ کروں گا۔"
"اس کا فیصلہ صرف سلاطیس کر سکتا ہے۔ چلو تم بھالا لے کر میدان میں جاؤ۔" اس نے ایک شخص کو اشارہ کیا اور دوسرا کرب و اذیت سے اپنے ہاتھ ملنے لگا۔ اس کا بھائی مسکراتا ہوا میدان کی جانب چل پڑا۔
اسی وقت خارم قبیلے کا ایک اور قوی ہیکل جوان بھالا لئے ہوئے میدان میں آ گیا اور دونوں میں جنگ ہونے لگی۔ ایسی خونریز جنگ کہ نیزے کی انیاں نظر نہیں آتی تھیں۔
دونوں ایک دوسرے پر وحشیانہ حملے کر رہے تھے اور وہ شخص جو قیدی تھا خاموش کھڑا تھا۔ لیکن خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہی ہوا کہ اس کے بھائی نے خارم قبیلے کے فرد کو ہلاک کر دیا۔ اس کے نیزے کی انی خارم قبیلے کے فرد کی پسلیوں سے گزر کر زمین میں پیوست ہو گئی تھی۔ اور ایک دلخراش چیخ بلند ہوئی۔ اور اسی لمحے خارم قبیلے کے ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہوئے شخص پر حملہ کر دیا جو ابھی اپنا نیزہ بھی خارم قبیلے کے مردہ نوجوان کے بدن سے نہیں نکال پایا تھا۔
لیکن اسی بہادر نے ایک دوسرے فرد کے تیسرے وار کو کمال ہوشیاری سے خالی دیا اور پھر اسی کا نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے بدن میں پیوست کر دیا۔
"واہ۔ واہ۔" سلاطیس نے خوشی کا اظہار کیا۔ "یہ تو بہت دلچسپ بات ہوئی ہے، تمہارا بھائی تو بہت بہادر ہے"
چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ تمہاری جان بچ گئی۔" سلاطیس نے کہا۔
"سلاطیس اعظم، مقدس دیوتاؤں کے توسط سے میں تجھ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"
"درخواست کہو کیا کہنے کے خواہش مند ہو" سلاطیس نے کہا۔
"میرے بھائی نے دو آدمیوں کو ہلاک کر کے میری جان بخشی کرائی ہے، میری خواہش ہے سلاطیس اعظم کہ بہادر کو اس کا حق دیا جائے، دلیر میرا بھائی ہے، میں نہیں، چنانچہ قتل مجھے کر دیا جائے اور اسے یہاں سے جانے کی اجازت دے دی جائے۔" قیدی نوجوان نے غم انگیز لہجے میں کہا۔ اور سلاطیس خوفناک قہقہے لگانے لگا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اس کے لئے ایک شرط ہو گی۔"
"میں ہر شرط پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔"
"پھر تم آزاد ہو کیونکہ سلاطیس اپنا قول نہیں بدلتا، ہاں تمہارے بھائی کی آزادی کی صرف ایک شرط ہے، اور وہ یہ کہ وہ اس میدان میں دوڑے گا اور میرے پانچ آدمی اس کے پیچھے دوڑیں گے، وہ اس پر بھالے پھینک کر ماریں گے، اور اگر وہ ان بھالوں کا شکار ہو گیا تو مجبوری ہے اور اگر تقدیر نے اسے زندہ رہنے کا موقع دیا تو تم دونوں ہی آزاد ہو گے۔" سلاطیس نے کہا۔
اور دوسرے قیدی نے اداس نگاہوں سے سلاطیس کی صورت دیکھی اور پھر گردن جھکا کر رہ گیا۔ کہ جانتا تھا کہ سلاطیس جو کہتا ہے اس پر عمل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ ممکن نہیں ہوتا ہے۔
چنانچہ وہ اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور یہ شرط اس کے کانوں میں بتانے لگا، اس کے بھائی نے یہ شرط قبول کر لی تھی چنانچہ انہیں بھاگنے کے لئے راستہ دے دیا گیا۔
سلاطیس نے اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے مشیر سے کچھ کہا اور مشیر نے گردن ہلا دی۔ پھر اس مشیر نے پانچ آدمیوں کا انتخاب کیا۔ جنہیں اس نوجوان کے پیچھے دوڑنا تھا اور یہ پانچ آدمی بھالے لے کر تیار ہو گئے۔
تب ڈھول زور زور سے بجائے جانے لگے اور پھر وہ شخص بھاگ نکلا۔ اسے ایک مخصوص فاصلہ طے کرنے کے لئے کہا گیا۔ اور اس فاصلے کے بعد سلاطیس نے اپنے آدمیوں کو دوڑنے کا حکم دیا۔

سلاطیس کے آدمی اس شخص کے پیچھے دوڑنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ نگاہوں سے غائب ہو گیا کہ سلاطیس کے آدمی اسے نہ پا سکے۔

میں اور علایہ دہشت زدہ نگاہوں سے اس خونی کھیل کو دیکھ رہے تھے۔

میدان میں دو لاشیں پڑی تھیں اور ایک شخص سے زندگی اور موت کا کھیل کھیلا جا رہا تھا لیکن ذرا سی ہی دیر میں اس کھیل کا فیصلہ ہو گیا۔

تقریباً تھوڑی ہی دیر کے بعد سلاطیس کے آدمی واپس آ گئے۔

سلاطیس ہنس رہا تھا گویا اُسے اس خونی کھیل کے نتیجے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اور یہ بات تو ہمیں بعد میں ہی معلوم ہوئی کہ سلاطیس نے اپنے مشیر کے کان میں کہا تھا کہ اس شخص کو ہلاک نہ کیا جائے یعنی دوڑنے والے اُس شخص کو سرحد تک چھوڑ آئیں اور بھالے اس طرح ماریں کمان کے نشانے خطا ہوں اور اُس کے جسم پر نہ پڑنے پائیں یہ تھا سلاطیس کا کھیل۔

نہ جانے کیوں اس شخص کی زندگی بچ جانے پر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی اور شاید میری بہن علایہ کو بھی جو عجیب سی نگاہوں سے سلاطیس کو دیکھ رہی تھی۔ تب میں نے سلاطیس کو دیکھا اُس کی بڑی بڑی سُرخ آنکھوں میں اس وقت نرمی کی لہریں رقصاں تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے علایہ کے لئے اس کے دل میں کوئی خاص جذبات پیدا ہوئے ہیں۔

اس بات کے انکشاف میں سلاطیس جیسا بیباک آدمی بھلا کیسے تکلف سے کام لے سکتا تھا۔ چنانچہ جب ہم میدان سے چلے تو سلاطیس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی اور میری بہن علایہ کو بھی۔

اپنے خیمے میں لے جا کر اُس نے ہمیں عزت و احترام سے بٹھایا اور کہنے لگا۔

"حیرت کی بات یہ ہے لیپاس کہ تو وہ شخص نکلا جس نے بچپن میں میرے ساتھ احسان کیا تھا اور میں نے تجھے قول دیا تھا کہ جب میں عظیم ہو جاؤں گا تو تجھ پر مہربانی کروں گا۔ تیرا ساتھ دوں گا اور تیرے اس احسان کا جواب دوں گا اور بڑی ہی دلچسپ بات یہ ہے کہ تو مجھ سے اپنا احسان وصول کرنے آ گیا اور مجھے بھی خوشی ہے کہ میں نے تجھے پہچان لیا اور دروغ گو نہ سمجھا۔ لیکن لیپاس تیری بہن کو دیکھ کر میرے ذہن میں کچھ اور خیال آئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان رشتوں کو دوسری طرح استوار کروں۔ مجھے جواب دے کہ کیا تو اپنی بہن کو میرے حرم میں داخل کرنا پسند کرے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تیری یہ چہیتی بہن میری تمام بیویوں سے چہیتی بیوی ہو گی اور اسے ہر طرح کا عیش و آرام میسر ہو گا۔ میں نے یہ سوال تجھ سے اس لئے کیا کہ میں تجھے دوست گردانتا ہوں۔ اور میری خواہش ہے کہ میرے ساتھ رہ کر تو ان خواہشات کی تکمیل کر۔ جو تیرے دل میں ہیں تیرے ذہن میں ہیں۔ گویا تو جو حیثیت اختیار کرنا چاہتا ہے وہ میں تجھے اس رشتے کے تحت دیدوں گا۔ سو کیا کہتا ہے؟"

"لیکن بہتر یہی ہو گا کہ تو اس بات کا اقرار کر اور بخوشی علایہ کو میرے حرم میں داخل کرنے کا فیصلہ کر۔ اور اگر یوں نہ ہوا تو پھر یوں سمجھ کہ وہ ہو گا جو ہوتا آیا ہے۔ یعنی ہوتا یہ آیا ہے کہ سلاطیس نے جس لڑکی کو پسند کر لیا اُسے اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ اور اس کے بعد اُس کی وہ کیفیت نہ رہی جو بخوشی سلاطیس کی تحویل میں آ جانے والوں کی ہوتی ہے۔"

میں نے گہری نگاہوں سے سلاطیس کو دیکھا ایک لمحہ کے لئے سوچا اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے مسکراتے دیکھ کر سلاطیس بھی مسکرا دیا۔

"گویا تیرا فیصلہ میرے حق میں ہے۔" سلاطیس نے پوچھا۔

"ہاں سلاطیس، میں تو ہر حال میں تیری خوشی کا خواہاں ہوں۔ میری بہن تیرے حرم میں داخل ہو کر جو عزت پائے گی اُس کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"آہ۔ اس کا یہ مقصد ہے کہ تو سمجھدار نوجوان ہے۔"

"نہیں سلاطیس اس کا مقصد یہ ہے کہ تو عظیم ہے عظیم تر ہے۔"

سلاطیس میری اس بات پر ہنسنے لگا اور بولا۔ "لیکن کیا تیری یہ بہن۔ یہ بھی میرے حرم میں آنا پسند کرے گی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اُس نے علایہ کی طرف دیکھا اور میں نے بھی دیکھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے علایہ کے چہرے پر سُرخ و سفید جلد کے نیچے مسرت کی لہریں رقصاں ہیں اور یہ مسرت صرف اس بات کی تھی کہ وہ سلاطیس کو پسند کرتی تھی۔ تب میں نے کہا۔

"کیا تو نے علایہ کے چہرے سے اس بات کا اندازہ لگا لیا

ہے سلاطیس ۔“

”ہاں۔ اب مجھے کوئی تردد نہیں ہے۔“

”میں اس فیصلے سے خوش ہوں سلاطیس۔ تو نے یہ فیصلہ کر کے مجھے عزت بخشی ہے۔“

”اور تو نے بھی۔ جبکہ تو پہلے بھی میرا محسن تھا۔“

”میری تمام تر خدمات تیرے لئے حاضر ہیں سلاطیس“ میں نے کہا۔

”اور میں تیری پیشانی پر تیرا جگمگاتا ہوا مستقبل دیکھ رہا ہوں۔“ سلاطیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر محبت بھری نگاہوں سے علابہ کو دیکھنے لگا میری بہن شرما گئی۔ تب سلاطیس نے تالی بجائی اور اس کے خادم دست بستہ اس کے سامنے حاضر ہو گئے۔ تب اس نے یوں کہا۔

”معزز مہمانوں کے لئے مزید آسائشیں فراہم کی جائیں اور انہیں میری عقبی سمت والا جھونپڑا دے دیا جائے تاکہ ان کا تعلق مجھ سے رہے۔ اور وہ براہ راست مجھ سے اپنی فرمائشیں بیان کر سکیں۔“

خادم سر جھکا کر چلے گئے، میں نے پر تشکر نگاہوں سے سلاطیس کو دیکھا اور پھر اس سے کہا۔

”عظیم سلاطیس اگر وقت ہو تو میں تجھ سے مزید باتیں کرنے کا خواہش مند ہوں۔“

”تیرے لئے بہت وقت ہے میرے پاس، تو کہہ کیا کہنا چاہتا ہے۔“ سلاطیس نے محبت سے کہا۔

”میں اس دورانیے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں سلاطیس، جو میری اور تیری اس ملاقات سے لے کر اس وقت تک کا ہے۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ تجھ سے معلوم کروں کہ تجھے یہ عظمت کس طرح سے حاصل ہوئی۔“

سلاطیس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ چمکدار نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

”عظمت مجھے حاصل نہیں ہوئی، بلکہ یہ میری لونڈی تھی جو خود چل کر میرے قدموں میں آ گری، تو نہیں جانتا کیا میرا باپ بھی اتنا ہی عظیم تھا۔ اس کی فتوحات سورج کی طرح روشن ہیں۔ نوسس اعظم نے اگر بے شمار قبائل کو اکٹھا کر کے ایک ٹڈی دل لشکر نہ تیار کیا ہوتا تو شاید یونان کے گرد و نواح میں نصف میرے باپ کی حکومت ہوتی اور نوسس اعظم کا نام و نشان نہ رہتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ صرف میرا باپ ایک ایسی شخصیت ہے جو یونان کے نشیب و فراز، دریاؤں سمندروں اور پہاڑوں پر حکومت کرنے کا اہل ہے لیکن ہوا یوں کہ بے شمار قبائل متحد ہو گئے اور انہوں نے مل جل کر میرے باپ کے قبیلے کو ختم کر ڈالا اور اسی میں میرا باپ بھی مارا گیا لیکن مرتے وقت اس نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ نہ سہی اس کا بیٹا بالآخر ایک دن دیوی اور دیوتاؤں کی مدد سے یونان کی تقدیر کا مالک بن جائے گا، تو کیا سمجھتا ہے میری پشت پر ستارے ہیں اور یہ ساتوں ستارے ان دیوی دیوتاؤں کے وہ نشانات ہیں جو میری مدد پر آمادہ ہیں۔ اور بالآخر ان کی مدد سے میں ایک نہ ایک دن نوسس اعظم کو اس کے تخت سے اتار کر نیچے پھینک دوں گا۔ اور خود اس تخت پر قابض ہو جاؤں گا لیکن اس سے قبل کہ میں نوسس اعظم تک پہنچوں، میں چاہتا ہوں کہ گرد و نواح سے میرا نام اس کے کانوں میں پہنچتا رہے۔ وہ قبائل اپنی عظمت و عزت کھو بیٹھیں جو میرے باپ کے خلاف کمربستہ ہوئے تھے۔ اور نوسس اعظم تنہا رہ جائے۔ سو اسی کوشش میں آج تک مصروف ہوں اور قدم بہ قدم کامیابی حاصل کرتا جا رہا ہوں۔ تم نے میرے اس لشکر کو دیکھا، یہ جنگجو سب کے سب باسماز کے ہی نہیں بلکہ اور بھی چھوٹے چھوٹے قبائل ہیں یا وہ لوگ ہیں جو کہ پہاڑوں میں کسی قبیلے کے بغیر زندگی گزارتے تھے، لیکن اب ان سب کا قبیلہ ایک ہے اور اس قبیلے کا نام ہے سلاطین۔ ہاں میں تنہا نہیں ہوں۔ میں زمین ہوں، میں آسمان ہوں، میں ایک گروہ ہوں، میں ایک پورا قبیلہ ہوں اور اس قبیلے کو سلاطیس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔“

سلاطیس کی آواز میں ایک ایسی گرج ایک ایسی کھنک تھی، جو اس کے عزم کا پتہ دیتی تھی اور اس گرج اور کھنک سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا تھا کہ آنے والا وقت سلاطیس کا مطیع ہوگا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

”عظیم سلاطیس اس دوران میں نے بھی بہت کچھ سیکھا ہے۔ کیا تو میرے ان علوم سے استفادہ حاصل کرے گا؟“

”وہ کیا۔؟“ سلاطیس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بس میں نے پراسرار علوم سیکھے ہیں، میں خود کو ان کا ماہر تو نہیں کہتا، لیکن میں چند باتیں تیرے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

"ضرور ضرور مجھے مسرت ہوگی۔" سلاطیس نے کہا۔
"میں تیرے مستقبل کی پیش گوئی کر سکتا ہوں۔"
"یہ کوئی بات نہ ہوئی، میپاس! میں اس پر یقین نہیں کرتا۔ میرا مستقبل میری مٹھی میں ہے۔" سلاطیس نے اپنی بند مٹھی میرے سامنے کر دی۔ اور پھر بولا۔ "میں جس طرح بھی اسے پسند کرتا ہوں اسے حاصل کرنے کی دسترس رکھتا ہوں۔"
"بے شک تو ایسا ہی ہوگا، لیکن میں اس وقت کی پیش گوئی کروں گا جب تیرا سورج عروج پر ہوگا۔"
"میں تجھے اس کا موقع ضرور دوں گا لیکن ابھی نہیں مجھے صرف اس بات کے بارے میں بتا کہ تیری بہن علایہ کے ساتھ میرا وقت کیسے گزرے گا۔؟"
میں نے مسکرا کر علایہ کی جانب دیکھا، اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ گویا اس کی نگاہوں میں بھی سلاطیس کے لیے محبت کے جذبات موجود تھے۔
سو میں نے پانسے نکالے اور زمین پر بیٹھ گیا، زمین پر بیٹھ کر میں نے پانسے پھینکے اور حساب لگاتے ہوئے سلاطیس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ بھی دلچسپ نگاہوں سے میری اس کاروائی کو دیکھ رہا تھا۔ تب میں نے اس سے کہا۔
"سلاطیس علایہ کے ساتھ تیرا مستقبل انتہائی خوشگوار ہوگا اور بھروسہ کر اس بات پر کہ علایہ کے بطن سے تجھے ایک ایسا فرزند ملے گا۔ جس کا نام تیرے نام کی مانند روشن ہوگا۔ اور یقیناً میری اس پیش گوئی پر تجھے خوشی ہوگی۔"
"ہاں مجھے خوشی ہوئی، ہر چند کہ یہ مستقبل کی بات ہے لیکن اس سے ہٹ کر ہے جو میرے ذہن میں ہے۔"
"یعنی۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔؟
"میں یہ تو جانتا ہوں کہ آنے والے وقت میں نوسس اعظم کی حکومت میری اپنی ہوگی۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس حکومت کا وارث کون ہوگا، اس کی خوش خبری تو نے مجھے دی اور میں نے پسند کی اور اس بات پر میں تیرا منہ زر و جواہر سے بھر دوں گا۔" سلاطیس نے کہا۔
"نہیں سلاطیس مجھے تیرا قرب حاصل ہو گیا اور میرے لیے تیرا قرب کسی زر و جواہر سے کم نہیں ہے۔"
"میں نے تیری یہ بات بھی پسند کی۔ بہتر یہ ہے کہ اب آرام کر اور اس بات پر اپنی بہن سے مشورہ کرے کہ وہ آنے والے وقت میں میرے ساتھ کس طرح زندگی گزارے گی۔"
چنانچہ میں سلاطیس سے رخصت ہو کر اپنے اسی ہی جھونپڑے میں آ گیا۔ جسے نیا تیار میرے لئے آراستہ کیا گیا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ دراصل یہ میرے لئے نہیں بلکہ سلاطیس کی بیویوں کے لئے شایان شان تیار کیا گیا تھا۔ نئے وقت کے نئے لوگ میرے ساتھیو، میرے دوستو میری کہانی میں وہ تمام تفصیلات موجود ہیں جن کی پیشنگوئی میں نے اپنی علم کی مدد سے کی تھی اور جو حرف بحرف درست ثابت ہوئیں۔ لیکن اس میں چند ایسی باتیں نہیں تھیں جو آنے والے وقت میں پیش آئیں۔
"جیسا کہ میں نے تم لوگوں کو بتایا کہ سلاطیس نوسس اعظم کا باغی تھا اور جو قبیلے اس کے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے یقیناً اس تباہی کی داستان نوسس اعظم کے کانوں تک پہنچ چکی ہوگی اور نوسس اعظم ان سے بے خبر نہ ہوگا۔ یقینی طور پر وہ اس باغی کی سرکوبی کیلئے کوئی موثر طریقۂ کار سوچ رہا ہوگا۔
"سلاطیس نے اس وادی میں اپنا مسکن بنایا تھا۔ جھونپڑے تیار کرائے تھے۔ پہلے میں نے یہی سوچا تھا کہ ان جھونپڑوں میں اس کا مستقل قیام ہوگا اور یہاں رہ کر وہ قرب و جوار میں باغیانہ کاروائیاں کرتا ہوگا لیکن یہ حقیقت نہ تھی۔ اور اس کا اندازہ مجھے کچھ ہی عرصہ کے بعد ہو گیا تھا۔"
"سلاطیس درندہ صفت تھا۔ اس کی طبیعت کو بالکل قرار نہ تھا۔ ہمیشہ نت نئے وحشیانہ کھیل کھیلتا رہتا تھا۔ کبھی جنگلی جانوروں کو پکڑوا کر ان کے جسموں میں چربی ملواتا اور آگ لگوا دیتا۔ وہ جانور وحشیانہ طور پر دوڑتے اور اگر ان میں سے کسی کے زندہ بچ جانے کے امکانات ہوتے تو سلاطیس کے سپاہی ان کے بدن میں بھالے بھونک کر انہیں ہلاک کر دیتے۔"
"یہ وحشیانہ کھیل عموماً ہوتے رہتے تھے جن کا شکار کبھی انسان ہوتے اور کبھی جانور۔ اس کی اس فطرت سے اس کے تمام سپاہی بھی واقف تھے اور شاید ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ دوسرے دن کا سورج اُسے دیکھنے کو ملتا ہے یا نہیں۔"
"میں نہیں جانتا تھا کہ اہل یونان کی اس کے بارے میں کیا رائے تھی۔ یا وہ لوگ جو اُسے جانتے ہیں اس کے لئے دل میں کیا جذبات رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے وحشی اور درندہ صفت انسان کے لئے دل میں اچھے جذبات تو کوئی بھی

نہ رکھتا ہوگا۔ لیکن مجھے دوسروں کے حالات معلوم بھی نہ ہو سکے تھے۔"

"سو یوں اس خوبصورت وادی میں خوب گزر رہی تھی ہماری۔ سلاطیبس نے اس دن کے بعد سے آج تک علایہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ خود علایہ کے دل میں خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد سلاطیبس کے حرم میں داخل ہو جائے۔"

"سلاطیبس کی کئی بیویاں تھیں جو اس کے ساتھ دوسرے جھونپڑے میں رہتی تھیں، میں نہیں جانتا تھا کہ ان کے ساتھ سلاطیبس کا کیا گٹھ جوڑ ہے، کب اس کی ان سے ملاقات ہوتی ہے اور کب وہ اس سے ملتی ہیں۔"

"لیکن انہی دنوں ایک اور خاص واقعہ پیش آ گیا۔ ایک دن سلاطیبس کے مخصوص جھونپڑے کے احاطے میں میری ملاقات ایک شخص سے ہوئی جس کا نام مالینوس تھا۔

دبلے پتلے بدن کا یہ بوڑھا شخص جس کی آنکھوں میں بڑی مقناطیسی قوت تھی۔ مجھے دیکھ کر میرے سامنے رک گیا۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔"

"کیا تو ہی لیباس ہے؟" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

میں اخلاقاً اس کے سوال کا جواب دینے رک گیا۔

"ہاں میں ہی لیباس ہوں۔"

"اور تو ستارہ شناس بھی ہے۔"

"کسی حد تک، ہر چند کہ میرا علم ملکی نہیں ہے۔"

"میرے سامنے انکساری کی کیا ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو نے اپنی بہن کو سلاطیبس کے حوالے کرنے کے لئے کچھ پیش گوئی کی ہے۔"

"جو کچھ میں نے کہا ہے محترم مالینوس وہ غلط نہیں ہے۔"

"ہاں، لیکن میرا علم اس سلسلے میں کچھ اور کہتا ہے۔" مالینوس نے کہا۔

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بات تجھے بتانے کی نہیں ہے، بلکہ اس کے بارے میں سلاطیبس کو ہی بتایا جا سکتا ہے۔"

"تو بہتر ہوتا کہ تم مجھ سے اس کا تذکرہ ہی نہ کرتے۔" میں نے کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تو نے اگر اپنی بہن کو سلاطیبس کے حرم میں داخل کر دیا ہے تو، تو خود اس کا ہم نشین بننے کی کوشش مت کر۔ یہ کوشش تیرے حق میں بہتر ثابت نہ ہوگی۔"

میں نے اس شخص کی بات کو غور سے سنا اور محسوس کیا کہ جیسے وہ اپنے دل میں مجھ سے کینہ رکھتا ہو، لیکن میں سلاطیبس کے قبیلے میں کسی سے دشمنی نہیں چاہتا تھا، میرے حالات تو خود ناگزیر تھے۔ بلکہ پریشان کن تھے۔ میں ان حالات میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا، تب میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"بہتر ہوگا محترم مالینوس کہ یہ بات آپ سلاطیبس سے کریں کہ وہ مجھے اپنے دوستوں میں جگہ نہ دے۔"

"ہرگز نہیں، جو بات اس سے کہنے کی ہے، وہ میں اس سے کہتا ہوں اور جو بات تجھ سے کہنے کی ہے وہ میں تجھ سے کہہ رہا ہوں۔"

"گویا آپ کا خیال ہے کہ مجھے سلاطیبس کا ہم نشیں نہیں ہونا چاہئے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"لیکن میں اس سلسلے میں اس سے کیا کہوں گا؟"

"دیکھ نوجوان لیباس ہے نا تیرا نام، میری بات کو غور سے سن۔ اگر میرے یہ الفاظ تو نے سلاطیبس کے سامنے دہرا بھی دیئے تو سلاطیبس ہر شخص کے بارے میں سن سکتا ہے، میرے بارے میں نہیں، میں اسے اس کے مستقبل سے آگاہ رکھتا ہوں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت وہ مجھ سے زیادہ بھروسہ اپنے قبیلے میں کسی پر نہیں کرتا۔ البتہ میں تجھے اس مقام تک پہنچنے سے پہلے روکنا چاہتا ہوں جس کا تو خواہش مند ہے، اس لئے کہ میرا مقام سلاطیبس کی نگاہوں میں برقرار رہے۔"

"تیری بہن سلاطیبس کے حرم میں داخل ہو جائے گی، اس کے بعد بھی تجھے وہی مراعات حاصل رہیں گی جو تو چاہتا ہے، لیکن اگر تو نے اس سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کی تو پھر تیرے لئے اور تیری بہن کے لئے موت کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔"

"ٹھیک ہے میں سلاطیبس کی ہم نشینی میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"واہ اس کا مطلب ہے کہ تو ذہین بھی ہے۔" مالینوس نے مسکرا کر کہا۔ اور ایک جانب چلا گیا۔ میں اپنے جھونپڑے

میں واپس آکر اُس کے الفاظ پر غور کرنے لگا۔ وہ شخص شکل ہی سے مجھے چالاک نظر آتا تھا۔ نجانے کمبخت اپنے دل میں میرے لئے کینہ کیوں رکھے ہوئے تھا۔ میں تو یہاں کسی سے کینہ رکھنے کا روادار نہیں تھا۔ میرے متفکر چہرے کو دیکھ کر میری بہن علایہ نے پوچھا۔

"کیا بات ہے لیپاس، تم کچھ پریشان ہو؟"

"ہاں علایہ، میں پریشان ہوں۔"

"اِس کی وجہ؟"

"مختلف خیالات ہیں۔"

"کیا خیالات ہیں، میں بھی تو سُنوں۔"

"علایہ میں جانتا ہوں کہ تو خود بھی سلاطیس کو پسند کرنے لگی ہے اور اِس کے حرم میں داخل ہونے کی خواہش کرنے لگی ہے۔ لیکن سلاطیس بےشک درندہ صفت انسان ہے وہ فطرتاً بہت ہی وحشی ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب اِس کے اندر تبدیلیاں پیدا ہو جائیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں علایہ کہ ہم دونوں کی اِس مقبولیت سے یہاں بہت سے لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سلاطیس پر اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتے ہیں یقیناً یہ ہمارا تسلط پسند نہیں کریں گے ایسے ہی ایک شخص سے آج میری ملاقات ہوئی تھی۔"

"کون ہے وہ شخص؟"

"مالینوس۔"

"میں تو اُسے نہیں جانتی۔"

"ظاہر ہے تم اِسے کیسے جانتی ہوگی علایہ، تم یہاں کتنے افراد کو جانتی ہو۔"

"کسی کو بھی نہیں جانتی لیپاس۔" علایہ نے جواب دیا۔

"مالینوس کو ہمیشہ میں نے اِس مقام پر دیکھا ہے، جہاں سلاطیس کے مشیرانِ خاص بیٹھتے ہیں۔ یعنی اِس کے داہنے ہاتھ پر بالکل اُس کے نزدیک، اِس سے مجھے اُس شخص کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اِس سے قبل میں نے کبھی کسی شخص پر غور نہیں کیا تھا۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے مالینوس کو میری وجہ سے اپنی حیثیت خطرے میں نظر آنے لگی ہو۔"

"تو پھر؟"

"بس اُس نے مجھ سے بات کی تھی۔"

"کیا؟"

"اُس نے مجھ سے کہا علایہ کہ میں اتنی بلند پرواز نہ کروں کہ اُسے میری جانب متوجہ ہونا پڑے۔"

"ہوں۔ تم سلاطیس سے یہ بات کہہ سکتے ہو؟"

"نہیں۔"

"اِس کی وجہ؟"

"تم نہیں سمجھو گی علایہ۔ سلاطیس عجیب سی فطرت کا آدمی ہے۔ افسوس کی بات تو یہی ہے کہ اُس شخص کو اپنا دوست سمجھنے کے باوجود کہ ہم پر اُس کی بے پناہ عنایتیں ہیں لیکن پھر بھی ہم اُس پر یہ بھروسہ نہیں کر سکتے کہ جو کچھ وہ سنے گا وہ اُس کی پسند کے مطابق ہی ہوگا۔ میں خود بھی اُس سے گفتگو کرتے ہوئے محتاط رہتا ہوں نجانے کس فطرت کا انسان ہے یہ۔"

"بظاہر تو اتنا بُرا نہیں لگتا۔" علایہ نے کہا۔ اور میں اِس کی شکل دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

میں جانتا تھا کہ علایہ سے ابھی سلاطیس کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ سلاطیس کی اِس خواہش کے بعد علایہ کی نگاہوں کا مفہوم ہی بدل چکا تھا۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا۔ اور اِس کے بعد میں نے علایہ سے اِس سلسلے میں کوئی بات نہ کی۔ البتہ دل ہی دل میں، میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ علایہ کچھ بھی کہے اور سلاطیس ممکن ہے اِس بات کو پسند نہ کرے لیکن میں مالینوس کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔ کیونکہ اکثر میں نے سلاطیس اور مالینوس کو ایک دوسرے کے نزدیک چہرہ کئے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اِس سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ مالینوس سلاطیس کا بہت ہی قریبی ساتھی ہے۔ اِس دوران مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ بےشمار افراد جو یہاں سلاطیس کے مشیروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور منجم بھی تھے یعنی پیش گوئیاں کرتے رہتے تھے۔ ستاروں کے بارے میں اور اُسے اُس کے آئندہ اقدامات کے بارے میں بتایا کرتے تھے وہ سلاطیس کے غضب کا شکار ہوتے تھے اور اب اُن کی ہڈیوں تک کا پتہ نہیں تھا۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن ایسا آتا تھا جب سلاطیس کا دماغ تکدر کا شکار ہوتا۔ وہ اُداسی محسوس کرتا اور اِن منجموں کو بھالوں سے چھید چھید کر رکھ دیتا جو اُس کے مشیر ہوتے تھے۔"

"ہر عہدہ جتنا بڑا اور منافع بخش ہوتا تھا اتنا ہی خطرناک بھی، میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ مالینوس کی کیا کیفیت تھی۔ لیکن بہرصورت مالینوس اُس کے غضب سے بچا ہوا تھا۔"

"پھر ایک دن میں نے سلاطیس کو غیض و غضب کے عالم میں دیکھا اِس کے ہاتھ میں بھالا تھا اور وہ ایک اُونچی چٹان پر کھڑا خونخوار نگاہوں سے دُور دُور تک دیکھ رہا تھا۔ میں نہیں

سمجھ سکا کہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن بہر صورت میں نے اُس کے سامنے جانا مناسب خیال نہیں کیا۔ البتہ مالینوس آہستہ آہستہ اُس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

پھر اُس نے سلاطیس سے کچھ کہا اور سلاطیس اُسے برہمی سے جواب دینے لگا۔ مالینوس کی گردن جھُک گئی تھی لیکن اُس رات ایک اور تماشہ ہوا۔ سلاطیس بالکل بدلے ہوئے انداز میں اپنے عقبی جھونپڑے یعنی ہماری رہائش گاہ میں پہنچا۔ اور علایہ کی جانب دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

"لڑکی جیسا کہ مجھے تیرا نام معلوم ہو چکا ہے کہ علایہ ہے اور جیسا کہ میں نے تیرے بھائی سے کہا اور اُس نے تسلیم کیا کہ تو میرے حرم میں داخل ہوگی سو وقت آگیا ہے اور میں تیرے بھائی لیپاس سے تجھے اپنے حرم کے لئے طلب کرتا ہوں۔ لیپاس کیا خیال ہے تیرا۔" میں نے ہونٹوں پر مسکراہٹ پیدا کر کے کہا۔

"مقدس سلاطیس، عظیم سلاطیس، میں نے پہلے بھی اسے تیری ملکیت سمجھ لیا تھا اور آج بھی یہ تیری ملکیت ہے میں اس کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دیتا ہوں۔"

"اور یہ عظیم دستور ہی رواج تھا اُن دنوں کسی ایسے بڑے شخص کا کسی عورت کو اپنے حرم میں داخل کرنے کا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑتا اور وہ اس کی ملکیت بن جاتی۔ سو میں نے علایہ کا ہاتھ پکڑ کر سلاطیس کے ہاتھ میں دے دیا اور اُس نے مسکرا کر میری پیشانی کو بوسہ دیا۔

"میں تیرا یہ تحفہ قبول کرتا ہوں اور تو بھروسہ کر یہ میری آنکھوں کا نور رہے گی۔ سو اُس کے بعد وہ علایہ کو خراماں خراماں اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن یہ بات میں نہ سمجھ سکا تھا کہ دن میں اُس کی برہمی کس وجہ سے تھی۔ البتہ دوسرے دن اس سلسلے میں مجھے معلومات ہو گئیں۔"

"جنگ۔ جنگ، جنگ۔ وہ جنگوں کا دور تھا۔ اور سلاطیس جنگ کرنا جانتا تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں گدھ اس کی فوج کے ساتھ پرواز کیا کرتے تھے۔ لکڑ بھگوں کے گروہ کے گروہ اُس کے دستوں کے دائیں اور بائیں جھاڑیوں میں چھپتے چھپاتے چلا کرتے تھے۔ جس طرف فوجیں رُخ کرتیں آسمان پر گدھوں کے جھنڈ اور زمین پر لکڑ بھگوں کے غول نظر آیا کرتے تھے اور اُس کا ساتھ دیتے تھے اور مایوسی نہ ہوتی تھی سلاطیس کو، اور جب قبیلے سے سلاطیس کی فوجیں گزرتیں گدھوں اور لکڑ بھگوں کے لئے وسیع دسترخوان بچھاتی چلی جاتیں۔ اور ان کی خوب ضیافت ہوتی۔"

میں نے سلاطیس کی چیرہ دستیوں کا ایک نشان دیکھا تھا۔ یعنی وہ قبیلہ جسے فسق کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جسے نیست و نابود کر دیا گیا تھا۔ اس قبیلے میں موت کی رنگ آمیزی دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ سلاطیس کیا کرتا ہے۔ لیکن میں اس جنگ میں پہلی بار شریک تھا جو سلاطیس اب کرنے جا رہا تھا اور مجھے معلوم ہوا کہ سلاطیس کی برہمی کی وجہ کیا تھی۔

سلاطیس کے مخبروں نے اُسے آکر بتایا تھا کہ نوسیس اعظم کو اس کی اس رہائش گاہ کا پتہ چل گیا ہے جہاں وہ مقیم ہے اور اُس نے قبیلہ ماساس اور اربلاس کو متحد کر کے اپنی فوجوں کے ساتھ یہاں روانہ کر دیا ہے۔ اور نوسیس اعظم کی فوجیں خراماں خراماں اس طرف بڑھتی چلی آرہی ہیں گویا وہ حملہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

سو یوں ہوا کہ جب یہ رات ختم ہوئی اور صبح ہوئی تو سلاطیس کے افراد اپنا سامان باندھنے میں مصروف تھے۔ ان کے پاس گھوڑوں اور گدھوں کی کافی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس کے علاوہ کچھ ایسی گاڑیاں بھی بنائی گئی تھیں جو قدیم یونان کی نمائندگی کرتی تھیں۔ اور ان گاڑیوں میں عورتوں اور بچوں کو بٹھا دیا گیا تھا۔

سلاطیس پورا شہر لے کر اپنے ساتھ چلتا تھا اور اس وقت اس کا یہ شہر رخت سفر باندھ رہا تھا لیکن مجھے تعجب تھا کہ ان جھونپڑوں کا کیا ہوگا۔ کیونکہ سلاطیس انہیں بھی خالی کر رہا تھا۔

تب میں نے دیکھا کہ سلاطیس کو نہ صرف دوسرے قبائل کی بستیاں جلانے کا شوق ہے بلکہ وہ اپنی بستی کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا اور میرے لئے یہ تعجب کی بات تھی۔

ہوا یوں کہ جب ہم وہاں سے تقریباً سو نیزوں کے برابر دور نکل آئے تو میں نے ان جھونپڑوں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ سلاطیس نے یہ جھونپڑے جلوا دیئے تھے۔ شاید اس کا ارادہ اس طرف دوبارہ آنے کا نہیں تھا۔ البتہ جو شخص میرے ساتھ چل رہا تھا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ سلاطیس ہمیشہ نئی بستیاں آباد کرتا ہے اور اُس کا رُخ آہستہ آہستہ نوسیس اعظم کی جانب ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن بالآخر وہ اس جگہ آباد ہو جائے گا جہاں نوسیس اعظم کا شہر ہے۔"

سلاطیس کو جن دو سرداروں کے اس طرف آنے کی اطلاع ملی تھی ان کے نام بطلیموس اور زراعن تھے۔
بطلیموس کا تعلق ماساس سے تھا اور زراعن اربلاس کا سردار تھا۔ سنایا گیا تھا کہ یہ دونوں سردار انتہا درجے کے جنگجو اور خطرناک ہیں اور پھر انہیں نوسس اعظم کی فوجوں کا تعاون حاصل ہے۔ یہ فوجیں انتہائی عمدہ سازوسامان سے اور ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر سلاطیس کی سرکوبی کے لیے آرہی ہیں۔ چنانچہ سلاطیس بہت خوش تھا۔

رات گذرنے کے بعد سے اب تک میں نے اپنی بہن کی شکل نہیں دیکھی تھی کیونکہ وہ گاڑیوں میں سلاطیس کے حرم کے ساتھ تھی اور اس کی حفاظت کرنے والے بے شمار افراد اس کے گرد پھیلے ہوئے تھے۔ سلاطیس کے حرم کی حفاظت کرنے کے لیے ایک خاص دستہ مقرر تھا۔ ویسے میں نے سلاطیس کی فوجوں میں ایک نظم دیکھا، سب سے آگے گھوڑ سوار جن کی برق رفتاری قابل دید تھی، ان کے پیچھے وہ لوگ تھے جو گدھوں اور خچروں پر سوار تھے۔ لیکن گدھوں پر اور خچروں پر وہ زیادہ تیز حرکت نہیں کرسکتے تھے۔ ان کے پیچھے فوجی تھے جو پیدل تھے، پیدل فوجیوں کے پیچھے مویشیوں کا باڑہ تھا جن میں گائے، بھیڑیں اور بکریاں وغیرہ موجود تھیں۔ اس باڑے کے پیچھے سلاطیس کا حرم تھا اور حرم کے پیچھے دوسری وہ عورتیں جو سپاہیوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن ان کی حفاظت کا بھی موثر بندوبست تھا۔ اس طرح یہ قافلہ رواں دواں تھا اور دیکھنے میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ یوں یہ سفر جاری رہا اور میدان اور جنگلوں سے گزرتے ہوئے بالآخر ایک ایسے ٹیلے کے سامنے پہنچ گئے جس کے درمیان ایک دریا بہہ رہا تھا اور اس ٹیلے کے دوسری جانب دونوں سرداروں کی فوجوں کا سمندر نظر آرہا تھا۔ ان کی تعداد سے میدان سیاہ ہو رہا تھا اور ان کی ٹوپیوں کے پر ہوا میں لہرا رہے تھے جیسے برف کے گالے۔

ہماری فوج دریا کے اس طرف تھی اور ہم دونوں کے درمیان دریا اور ٹیلہ ایک حد فاصل کا کام انجام دے رہا تھا یہاں سلاطیس کی فوجیں رک گئیں، شام ہو چکی تھی اس لئے فوری طور پر کچھ ایسے انتظامات کئے گئے جو رات گزارنے کے لئے تھے۔

پھر رات بھر سپاہیوں کا رت جگا رہا، یہاں تک کے بھوری صبح طلوع ہو گئی۔ جانوروں نے آوازیں نکال نکال کر صبح کا استقبال کیا۔

سپاہی بیدار تھے، وہ اُٹھے اور انہوں نے اپنے جسم اور ڈھالوں پر سے رات کی شبنم جھاڑی، اب وہ جنگ کے لئے تیار تھے، ہر سپاہی کے چہرے سے جوش ٹپک رہا تھا، جیسے جنگ کرنا ان کا مسلک ہو، ان کا شوق ہو سلاطیس کے جرنیل صفیں قائم کرنے لگے، سپاہی سینہ تان کر کھڑے ہو گئے، انہوں نے اپنے بھالے تھام لئے ہوئے تھے۔ اور بھالے آسمان کے تاروں کی طرح ان گنت تھے، صبح کی روشنی میں وہ تاروں ہی کی طرح چمک بھی رہے تھے، فرحت بخش ہوائیں چل رہی تھیں، سپاہیوں کے چہروں پر پھیلا ہوا جوش بڑھتا ہی چلا جارہا تھا، بالآخر ٹیلے کے عقب سے سرخ سرخ سورج طلوع ہوا اس کی کرنوں نے ڈھالوں کو بھی سرخ کر دیا اور میدان جنگ میں بھی سرخی بکھر گئی، سپاہیوں نے یہ سرخی دیکھی اور جان لیا کہ موت کی سرخی ہے۔ لیکن وہ موت سے نہ ڈرتے تھے۔ چنانچہ ہنستے مسکراتے جنگ کرنے کے لئے بیتاب وہ پہلو بدل رہے تھے۔

جنگ قریب سے قریب تر تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اتنی بڑی انسانی جنگ میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں میں نے محسوس کیا کہ سلاطیس دریا کی دوسری جانب بلند ٹیلوں پر موجود فوجوں کو بغور دیکھ رہا ہے۔

میں اُس سے زیادہ دور نہ تھا اور اُس کی آواز سن رہا تھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ بدقماش مالینوس اُس کے بالکل ہی نزدیک موجود ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ مالینوس سلاطیس کا بہی خواہ نہیں ہے۔ لیکن نجانے کیوں مجھے یہ شخص مکار نظر آتا تھا۔

تب سلاطیس نے جھک کر مولینوس سے کہا۔

"تم نے دیکھا مالینوس یوں لگتا ہے جیسے ماساس اور اربلاس کی وادی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، یا پھر یوں لگتا ہے جیسے نوسس اعظم نے اپنی ساری فوجیں دونوں قبیلوں کی امداد کے لئے بھیج دی ہوں، اس سے زیادہ تو ہم نے کبھی فوجی قوت نہیں دیکھی تھی۔

"ہاں سلاطیس اعظم اس میں کوئی شک نہیں یہ تعداد ہمارے تصور سے کہیں زیادہ ہے۔"

"اس کے باوجود مالینوس گزرتے ہوئے وقت میں تم دیکھو گے کہ یہ تعداد کہاں غائب ہو جاتی ہے۔" سلاطیس

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اتنا اعتماد تھا اس کی مسکراہٹ میں کہ پہلے میں نے کسی جنگجو کے چہرے پر نہیں دیکھا تھا۔ ہر چند کہ میں نے جنگیں نہیں دیکھی تھیں لیکن جنگجوؤں کی زیارت تو کبھی نہ کبھی ہوئی ہی تھی۔

ہم انتظار کرتے رہے، ہماری فوجیں انتظار کرتی رہیں کہ اتنی بڑی حملہ آور فوجیں یقیناً آگے بڑھیں گی۔ لیکن سورج جب اور بلند ہوا تو سلاطیس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔

وہ آگے بڑھا ایک ٹیلہ پر چڑھا اور اس کی آواز وادی میں گونجنے لگی۔

"کہاں ہو نوسس کے کرایہ والو، کہاں ہو نوسس کے دسترخوان کی ہڈیاں چبنے والو، سامنے آؤ کیوں رکے ہوئے ہو۔ تم حملہ آور ہو اور ہم صرف اپنی حفاظت کرنے کے لیے یہاں تک پہنچے ہیں۔ تو کیا اے بزدل حملہ آورو، تم ہمیں انتظار ہی کراتے رہو گے، کیا وہ وقت نہ آئے گا جب تم آگے بڑھ کر ہماری فوجوں پر ٹوٹ پڑو گے۔ یا پھر یوں ہو گا کہ تمہیں بزدل پا کر ہم خود ہی آگے بڑھیں اور پھر تمہاری زندگیوں کا خاتمہ کر ڈالیں۔ یوں ہی لگتا ہے، یوں ہی لگتا ہے۔"

"تو یا سماز کے جیالو، اب تو یہی بہتر ہے کہ تم عورتوں کی اس فوج پر ٹوٹ پڑو اور اسے یہاں سے بھگا دو۔ چلو ٹھیک ہے آگے بڑھو، آگے بڑھو۔"

اور کالی ڈھالیں فوج سے الگ ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں وہ آگے بڑھ رہے تھے اور گھوڑے سوار دریا میں اتر چکے تھے اور دریا عبور کر رہے تھے۔

دوسری جانب بھی تحریک پیدا ہو چکی تھی اور میری نئی دنیا کے دوستو اس وقت بھی تم میری آنکھوں میں جنگ کے وہ مناظر دیکھ سکتے ہو، تم دیکھو اور غور کرو۔ یہ سلاطیس کی فوجیں ہیں جو دریا کو عبور کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہیں۔ اور دوسری طرف سے دونوں قبیلوں کے سردار بطلیوس اور زراعنی اپنی فوجوں کو منظم کر رہے ہیں۔ دیکھو ان کے قدموں سے زمین ہل رہی ہے اور دیکھو یہ دونوں فوجیں اب ایک دوسرے کے نزدیک پہنچ گئیں۔

کیا لوہے سے لوہا ٹکرانے کی آوازیں تمہارے کانوں تک پہنچیں۔ یہ شور سن رہے ہو۔ یہ بھالے بھالوں پر پڑنے کا شور ہے کھٹاک کھٹاک۔

جنگ شروع ہو گئی ہے۔ زور و شور سے شروع ہوئی ہے۔ یہ دیکھو کبھی سلاطیس کے جنگجو دونوں قبائل کے لوگوں کو پیچھے دھکیل دیتے ہیں اور کبھی وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ لیکن یہ کیا۔

"اوہو، تم دیکھ رہے ہو، یہ دیکھو، غور کرو سلاطیس کے سپاہی کس قدر پیچھے ہٹ رہے ہیں، لیکن نہیں، یہ تو ایک چھوٹا سا دستہ ہے۔ اوہو، یہ دستہ بدستور پیچھے ہٹ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نوسس اعظم کے سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ اوہو دیکھو، دیکھو۔ یہ دستہ کتنا پیچھے ہٹ آیا۔ شاید اس میں کافی قتل و غارتگری ہوئی ہے۔ اور اب وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ یہ کوئی جنگی چال معلوم ہوتی ہے کیونکہ دونوں سمتوں سے سلاطیس کے دوسرے جنگی سپاہی آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور انہوں نے پہلی لائن سنبھال لی ہے۔

اوہو، ذرا دیکھو تو سہی خون کس طرح اچھل رہا ہے۔ سر دھڑ اور گردنیں کس طرح فضا میں بلند ہو رہے ہیں۔ آہ یہ جنگ ہے یہ جنگ ہے۔ زمین لرز رہی ہے، بھالے بلند ہو رہے ہیں، آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں، بس یوں لگتا ہے جیسے ندی کا بند ٹوٹ گیا ہو۔

ان بادلوں کی طرح جو طوفان باد و باراں لئے ہوتے ہیں سلاطیس کے سپاہی آگے بڑھ رہے ہیں اور دشمن کو کچلتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ دشمن کے دستے سمٹ گئے ہیں۔

دیکھو سلاطیس کے لشکر کا آخری سپاہی بھی دریا عبور کر چکا ہے لیکن یہ ایک بہیمانہ کوشش ہے۔ سلاطیس کے سپاہی اپنے ہی سپاہیوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں وہ جو زخمی ہیں اور ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے ساتھیوں کو اپنی زندگی کی خبر سنا رہے ہیں۔ شاید ان سے مدد کے طلب گار ہیں کہ انہیں اٹھائیں اور زخمیوں کے خیمہ میں پہنچا دیں۔

لیکن اس وقت موقع نہیں ہے یا پھر سلاطیس کا حکم ہی نہیں ہے کہ مرنے والوں یا زخمیوں کے ساتھ کوئی رعایت کی جائے جو گھوڑے کی پشت سے گر پڑا۔ یا تلوار سے گھائل ہو گیا اس کی زندگی اب کسی بھی طور مناسب نہیں ہے۔

جنگ پوری قوت سے جاری ہے۔ اور اب وہ تصور ختم ہو گیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سلاطیس کے آدمیوں کو پیچھے ہٹنا پڑے گا بلکہ یقیناً وہ ایک جنگی چال تھی۔

ہاتھی ہاتھی سے ٹکرا رہے ہیں۔ ہر چیز سرخ ہو گئی ہے۔

دشمن پیچھے ہٹ رہا ہے اور اب اس کے پاؤں اُکھڑ گئے ہیں۔ وہ دیکھو بھاگنے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ کیا تم دیکھ رہے ہو۔ کیا تم میری آنکھوں میں خونریزی کا یہ منظر دیکھ رہے ہو۔ دیکھو غور کرو۔ غور کرو۔"

اس نے کہا۔ درحقیقت اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اتنی خوفناک آنکھیں ان لوگوں نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھیں۔ ان کے جسم لرز گئے۔

وہ پوری جان سے کانپنے لگا۔ خوف کا یہ منظر اتنا خوفناک تھا کہ رخشندہ کے حلق سے چیخ سی نکل گئی۔ اور وہ سب ہوش میں آ گئے۔ اس طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگے جیسے میدانِ جنگ سے واپس چلے آئے ہوں۔

لیکن اس کی آواز آہستہ آہستہ اُبھر رہی تھی۔ وہ ان سب سے بے خبر اپنی کہانی سنائے جا رہا تھا۔

"جب جنگ ختم ہوئی تو وادی خون کے تالاب میں تبدیل ہو چکی تھی اور سرخ تالاب میں سیاہ لاشیں تیر رہی تھیں بہت سے سپاہی فرار ہو چکے تھے اور جو بچ گئے تھے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور ان میں ان دونوں قبائل کے سردار بھی موجود تھے جنہیں سلاطیس کے سپاہیوں نے زنجیروں میں جکڑ لیا۔ سلاطیس کے سپاہی دشمنوں پر سے یوں گزر گئے جیسے جنگل میں سے آگ، انہیں ختم کر دیا گیا تھا۔ اور ان کے ساتھ لوسیس اعظم کے وہ بہادر بھی موت کے گھاٹ اُتر گئے تھے جو اعلیٰ ترین ہتھیاروں سے لیس ہو کر ایک باغی کو شکست دینے آئے تھے۔

سو یوں ہوا کہ سلاطیس کی فوجوں میں خوشی کے نقارے بجنے لگے اور اب انہیں کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ ان قبیلوں کی جانب بڑھنے سے۔ جن کے سردار اپنے بہترین لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے آئے تھے اور یوں موت کا یہ طوفان مجتمع ہو کر ان قبائل کی جانب بڑھنے لگا اور ماساس اور ارملاس میں جو لوگ موجود تھے اور خواہشمند تھے اس بات کے کہ ان کے سربراہ، واپس آ کر انہیں فتح کی خوشخبری سنائیں گے۔ لیکن وہ فتح بھی سلاطیس نے نگل لی تھی۔ اور اب وہ ان کی زندگیاں تباہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا اور میرا دل لرز رہا تھا۔

میں سوچ رہا تھا۔ کہ آگے ہمیں کیسے خونی مناظر سے گزرنا ہوگا، کیا کیا دیکھیں گے ہم اس دوران، لیکن سلاطیس کی آنکھوں میں وہی خونخوار عزم اور چمک تھی جو کسی فاتح کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ سوائے شام میں اس کے نزدیک موجود تھا اور وہ مجھے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بولا۔

"تو نے دیکھا لیپاس، سلاطیس کے سامنے آنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کے مفتوح کیسے کیسے دلچسپ مراحل سے گزرتے ہیں۔"

"ہاں سلاطیس تو فاتح اعظم ہے۔"

"لیکن یہ بھی تو سوچ لیپاس کہ تیرا منصب کیا ہے۔ کیا تو اس فاتح اعظم کے قریب ترین لوگوں میں سے نہیں ہے۔"

"بیشک۔ بیشک، میں اپنی خوش بختی پر پہلے ہی ناز کرتا ہوں، اور اب تو، تو نے مجھے وہ مقام دیا ہے سلاطیس جو بہت ہی کم لوگوں کو ملتا ہے۔ سلاطیس ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

"تو اس کا اہل ہے لیپاس۔"

"نہیں سلاطیس ایک معمولی سی بات پر اتنا بڑا منصب نہیں دیا جاتا۔" میں نے کہا۔

"معمولی سی بات، ہاں بات معمولی سی ضرور تھی لیکن لیپاس تو نے کسی معمولی آدمی کے لئے یہ کارنامہ انجام نہیں دیا تھا تو نے آنے والے کل کے ایک بہت بڑے فاتح ایک بہت بڑے بادشاہ کے لئے اپنی خدمات انجام دی تھیں۔ اور جو خدمات پیش کرتا ہے اسے اس کا صلہ ضرور ملتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ سلاطیس جو عظیم ہوتا ہے اُسے اپنی عظمت کا صلہ ضرور ملتا ہے۔" میں نے کہا۔

سلاطیس میری باتوں سے خوش نظر آ رہا تھا میں اگر چاہتا تو اس وقت مالینوس کا قصہ اُسے سُنا دیتا لیکن اس سلسلے میں تم لوگ مجھے بزدل بھی کہہ سکتے ہو اور مصلحت پسند بھی۔ میں نے اس وقت بھی موقع سے فائدہ نہ اُٹھایا اور اپنی بہن علایہ کے بارے میں سلاطیس سے پوچھا اور سلاطیس چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"کون علایہ، میں کسی علایہ کو نہیں جانتا۔" اور میرا منہ تعجب سے کھل گیا۔ مجھے حیران دیکھ کر سلاطیس نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"سن لیپاس حکومتیں حاصل کرنے کا طریقہ آسان نہیں ہوتا۔ میدانِ جنگ میں، میں صرف اپنے نیزا نی والے بھالے کو یاد رکھتا ہوں یا میرے سینہ کو بچانے والی جو ڈھال ہے اس کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میں کچھ سوچتا ہوں

تو اپنے مقابل آنے والے دشمنوں کے سینوں کے بارے میں کہ میں کون کون سے سینوں کے بارے میں کہاں کہاں اور کس طرح سوراخ کر سکتا ہوں۔ میدانِ جنگ میں مجھے عورت یاد نہیں رہتی۔ کیونکہ عورت شکست کا نشان ہوتی ہے۔

یہ تو سب میدانِ جنگ کے بعد کی باتیں ہیں۔ اب پہلے ہم یہاں سے ماساس اور پھر اربلاس جائیں گے۔ اس کے بعد جو تماشے تو دیکھے گا وہ یقیناً قابلِ دید ہوں گے۔" سلاطیس ہنسنے لگا لیکن میں اس کی آواز میں موت کی غرّاہٹیں محسوس کر رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ خونخوار بھیڑیے اپنے شکار کو تڑپ کرنے کے بعد خون آلودہ دانت نکال کر ہنستے ہیں اور میں اس بھیڑیے کو ہنستے دیکھ رہا تھا۔ ہماری منزل اب ماساس بستی یہاں کے لوگوں کی وحشت ناک موت ان کا انتظار کر رہی تھی۔

○

ماساس اور اربلاس کی کہانیاں ان کہانیوں سے مختلف نہیں ہیں جو سلاطیس سے منسوب تھیں۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے نوسس اعظم کا نظامِ جاسوسی بہتر نہیں تھا اور اس کے ہرکارے اسے بروقت اطلاع نہیں دیتے تھے۔

بے شک سلاطیس زورآور تھا اور پورے یونان میں اس وقت اس کی وحشت کا ثانی نہیں تھا۔ نوسس اعظم کے دربار کا حال تو مجھے معلوم نہیں تھا لیکن ماساس اور اربلاس نے اپنے آقا نوسس اعظم کی خواہش پر اپنی تمام قوت سلاطیس کے مقابلے پر جھونک دی تھی اور اس کا انہیں پورا پورا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سلاطیس نے دونوں قبیلوں کے مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بوڑھے بچے اور عورتیں بچ گئی تھیں تو ایک صبح انھوں نے ان سیاہ بادلوں کو دیکھا جو زمین پر امنڈ رہے تھے۔ اور یہ سلاطیس کا لشکر تھا۔ جس کا رخ ماساس کی جانب تھا۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ طوفان ماساس پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے ہی حملے میں ماساس کے جھونپڑوں کے درمیانی میدان لاشوں سے پٹ گئے۔ ان میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

سلاطیس ایک بلند پتھر پر اپنے نیزے کی انی سیدھی کئے کھڑا تھا۔ جب تک اس کے نیزے کا رخ آسمان کی طرف رہا قتل و غارت گری جاری رہی۔ خون اچھلتا رہا۔ پھر قہر و غضب کے بادل چھٹ گئے۔ سلاطیس کا نیزہ جھک گیا اور خونریزی بند ہو گئی۔

ماساس کی تھوڑی سی عورتیں اور لڑکیاں زندہ انہیں گھیر کر ایک طرف لے جایا گیا اور رسیوں میں قید کر دیا گیا۔ اس کے بعد ماساس کا نام و نشان مٹایا جانے لگا۔ جھونپڑوں میں آگ لگا دی گئی اور یہ آگ قرب و جوار کے ماحول کو نگل گئی۔

دونوں قبیلوں کے سردار قتل کر دیئے گئے تھے اور یہی سلاطیس کا وطیرہ تھا کہ وہ جن قبائل کو فتح کرتا ان کے سرداروں کے سر قلم کر دیتا۔ اور یوں جب قبیلوں کے سردار مارے جاتے تو وہ قیدی جن کا قتل لازمی ہوتا اور جنہیں اپنی موت کا پورا پورا یقین ہوتا اچانک اپنی جاں بخشی پر حیران رہ جاتے اور اس کے بعد ان بھٹکے ہوئے لوگوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہتا کہ وہ سلاطیس کے وفادار بن جائیں اور وہ سلاطیس کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے اور سلاطیس کمال مہربانی سے کام لے کر انہیں اپنی سپاہ میں شامل کر لیتا۔ ان کی تربیت کرتا اور کچھ عرصے بعد وہ اس کے جنگجو سپاہی بن جاتے۔

ماساس صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ سات دن تک اس کے جھونپڑے دھواں اگلتے رہے اور جب ہواؤں نے ان کی راکھ منتشر کر دی تو سلاطیس نے اربلاس کے بارے میں یوں گلفشانی کی۔ "دیویوں اور دیوتاؤں نے نوسس اعظم کی عظمت میں سیاہ داغ منتخب کئے ہیں اور ہوتا یوں ہے کہ جب پہاڑوں کی چوٹیوں اور آسمان کی بلندیوں پر رہنے والے کسی سے ناخوش ہوتے ہیں اور اسے اس کے منصب سے ہٹانا چاہتے ہیں تو وہ اپنے سائے میں ایک وجود تخلیق کرتے ہیں۔ اسے قوتیں بخشتے ہیں اور پھر ان قوتوں کو منتشر کر دیتے ہیں کہ وہ پہلے اس کی عظمت کے چراغ بجھائیں۔

سو دیکھا تم نے۔ نوسس اعظم کے تخلیق کردہ قبائل فنا ہو گئے اور کامرانی اسے ملی جس پر دیوتاؤں کا سایہ ہے۔ یعنی میں۔ اور ماساس کی راکھ فضاؤں میں منتشر ہو گئی۔ لیکن ابھی اربلاس باقی ہے۔ یوں ہوگا کہ اربلاس کی تباہی کے بعد ہم ان قیدیوں کی تقدیروں کا فیصلہ کریں گے جو جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں۔ چنانچہ اربلاس کی طرف کوچ کی تیاریاں کر دو۔"

لشکرِ عظیم نے فتح کے نعرے لگائے۔ وہ خود اربلاس کی جانب سفر کے لئے بے چین تھے اور بس سلاطیس کے حکم کے منتظر تھے۔ چنانچہ ان میں ہلچل مچ گئی۔

قیدیوں کے دو گلے بنائے گئے۔ جن میں ماساس اور اربلاس قبائل کے جوان تھے اور ماساس کی جوان عورتیں الگ تھیں جو اس فوج کے ساتھ قیدیوں کی حیثیت سے سفر کر رہی تھیں۔
چنانچہ اس طوفانِ عظیم کا رخ اربلاس کی جانب ہو گیا۔ اور دن رات سفر ہونے لگا۔ کیونکہ اربلاس ماساس سے کافی فاصلے پر تھا۔
میں عموماً سلاطیس کے قریب رہتا تھا اور سلاطیس بدستور مجھ سے محبت اور مہربانی سے پیش آتا تھا۔ میں نے اس پر ابھی تک اپنی ذات کا کوئی بوجھ نہیں ڈالا تھا۔ بس یہ اس کی محبت تھی کہ وہ مجھ سے اس قدر قربت رکھتا تھا۔ لیکن مالینوس کی آنکھوں میں میں نے ہمیشہ آگ سلگتے دیکھی حالانکہ سلاطیس کے مشیروں میں اور بھی لوگ تھے۔ اور وہ سب ہی سے اپنے معاملات میں مشورے کرتا رہتا تھا۔ مالینوس بھی ان میں شامل تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ مجھ سے اس قدر پرخاش رکھتا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ بارہا میں نے اپنے ذہن میں سوچا کہ اس سے اس سلسلے میں بات کروں گا لیکن ابھی تک اس کا موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ دن رات کے سفر سے لشکر میں جب کسی حد تھکن کے آثار نمودار ہوتے تو چند گھنٹوں کے لئے سلاطیس کہیں قیام کر لیتا تھا۔
ایسے ہی ایک پڑاؤ میں اتفاقیہ طور پر اس وقت جب میں فرصت سے اپنی چھولداری کے عقب میں بیٹھا ہوا تھا میری ملاقات مالینوس سے ہو گئی۔ جو اسی جانب سے گزر رہا تھا۔ میں نے دوستانہ انداز میں اسے آواز دی ــــ "مالینوس ــــ" اور وہ میرے نزدیک آ گیا۔
"کیا بات ہے؟" اس نے سرد اور بھاری لہجے میں پوچھا۔
"کوئی بات نہیں، بس تم سے کچھ گفتگو کرنے کا خواہش مند ہوں۔"
"اوہو۔ شاید اس وقت سلاطیس اپنی خلوت میں ہے ورنہ عموماً تم اس کا پیچھا کب چھوڑتے ہو۔" مالینوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"یہ تو مالینوس کی عظمت اور مہربانی ہے کہ وہ مجھ جیسے ناچیز کو اس قدر اہمیت دیتا ہے ورنہ میں کس قابل ہوں اور تم جیسے صاحب علم لوگوں کی موجودگی میں تو میں بالکل ہی ناکارہ ہوں۔"
"شاید اس میں کوئی شک نہ ہو لیکن تم بے حد چالاک ہو۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ میرے ان الفاظ پر تم اس بات کا اظہار کرتے کہ تمہیں سلاطیس کی قربت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ خود ہی تمہارے پیچھے لگا رہتا ہے۔ لیکن تمہاری شخصیت نے یہ بات گوارا نہیں کی۔ اور تم نے نہایت خوش اسلوبی سے بات کا رخ یوں بدل دیا۔ تم بے حد چالاک ہو لیکن تمہاری یہ چالاکی کب تک کام آئے گی۔" مالینوس نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔
"بیٹھو مالینوس۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"
"کہو کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"
"صرف یہ کہ جو کچھ تمہارے ذہن و دل میں بھرا ہوا ہے نکال باہر کرو۔"
"کیا مطلب؟"
"میں تم سے دوستی کا خواہش مند ہوں مالینوس۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اچھے دوستوں کی طرح مل کر رہیں۔"
"تو میں کب تم سے دشمنی کا اظہار کر رہا ہوں؟" مالینوس نے کہا۔
"سنو مالینوس۔ مجھے سلاطیس کی قربت حاصل ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم مجھے سخت ناپسند کرتے ہو۔ اگر میں چاہوں تو سلاطیس سے تمہارا تذکرہ کر سکتا ہوں اور فیصلہ اس پر چھوڑ سکتا ہوں کہ ان حالات میں وہ کیا مناسب سمجھتا ہے لیکن میں کسی سے بلاوجہ دشمنی نہیں چاہتا۔ ان حالات میں اگر تم میرے ساتھ تعاون نہ کرو گے تو مجھے یقین ہے کہ نقصان تمہارا ہی ہو گا۔ سلاطیس ہر قیمت پر میرا ساتھ دے گا، کیونکہ وہ میرا اچھا دوست ہے۔" میں نے کہا۔ مالینوس کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔
"کیسا تعاون چاہتے ہو؟"
"بس یہی کہ خواہ مخواہ ذہن سے اس قسم کی باتیں نکال دو اور اچھے ساتھیوں کی طرح رہو۔"
"میں نے وقت کی وہ آواز سنی ہے یہاں جو تم نے نہیں سنی۔ میں وہ جانتا ہوں جو ابھی تمہیں نہیں معلوم۔ اس لئے ــــ اس لئے میرا تم سے دور رہنا مناسب ہے۔"
"کون سے وقت کی بات کر رہے ہو مالینوس؟"
"وہ جو زیادہ دور نہیں ہے۔"
"تب ٹھیک ہے۔ اس کا فیصلہ بھی جلد ہو جائے گا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور اب مالینوس کی پریشانی کی باری تھی۔
"اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے لیپاس؟"
"اس کا جواب بھی وقت سے پہلے مشکل ہے۔" میں نے کہا اور مالینوس خاموش ہو گیا۔ پھر وہ گردن جھٹک کر ایک طرف چلا گیا۔
اس رات آسمان شفاف تھا۔ کہکشاں نکھری ہوئی تھی چاند کی آمد کا اعلان تھا۔ مجھے خیال آیا کہ میں نے طویل عرصے سے ستاروں کی راہ پر سفر نہیں کیا۔ دیکھوں تو سہی ستارے کیا کہتے ہیں

لیکن اس کے لئے مجھے کوئی سنسان جگہ درکار تھی۔
سلاطیس کے خیمے میں خاموشی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ آرام کر رہا ہے۔ اور اس وقت اس بات کا امکان نہیں تھا کہ وہ اچانک مجھے طلب کرے۔
چنانچہ میں اس عظیم الشان لشکر کے آخری سرے کی تلاش میں چل پڑا۔ خاصا سفر کرنا پڑا تھا۔ اور تب کہیں جا کر مجھے ایک خاموش چٹان مل سکی جو خاصی بلند تھی۔ اس چٹان کے قرب و جوار میں سلاطیس کا کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔
میں چٹان پر چڑھ گیا اور پھر میں نے ستاروں سے رابطہ قائم کیا۔ میں نے اپنے علم و فن کی روشنی میں کچھ دیکھنا چاہا لیکن ستاروں سے میرا رابطہ بھی قائم نہیں ہوا تھا کہ دفعتاً میری تنہائی ختم ہو گئی۔ میں نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی تھی۔
پھر مجھے عجیب سی خوشبوئیں محسوس ہوئیں اور میں ان قدموں کی آہٹوں کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ آنے والی شخصیت انوکھی تھی سفید لباس میں ملبوس کوئی نسوانی پیکر میرے پاس آ گیا۔ جس کا چہرہ بھی اسی لباس کے ایک حصے سے ڈھکا ہوا تھا۔
"کون ہے؟" میں نے پوچھا۔
"لیپاس؟"
"ہاں یہ میں ہوں۔ مگر تم کون ہو۔؟" لباس سے نسوانی آواز سن کر مجھے اور حیرت ہوئی۔
"میں عشطار ہوں"
"کون عشطار۔؟"
"اس کا جواب مشکل ہے" وہ میرے سامنے بیٹھ گئی۔ سفید لباس کے عقب سے دو سیاہ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں اور ان آنکھوں کی کشش بے پناہ تھی۔ مجھے اپنی روح کھنچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ تاہم میں نے خود کو سنبھالا۔ اور بولا۔
"میرے پاس کیوں آئی ہو؟"
"ایک ضروری کام سے"
"میں تمہارا مرتبہ بلند کرنا چاہتی ہوں"
"میں اب بھی نہیں سمجھا"
"سلاطیس تم سے محبت کرتا ہے؟"
"اس کا علم مجھے نہیں"
"میں کہتی ہوں وہ تمہارا گرویدہ ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات موجود ہے کہ تم نے اس وقت اسے دودھ دیا تھا جب وہ بہت بھوکا تھا۔ اور کوئی اس کی مدد پر آمادہ نہیں تھا"
"یہ اس کی بڑائی ہے کہ اس نے یہ بات یاد رکھی"
"میں چاہتی ہوں کہ وہ تمہیں اور زیادہ پسند کرنے لگے۔ اور سنو مالینوس جیسے لوگ کبھی تمہاری راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ تم ایسے لوگوں کو کوئی اہمیت نہ دو۔"
"تمہاری معلومات تو بہت وسیع ہیں"
"ہاں میں بہت کچھ جانتی ہوں"
"مگر تم ہو کون؟"
"ابھی طویل عرصے تک تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو سکے گی"
"کیوں؟"
"اس لئے کہ ہر کام کا ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ وہ وقت بھی ضرور آئے گا جب تم میرے بارے میں سب کچھ جان لو گے" نسوانی آواز نے کہا۔ اس کی آنکھوں کا سحر میرے ہوش و حواس پر مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ اور اس کی آواز کی دلکشی میرے لئے بڑی ہی تعجب خیز تھی۔ میں اپنا دل اس کی جانب کھنچتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔
"اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ کم از کم تمہارے بارے میں کچھ تو جان لوں۔ اچھا یہ بتاؤ تم میرے پاس کیوں آئی ہو" میں نے چند ساعت خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔
"میں نے کہا نا تمہارا مرتبہ بلند کرنے"

"وہ کس طرح بلند ہوگا؟" میں نے کسی قدر پُرمزاح انداز میں کہا اور وہ شاید مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے اس بات کا اظہار ہو رہا تھا ـــــ چند ساعت خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

"سلاطیس تمہیں عزیز رکھتا ہے لیکن اگر اسے یہ بات معلوم ہو جائے کہ تم اعلیٰ پائے کے منجم اور صاحب علم وفن ہو تو کیا وہ تمہاری اور عزت نہیں کرے گا؟"

"میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے یقیناً تمہاری معلومات بہتر ہوں گی لیکن میرے علم وفن کا جہاں تک تعلق ہے میں خود کو اس میں پورا نہیں پاتا۔"

"ہاں بے شک، بطلیموس نے تمہیں وہ سب کچھ نہیں دیا جو اسے تمہیں دینا چاہیئے تھا۔" وہ بولی اور میں ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ یہ نام اس نے بڑے اعتماد سے لیا تھا جبکہ میرا خیال تھا کہ سلاطیس کے پورے لشکر میں میرے اور ملایہ کے علاوہ یہ نام کوئی نہیں جانتا۔ میری حیرت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ بہرصورت میں نے حیرت کے اس دریا سے نکلتے ہوئے کہا۔

"تمہیں بطلیموس کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہیں؟"

"میں نے کہا نا تمہاری ذات سے متعلق جتنی بھی باتیں ہیں میں ان سب کے بارے میں جانتی ہوں اور اس کی ایک خاص وجہ ہے۔"

"وہ خاص وجہ ہی بتا دو ـــــ"

"نہیں ضد نہ کرو۔ بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے تم اچھے نہیں لگتے۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو۔ پھر اس پر عمل کرنا۔ دیکھو میں جانتی ہوں کہ تمہارا ذہن کشمکش کا شکار رہے گا کیونکہ تم نے میرے بارے میں ابھی کچھ بھی نہیں جانا ہے لیکن بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود بڑا جانکار ہوتا ہے۔ سنو کل رات بھی قیام ہوگا ایک پہاڑی کے دامن میں۔ پہاڑی کے اوپر چند اکھڑی ہوئی چٹانیں ہیں۔ سو اس وقت جب چاند نکلے گا یہ چٹانیں اپنی جگہ چھوڑ دیں گی۔ زلزلے کے ہلکے ہلکے جھٹکے محسوس ہوں گے اور سلاطیس کا خیمہ اس پہاڑی کے دامن میں ہوا تو تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ سلاطیس کی موت اس سے کتنی دور ہوگی۔ چنانچہ اس کی نگاہ میں وقعت حاصل کرنے کے لئے تم اسے اپنے علم کے ذریعے یہ بتاؤ گے کہ وہ اس پہاڑی کے دامن میں خیمہ زن نہ ہو اور اپنا خیمہ وہاں سے دور لے جائے۔"

"اوہ ـــــ" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تم اس سے مختلف کوئی کام نہیں کرو گے۔" اس نے کہا۔

"لیکن عشطار مجھے تمہارے بارے میں کچھ تو معلوم ہو۔ ورنہ میں شدید کشمکش کا شکار رہوں گا۔"

"کاش میں تمہیں بتا سکتی۔ لیکن ابھی وقت نہیں آیا کہ میں تمہیں اس بارے میں کچھ تفصیل بتاؤں۔ لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے دیوتاؤں کے لئے وہی کرتے رہنا۔ کہیں یوں نہ ہو کہ میں تمہیں تمہاری منزل تک پہنچنے میں مدد دوں اور تم پیچھے ہٹتے رہو ـــــ اچھا اب میں چلتی ہوں۔"

"بات تو سنو عشطار۔ کیا میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

"اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے لیکن ابھی اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"عشطار ـــــ میرا ذہنی خلجان مجھے سکون نہ لینے دے گا۔" میرے لہجے میں عاجزی تھی۔

وہ مسکرائی اور پھر اس نے اپنے چہرے کا کپڑا ہٹا لیا۔ بجلی سی کوندی اور میرے ہوش وحواس کو خاکستر کر گئی۔ ایسا حسن ـــــ ایسا عجیب وغریب حسن میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ میں تصویر حیرت بن گیا اور وہ جلدی سے چٹان سے نیچے اتر گئی۔

لیکن وہ ہوش ربا چہرہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ بس یوں لگتا جیسے چاندنی کو انسانی روپ مل گیا ہو اور مجھ پر چاند کی کہانی عیاں ہو گئی ہو۔

کہاں کے ستارے اور کیسا علم نجوم۔ میرا سارا علم سلب ہو گیا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح اس راہ گزر کو دیکھ رہا تھا جو اس کی راہ گزر تھی۔ میرے ذہن میں حیرت کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بمشکل تمام میں ہوش وحواس کی دنیا میں واپس آیا۔ میرے اندر اضطراب پیدا ہو گیا تھا ـــــ آدھی رات تک میں وہیں اسی چٹان پر ساکت وجامد بیٹھا رہا۔ بڑی کہولت سی طاری ہو گئی تھی مجھ پر۔ اور پھر جب میری کیفیات بحال ہوئیں تو میں نے پریشانی سے سوچا کہ شاید میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہو گیا ہے۔ شاید سکون کے وہ لمحات مجھ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے ہیں جو میرے لئے بہت کچھ تھے۔ وہ چہرہ میرے حواس پر مسلط ہو گیا تھا۔

پھر میں نے دوسرے انداز میں سوچا ـــــ وہ کون تھی۔ کہیں میرے خلاف سازش تو نہیں ہو رہی۔ کہیں یہ مالینوس کی کوئی چال تو نہ تھی۔ ہاں اس کا امکان تو تھا ـــــ مالینوس صاحب علم تھا۔ ممکن ہے اس نے اس بارے میں سب کچھ معلوم کر لیا ہو۔ اور اس نے کوئی سازش کی ہو۔

مثلاً۔ میں سلاطیس سے یہ پیش گوئی کروں اور کچھ نہ ہو۔ تب مالینوس کہے کہ میں مخبوط الحواس ہوں اور فضول بکواس کرتا رہتا ہوں۔ اور سلاطیس لاکھ مجھے عزیز رکھتا ہے لیکن وہ وحشی فطرت ہے اور کوئی بھی بات اُسے بُری لگ سکتی ہے۔ اس طرح اس کی نگاہ میں میری وقعت کم ہو جائے گی اور ممکن ہے وہ چراغ پا بھی ہو جائے۔ اس طرح مالینوس کو اس کے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

لیکن افسوس۔ مالینوس نے اتنی حسین لڑکی کو اس سازش پر مقرر کیا۔ اس لڑکی کا مالینوس سے کیا تعلق ہے۔ اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ دن کی روشنی میں، میں اسے تلاش کروں گا۔ اگر وہ مالینوس کی کوئی سازش ہے تو میں اسے مکمل طور پر ناکام بنا دوں گا ہاں اس لڑکی کو میں کوئی سزا نہیں دلواؤں گا۔ اس کے لئے اس سے بہتر سزا اور کوئی نہ ہو گی کہ وہ میری تحویل میں آجائے۔ اور یہ ایک عمدہ سزا ہے۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور میں دوسرے دن کے بارے میں فیصلے کرتا ہوا نیچے اُتر آیا۔ پھر اپنے خیمے میں آکر میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح بارش شروع ہو گئی تھی۔ اچھی خاصی بارش تھی۔ اور سلاطیس کے ذہن میں جولانی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اعلان کیا کہ بارش کے رُکنے کا انتظار کیا جائے گا۔ اور اس کے لشکری بھی خوش ہو گئے۔

سلاطیس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اس نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بُلایا۔ "تمہارے چہرے پر میں ایک عجیب سی سنجیدگی دیکھ رہا ہوں۔ کیا بات ہے؟"

"مجھے خوف ہے سلاطیس کہ کہیں میری بات تجھ پر ناگوار نہ گزرے۔" میں نے کہا۔

"ایسی کونسی بات ہے لیپاس۔ بے خوف و خطر کہو۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔"

"رات کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے سلاطیس۔"

"کیا خواب تھا؟"

"میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ہمارے اس لشکر میں موجود ہے۔ ایک خوبصورت عورت۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ ہاتھ میں خنجر لئے تیری طرف بڑھ رہی ہے اور اس کے ارادے بہتر نہیں ہیں تیرے لئے۔ سو سلاطیس میں اس وقت سے بے چین ہوں۔ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ بات میں تجھ سے کہوں تو تو کہیں مجھے وہمی اور احمق قرار نہ دے۔ لیکن ہوا یوں ہے کہ اکثر میرے خواب مجھے پہلے سے حالات سے روشناس کرا دیتے ہیں اور میں اس سے قبل کہ کوئی نقصان اُٹھاؤں، ان پر قابو پا لیتا ہوں۔ تو یقین کر سلاطیس کہ بہت پہلے میں نے تجھے خواب میں دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا تھا کہ مخالف ہوائیں مجھے تجھ سے دور کر رہی ہیں اور میں اس جانب بڑھ رہا ہوں جہاں تیرا قیام تھا۔ جبکہ میں جانتا تھا کہ مجھے تیرے سائے میں پناہ ملے گی۔ سو خواب سے جاگنے کے بعد میں نے اپنے حالات پر نگاہ ڈالی اور مخالف ہواؤں کے رُخ پھیر دیئے۔ یعنی میں اس جانب چلا جدھر مجھے نہیں چلنا چاہیئے تھا۔ یہاں تک کہ تیرے پاس پہنچ گیا۔ اس طرح میں نے اپنے خواب کی مدد سے اس کی مخالف سمت چل کر وہ آسائش حاصل کر لی جو مجھے تیرے پاس پہنچنے سے ملی ہے۔ حقِ وفاداری اور حقِ نمک یہی کہتا ہے سلاطیس کہ میں تجھے اس بات سے آگاہ کر دوں کہ میں تجھ سے کچھ نہیں چاہتا سوائے ایک مراعت کے۔"

میرے یہ الفاظ سن کر سلاطیس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے نرمی سے کہا۔

"میرے دوست لیپاس جیسا کہ میں نے تجھ سے کہا کہ تیری مہربانیاں اور وہ وقت جو میں بھولنے والا تھا اور جو میں نہیں بھولا۔ ہاں اس وقت جب تُو نے مجھے یاد دلایا اس بات کے لئے مجبور کرتی ہیں کہ جیسا تو کہے ویسا کروں اور دیوتاؤں کی قسم، دیویوں کی قسم مجھے خوف نہیں کسی بات کا کہ موت میرے لئے ایک حقیر سی شے ہے۔ لیکن اگر تیری یہ خواہش ہے کہ تو اس سلسلے میں کچھ کرے تو میں تجھے اس کی اجازت دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ سلاطیس کہ مجھے اس بات کی اجازت دے کہ پہلے قیدی اونٹ خیمے اور اس کے بعد اس جگہ جہاں ہماری محترم عورتیں موجود ہیں میں صرف وہ شکل تلاش کر لوں اور اگر مل جائے تو اسے تیرے سامنے پیش کر دوں۔ نہ ملے تو میں تجھ سے معذرت کر لوں۔ اور آئندہ اس شکل پر نگاہ رکھوں۔ یہ میری خواہش ہے۔"

"ہم تجھے اس کی اجازت دیتے ہیں لیپاس لیکن تو نے عجیب بات بتائی کہ تیرے خواب اس انداز میں سچ ثابت ہو جاتے ہیں۔ کیا تو خوابوں کا علم رکھتا ہے؟"

"ہاں سلاطیس کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ علوم کے حصول کے لئے صرف کیا ہے اور کوشش کی ہے کچھ حاصل کروں۔"

"تعجب کی بات ہے اس سے پہلے ہمیں تیری یہ صفت معلوم نہیں ہوئی تھی۔"

میں ابھی اپنے علوم میں کامل نہیں ہوں۔ سلاطیس، اس لئے ان کا اظہار نہیں کرتا، تاہم اگر تو مجھے کس سلسلے میں حکم دیگا

توہیں اس کی تعمیل ضرور کروں گا۔

"یقیناً یقیناً یہ تو میرا شوق ہے اور مجھے صاحب علم لوگ بے حد پسند ہیں۔ سرزمین یونان پر اس وقت جب میرا جھنڈا لہرا رہا ہوگا اور نوسِس اعظم کا تخت طاؤس میرے سامنے سرنگوں ہوگا۔ مجھے ایسے باعلم لوگوں کی ضرورت پیش آئے گی جو میرے شانہ بشانہ ہوں اور یہ تو میں نے دیکھا ہے کہ تو اچھے مشیروں میں شمار ہوتا ہے۔ اگر تو صاحب علم بھی ہے تو یہ تو اور بھی عمدہ بات ہے۔ بہرصورت باقی ساری باتیں بعد میں ہوں گی۔ ہاں اگر تیرا علم کبھی تجھ سے میرے بارے میں کچھ کہے تو وعدہ کر کہ اسے مجھ سے پوشیدہ نہ رکھے گا۔ میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تو جس وقت تیرا دل چاہے مجھ سے کہتا رہ اور میں اس پر عمل کرنا پسند کروں گا تو عمل کروں گا ورنہ تجھ سے معذرت کروں گا اور اس بات پر کبھی ناراض نہ ہوں گا۔"

"یہ بہت بڑا مرتبہ ہے میرے لئے سلاطیس اعظم اور میں تیری اس عزت افزائی پر اس قدر شاد و خرم ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔"

سلاطیس نے میرا شانہ تھپکا اور مجھے اجازت دی کہ میں عورتوں میں اس شکل کو تلاش کروں جسے میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ اس طرح میں نے سلاطیس اعظم سے چھوٹ پا کر اپنا وہ مقصد حاصل کر لیا جس کی تکمیل کے لئے میں بے چین تھا۔

بارش اب بھی مسلسل ہو رہی تھی اور اس کے بچاؤ کے لئے جس قدر ممکن اقدامات ہو سکتے تھے کر لئے گئے تھے۔ سلاطیس کی فوج کے لئے تو یہ بارش ایک نعمت تھی۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہے تھے اور پانی میں بھیگ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ البتہ خواتین کی رہائش گاہ میں خیمے تان دیئے گئے تھے کہ خیموں کے نیچے وہ بارش سے بچ سکیں۔

قیدی عورتوں کے لئے بھی بارش سے بچاؤ کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ میں ان عورتوں کے کیمپ کی جانب بڑھ گیا۔ مظلوم اور ستم رسیدہ عورتیں آنسو بہا رہی تھیں۔ ان کی آہیں اور سسکیاں گونج رہی تھیں۔ وہ مرنے والوں کو یاد کر کے رو رہی تھیں۔ ہر چند کہ انہیں دیکھ کر مجھے دلی افسوس ہو رہا تھا لیکن مجھے علم تھا کہ سلاطیس کے ساتھ رہ کر یہ مناظر تو برداشت کرنا ہوں گے۔ میں وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا جو نہ دیکھنے والی چیز تھی، اور اب یہ بھی دیکھنا تھا۔ لیکن میں ان روتی ہوئی عورتوں میں وہ چہرہ دیکھ رہا تھا جس نے میرے ہوش و حواس پر بجلی گرا دی تھی اور جس کے لئے میں مضطرب اور بے چین تھا۔ میں نے ایک ایک قیدی عورت کی صورت دیکھی لیکن وہ عورت نہ پائی اور یقین تھا مجھے کہ اس کا تعلق ان قیدی عورتوں سے نہ ہوگا۔ کیونکہ قیدی عورتوں میں ایسا شگفتہ اور حسین چہرہ بمشکل ہی نظر آ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے لئے بھلا یہ کہاں گنجائش ہوگی کہ وہ اپنی قید سے نکل کر میرے پاس اس طرح پہنچے۔ چنانچہ اس کے بعد میں سلاطیس کی حرم کی جانب متوجہ ہوا اور یہ حرم وہ تھی جس میں میری بہن علایہ بھی موجود تھی۔

میں سب سے پہلے علایہ سے ملا۔ علایہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور میرے نزدیک آ کر کہنے لگی

"اب تو یوں ہوتا ہے نیپاس کہ میں تجھے دیکھنے کے لئے بھی ترس جاتی ہوں۔"

"تیرے دل میں مجھے دیکھنے کی خواہش ہی نہ ابھرتی ہوگی علایہ، میں جانتا ہوں تو کن خوابوں میں کھوئی ہے۔" میں نے کہا اور علایہ کے ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لیکن میرے خواب ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔ وہ ابھی پورے نہیں ہوئے۔"

"وہ پورے ہو جائیں گے، وقت آنے دے۔"

"خیر وہ تو جو ہوگا دیکھا جائے گا لیکن تو بتا تو یہاں کیسے آیا۔ کیا مجھ سے ملنے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر ___؟" علایہ نے پوچھا۔

"یہاں مجھے کسی کی تلاش ہے۔"

"کس کی؟" علایہ نے سوال کیا۔

"ایک ایسی شکل کی، جو ___ جو ___"

"ہاں ہاں بتاؤ نیپاس ___!"

"میں اس کی تشریح نہیں کر سکتا علایہ، تو چل میرے ساتھ اور یہاں موجود تمام عورتوں کو مجھے دکھا۔ اور یہ بہتر ہوا کہ اب تو میرے ساتھ ہے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون ہے؟ کیا نام ہے اس کا؟ تم سے کہاں ملاقات ہوئی تھی اس کی ___؟ اور کیوں تم اسے تلاش کرنا چاہتے ہو ___؟" علایہ نے بہت سے سوال کر ڈالے اور میں مسکرانے لگا۔

"افسوس میں اس میں سے کسی سوال کا تجھے جواب نہ دے سکوں گا۔"

"اس کی وجہ بھی میں پوچھوں گی۔" علایہ نے کہا۔

"تُو بہت ضدی اور خود سر ہو گئی ہے علایہ پہلے تو تُو اتنی ضدی نہ تھی۔"

"اس کی ایک وجہ ہے۔" علایہ نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھلا وہ کیا۔۔؟" میں نے بھی اس کی مسکراہٹ سے لطف اندوز ہو کر پوچھا۔

"میں اب بہت بڑی شخصیت بن گئی ہوں۔"

"اوہ! ہاں مجھے معلوم ہے۔ لیکن کیا لیپاس کے سامنے بھی؟"

"ارے نہیں بھیا، تُو تو میرا بھائی ہے۔" علایہ نے فرطِ محبت سے کہا اور مجھ سے لپٹ گئی۔

"یہ بھی ممکن ہے علایہ کہ کل کے دن تو اپنے سپاہیوں کو حکم دے کہ جاؤ لیپاس کو حاضر کرو۔ اور میں دست بستہ تیرے سامنے پہنچ جاؤں۔۔ مجھے اندازہ ہے کہ بلاشبہ تُو مستقبل کی بہت بڑی عورت ہے۔ لیکن یہ ایک بات یاد رکھنا اور یہ بھائی کی نصیحت ہے تیرے لئے کہ سلاطیس جیسے لوگ قابو میں نہیں رہتے انہیں قابو میں رکھنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"تُو اس کی فکر نہ کر لیپاس! میں بہت کچھ کر لوں گی۔" علایہ نے بڑے اعتماد سے کہا اور میں اس کے اس اعتماد کو تعجب کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔

میری بہن، میری معصوم سی بہن علایہ نہ جانے ان قوتوں کی مالک کہاں سے بن گئی تھی، لیکن مجھے اس سلسلے میں کوئی تجربہ نہیں تھا کہ عورت بلاشبہ بہت ہی طاقت ور ثابت ہوتی ہے۔ بہرصورت علایہ کے ساتھ میں سلاطیس کی بیگمات کو دیکھنے لگا۔ بہت سی عورتیں تھیں۔ ان میں سرداروں کی بیویاں بھی تھیں اور دوسری تمام عورتیں بھی، لیکن مجھے ان میں وہ شکل نظر نہ آئی۔ گو میں نے اپنے ساتھ موجود ایک عورت کو دیکھ لیا تھا۔ پر اسے نہ پایا۔ تب میں مایوس ہو کر پلٹا اور علایہ مجھ سے پوچھنے لگی۔

"کون تھی وہ لیپاس ۔۔؟ آخر مجھے کچھ تو بتاؤ اس کے بارے میں ۔۔!"

"اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا علایہ کہ وہ ان میں نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر بھی میں اسے مزید تلاش کروں گی۔"

"تُو بھلا اسے کہاں تلاش کرے گی۔۔؟"

"کہیں بھی ۔۔ تم مجھے اس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"نہیں علایہ، میں اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔" میں نے جواب دیا۔ اور علایہ خاموش ہو گئی ۔۔ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے واپس آ گیا۔ بارش اب ختم ہو چکی تھی اور سلاطیس کے سپاہی رنگ رلیوں سے نکل کر اب کوچ کی تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ اس وقت جب سورج آدھے سے زیادہ بلند نہ ہوا ہو گا سلاطیس کے سپاہیوں نے کوچ کر دیا۔

میدان بارش سے بھیگ گئے تھے لیکن اس قدر بھی نہیں کہ ان پر سفر کرتے ہوئے کوئی دقت پیش آئے۔ چنانچہ سلاطیس کے سپاہی آرام سے سفر کر رہے تھے۔ قیدیوں کے چہرے مُتے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں موت کا خوف جاگزیں تھا اور وہ آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ جب ان پر موت نازل ہو رہی ہو گی۔

بارش رُکی ہوئی تھی لیکن آسمان پر بادل منڈلا رہے تھے اور اس بات کا امکان تھا کہ کسی بھی وقت بارش ہو جائے۔۔ سلاطیس بھی بارش کا رنگ دیکھ رہا تھا۔

اتفاق سے میں اس وقت اس کے نزدیک ہی تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اربلاس کی تقدیر اپنے دن پورے کر رہی ہے۔ لیپاس۔ تم دیکھو بارش اسے موقع فراہم کر رہی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ہم دیر سے پہنچیں۔ سارے کھیل دیوتاؤں کے ہیں۔"

"ہاں ۔ ان کی جتنی زندگی ہے وہ پوری ہو رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور سلاطیس خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک تھی۔ پھر اس نے ایک قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہم بارش کے دیوتا کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اگر اربلاس کی زندگی کے کچھ لمحات باقی ہیں تو ہم ان لمحات کا سرقہ نہیں کریں گے۔ تیرا کیا خیال ہے لیپاس؟"

"میں نہیں سمجھا سلاطیس۔" میں نے کہا۔

"مطلب یہ کہ ہم سفر میں جلد بازی نہیں کریں گے۔ بارش دیوتا اگر اربلاس کی چند دنوں کی زندگی اور چاہتے ہیں تو ہم ان کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اور رات کو پھر ہم کہیں قیام کریں گے۔" سلاطین نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اس وقت میرے ذہن میں کوئی خیال نہیں تھا اور مجھے کوئی بات یاد نہیں آئی۔ سفر جاری رہا۔ میں اب بھی سلاطیس کے ساتھ تھا۔

دفعتاً اس نے کہا

"تو نے دیکھا لیپاس! بعض اوقات انسان کی ایک ذرا سی کوشش اس کے لئے کس قدر منفعت بخش ثابت ہوتی ہے۔"

"جی ۔۔" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے گردن ہلا دی۔

"تیرا خیال کسی اور طرف ہے ۔"

"ہاں سلاطیس اعظم میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"کیا ۔۔؟" اس نے سوال کیا۔

"بس یہی کہ بالآخر نوسیس اعظم کا ستارہ گردش میں ہوگا۔ اور سلاطیس ایک دن یونان کے تخت پر فروکش نظر آئے گا" میں نے کہا اور سلاطیس خوش ہو کر ہنس پڑا۔

"بالکل درست کہا تو نے۔ یہ یوں ہے جیسے آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے ایک ٹھوس حقیقت ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت دن میں معلوم نہیں ہوتی لیکن رات میں عیاں ہو جاتی ہے۔ سو ہم بھی بالآخر ایک دن تخت یونان پر عیاں ہو جائیں گے۔"

"بے شک سلاطیس اعظم کا ستارہ آسمان پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور یہ سلاطیس کی فطرت سے اخذ کیا ہوا نتیجہ تھا۔ حالانکہ میرا ذہن کسی اور جانب تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اگر سلاطیس کو تسلی بخش جواب نہ ملا تو اس کی برائی مول لینا پڑے گی۔ سلاطیس میرے اس جواب سے خوش ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"وہ وقت یاد ہے تجھے جب تو دودھ کی تونبی لے کر ہمارے پیچھے آیا تھا ۔۔؟"

"سلاطیس اعظم، وہ ایک چھوٹی سی بات تھی لیکن چونکہ ایک بڑے آدمی کے ساتھ کی گئی تھی اس لئے بڑے آدمی نے اسے یاد رکھا۔ میں تو اسے اپنے ذہن سے کبھی کا فراموش کر چکا ہوں۔" میں نے کہا اور سلاطیس مزید خوش ہو گیا۔

"ہاں بڑا آدمی ہمیشہ چھوٹی بات کو بھی یاد رکھتا ہے ۔" اس نے کہا۔

بوندا باندی پھر شروع ہو گئی تھی اور سفر کی رفتار کسی قدر سست ہو گئی تھی۔ پھر بارش مزید تیز ہو گئی۔ بادل اس طرح گھر کے آئے تھے کہ ماحول پر تاریکی سی چھا گئی۔ پھر سلاطیس نے کہا۔

"بہتر ہے کہ کسی مناسب جگہ کا انتخاب کر کے پڑاؤ ڈال لیا جائے۔ یوں لگتا ہے جیسے آج کے دن کا سفر ہماری تقدیر میں نہ تھا۔ یا دیوتاؤں کو یہ سفر منظور نہ تھا۔ پھر اس نے اپنے مشیروں کو حکم دیا کہ فوجوں سے کہا جائے کہ وہ پڑاؤ ڈال لیں۔

جس علاقے سے ہم گزر رہے تھے وہ سنگلاخ تو نہ تھا لیکن پھر بھی زمین پتھریلی تھی اور اس میں جگہ جگہ جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ پتھروں کی بلند و بالا دیواریں تاحد نگاہ بکھری ہوئی تھیں۔ سلاطیس نے اپنا خیمہ ایک پتھر کی دیوار کی آڑ میں لگوایا اور اس کا لشکر اس سے تھوڑے فاصلے پر پڑاؤ ڈالنے لگا۔

دفعتاً میری نگاہ اس چٹان کی جانب اٹھ گئی جس کے دامن میں سلاطیس نے اپنا خیمہ لگوایا تھا۔ اور میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ انوکھی شخصیت جس نے مجھے سلاطیس پر آنے والے وقت کی پہلے سے خبر دی تھی مجھے یاد آ گئی۔

ہاں اس نے یہی تو کہا تھا۔ درحقیقت یہی تو اس کی پیش گوئی تھی۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جو کچھ اس نے کہا تھا حرف بحرف وہی ہو رہا تھا اور یہ موقع تھا کہ میں سلاطیس کی جان بچا کر اس سے وفاداری کا ثبوت دوں۔

کیسی انوکھی بات تھی۔ کتنی حیرت انگیز بات تھی۔ میرا ذہن اس پراسرار وجود میں کھو گیا جس کا مجھے اس علاقے میں کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ لیکن جو میری ذات سے اس قدر قریب آ گئی تھی کہ جب بھی آنکھیں بند کرتا اس کی صورت دیکھ لیتا۔ لیکن کیا کروں اس وقت، کیا کروں۔ پہلے تو میں نے سلاطیس سے بات بنا دی تھی اور ایک خواب کا تذکرہ کر کے اس لڑکی کو تلاش کیا تھا لیکن اس کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس وقت مجھے کچھ کرنا تھا۔ سلاطیس اپنے خیمے میں فروکش تھا۔ مالینوس اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب میں سلاطیس کے پاس پہنچا۔

"کیسے آئے لیپاس۔ کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے؟"

"نہیں سلاطیس اعظم اگر آپ مالینوس سے کوئی گفتگو کر رہے ہوں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ پھر کسی وقت آؤں گا۔"

"نہیں، آؤ بیٹھو۔" سلاطیس نے کہا اور میں اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ مالینوس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی اور وہ خشک نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں مشیر مالینوس، کہو تم کیا کہنا چاہتے تھے؟"

"کوئی خاص بات نہیں سلاطیس اعظم، بس میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کو آپ کے قریب کے لوگوں سے آگاہ رکھوں۔ ستارے کچھ عجیب سی باتیں بتا رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟ کیا باتیں ہیں وہ ۔۔؟" سلاطیس نے پوچھا۔

"سلاطیس اعظم، ستاروں کا کہنا ہے کہ آپ کو اپنے نزدیک ترین لوگوں سے کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ وہ جو غیروں میں سے ہیں اور اپنوں میں شامل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور بہر صورت اپنے ثابت نہ ہوں گے۔ اور ان سے آپ کو نقصان

پہنچے گا۔"

"کیا بکواس کرتا ہے تو بے وقوف بوڑھے۔ کن عزیزوں کی بات کر رہا ہے اور کن سے مجھے نقصان پہنچے گا؟ مجھے اور نقصان یہ ناممکن باتیں ہیں۔ تو اپنی اصلاح کر۔ اپنا دماغ درست کر۔ یوں لگتا ہے جیسے موسم نے تیرے دماغ میں کوئی خرابی پیدا کر دی ہے۔" سلاطیس مالینوس پر بگڑ گیا اور مالینوس دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"نہیں آقا، مالینوس جو کچھ کہتا ہے اس میں ستاروں کی آوازیں شامل ہوتی ہیں۔"

"بیٹھ جا، مجھے بتا ستاروں کی آوازیں کیا ہیں؟"

"وہی جو میں نے عرض کیا۔" مالینوس نے جواب دیا۔

"کیوں لیپاس، تم کیا کہتے ہو؟ کیا تم مالینوس کی بات سے متفق ہو؟" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ مالینوس اتفاق سے اس وقت میری ہی برائی کر رہا تھا۔

"آقا سلاطیس اعظم، مالینوس سے یہ سوال کیا جائے کہ اس کا اشارہ کن اپنوں کی جانب ہے۔ اس سے یہ بات معلوم کر لی جائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں جواب دے مالینوس۔ وہ کون شخصیت ہے؟ جواب دے۔" سلاطیس نے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو سکتی ہے۔" مالینوس نے کہا اور سلاطیس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"میں تجھ سے کہہ چکا ہوں مالینوس کہ تو بے وقوف اور احمق ہو گیا ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ تیری گردن قلم ہی کر دی جائے کیونکہ تجھ جیسے احمق پیشین گو ہمارے ذہن کو پراگندہ کرتے ہیں۔۔۔ سپاہیو!" سلاطیس نے تالی بجائی اور دو سپاہی اندر داخل ہو گئے تب میں نے اس معاملے میں مداخلت کی۔

"نہیں سلاطیس اعظم، مالینوس اگر کسی ذہنی بحران کا شکار ہے تو میرا خیال ہے اسے ایک اور موقع دیا جائے۔ بہر صورت وہ آپ کے مشیروں میں شامل رہا ہے۔ میری درخواست ہے کہ اس کی جاں بخشی کر دی جائے۔ اس کے عوض میں بھی مالینوس کے سامنے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"عجیب ہے تو بھی لیپاس۔ کیا تو بھی اتنا ہی احمق ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ مالینوس کا اشارہ کس طرف ہے۔"

"میں جانتا ہوں سلاطیس۔"

"بھلا بتا تو ۔۔۔ کون ہے وہ؟"

"میں ۔۔۔" میں نے جواب دیا۔ اور سلاطیس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس کے باوجود تو اپنے دشمن کی زندگی چاہتا ہے۔"

"ہاں صرف اس لئے کہ مالینوس کو اپنی حماقت کا احساس ہو جائے۔ وہ جان لے کہ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔"

"کیا کہتا ہے مالینوس؟"

"میں کچھ نہ کہوں گا آقا! اگر میری زندگی کسی طور نقصان دہ ہے تیرے لئے تو میں اسے تجھ پر قربان کرنے کو تیار ہوں لیکن یہ شخص نہ صرف میرے لئے بلکہ تیرے لئے بھی بہتر نہ ہوگا۔" مالینوس نے بے خوفی سے کہا۔

"تیرے لئے تو یہ واقعی بہتر نہ رہا۔ کیونکہ اس کی مخالفت کرتے ہوئے تجھے جان دینی پڑ رہی ہے۔ باقی رہا میرا مسئلہ تو میں اپنے معاملات خود دیکھ لوں گا۔"

"مالینوس بہت بڑا عالم ہے سلاطیس اعظم؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کا جواب مالینوس ہی دے گا۔"

"کیوں مالینوس، یہ بات تیرے علم نے کہی ہے؟" میں نے اس بار براہ راست مالینوس سے پوچھا۔

"ہاں یہ بات میرے علم نے کہی ہے۔"

"افسوس۔ ابھی تو علم کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہے اگر تو علم رکھتا ہے تو بتا کہ سلاطیس اعظم کی زندگی کو کیا خطرہ ہے؟" میں نے سوال کیا اور مالینوس پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا

"کون سے خطرے کی بات کرتا ہے لیپاس؟"

"کیا تیرا علم اس بارے میں کچھ نہیں کہتا؟"

"ابھی نہیں۔"

"تو پھر سن۔ میرا علم اس بارے میں کچھ کہتا ہے۔ آج رات کے کسی حصے میں سلاطیس اعظم کی زندگی کو کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے اور تیرا فرض ہے کہ اسے اس خطرے سے بچا۔"

میری اس بات پر سلاطیس بھی حیران رہ گیا تھا۔ اس نے تعجب بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"آج رات ۔۔۔"

"ہاں سلاطیس اعظم، آج رات۔ اس صاحب علم کو حکم دو کہ وہ حساب لگا کر بتائے کہ تمہاری زندگی کو آج کیا خطرہ ہے اگر یہ نہ بتا سکا تو پھر میں بتاؤں گا۔"

"اوہ اتنے دعوے سے یہ بات کہہ رہے ہو لیپاس۔"

"ہاں آقا، اس لئے کہ میں تیرا وفادار ہوں اور تیری زندگی کا خواہاں۔ جب کہ دوسرے لوگ صرف تیری عنایات کے خواہاں رہتے ہیں۔"

"سنا تو نے مالینوس۔ جواب دے ایسی کونسی بات ہے۔"
"میں اپنے علم سے تجھ پر روشنی رکھتا ہوں آقا میرے علم نے ایسے کسی خطرے کی نشان دہی نہیں کی۔" مالینوس نے کہا۔
"تو پھر یوں کرو سلاطیس کہ ہم دونوں کو اس وقت سے اپنے پاس رکھو اور دونوں کا علم پرکھ لو۔ لیکن سنو۔ اپنا یہ خیمہ یہاں سے ہٹا کر پہاڑ کے دامن سے کہیں دور لے جاؤ۔ کیونکہ رات کے کسی بھی حصے میں زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوں گے اور چٹانیں لڑھک کر اس جگہ آگریں گی۔"
"یہ پیش گوئی بہت بڑی تھی۔ مالینوس بھی حیرت زدہ رہ گیا تھا۔
چند لمحات تک خاموشی طاری رہی۔ پھر سلاطیس نے کہا
"کیا یہ پیش گوئی درست ہے لیپاس؟"
"ہاں آقا۔ اور میں اس وقت یہی سب کچھ بتانے کے لئے حاضر ہوا تھا۔"
سلاطیس چند لمحے تذبذب کا شکار رہا پھر بولا۔ "تعجب ہے۔ لیکن ہمیں ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے؟"
"بس اب زیادہ وقت ضائع نہ کیا جائے۔ خیمہ یہاں سے ہٹا کر اس چٹانی دیوار کے عین سامنے اس جگہ لگایا جائے جہاں سے اس پر نگاہ رکھی جا سکے۔ جو کچھ ہو گا سامنے آجائے گا۔"
"مگر زلزلے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔"
"زلزلے کے کوئی آثار نہیں ہوتے۔"
"تو تو اس بات پر بضد ہے؟"
"یہ میری درخواست ہے آقا۔" میں نے کہا اور سلاطیس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"اگر یہ بات ہے تو ہم تیرے کہنے پر عمل ضرور کریں گے سپاہیو! ہمارے لوگوں کو حکم دو کہ خیمہ یہاں سے منتقل کیا جائے۔"
سلاطیس نے ان سپاہیوں سے کہا جو مالینوس کی گرفتاری کے لئے طلب کئے گئے تھے اور وہ جلدی سے باہر نکل گئے۔
میری پیش گوئی چونکہ ان سپاہیوں نے بھی سن لی تھی اس لئے ان کی زبانی دوسروں کے کانوں میں پہنچی اور وہاں سے اور آگے بڑھی۔
لیکن حالت میری بھی درست نہیں تھی۔ میں نے اسی پُراسرار وجود کے احکامات پر عمل کیا تھا جس پر تھوڑی دیر قبل مجھے بھی یقین نہیں تھا۔ لیکن اگر میں اس چٹانی دیوار کو نہ دیکھتا۔ تو یہ پیش گوئی کبھی نہ کرتا۔
جیسا کہ اس نے کہا تھا سلاطیس نے ایسی ہی جگہ قیام کیا تھا۔ اور جب اس کی ایک بات درست ہوئی تھی تو پھر دوسری بات بھی یقینی طور پر درست ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن ابھی تقدیر کے فیصلے باقی تھے۔ میں نے اپنی عزت، اپنا وقار داؤ پر لگا دیا تھا اور یہ میری پرکھ تھی۔
سلاطیس کا خیمہ یہاں سے ہٹ گیا۔ اسے اتنی دور لگا دیا گیا کہ اگر زلزلہ آئے اور چٹانیں اپنی جگہ چھوڑیں تب بھی اس خیمے تک ان کی رسائی نہ ہو سکے۔
میں اور مالینوس سلاطیس کے خیمے میں ہی تھے اور سلاطیس میری پیش گوئی سے پوری پوری دلچسپی لے رہا تھا۔ درحقیقت عزت داؤ پر لگ گئی تھی بلکہ زندگی بھی۔ کیونکہ سلاطیس جیسے انسان سے کوئی بات بعید نہیں تھی۔ کسی بھی بات سے وہ ناراض ہو جائے تو زندگی محال تھی۔ عزت اس لئے داؤ پر لگ گئی تھی کہ پوری سپاہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی۔
جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا میرے سینے میں خوف کے بادل گڑگڑاتے جا رہے تھے۔ میری آنکھیں باہر ٹکی ہوئی تھیں اور میرے کان سنسناہٹ کے منتظر تھے۔
بارش بند ہو چکی تھی اور ماحول پر ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ زلزلہ اب میرے ذہن میں اٹھ رہا تھا اور مالینوس کی آنکھوں میں چمک بڑھتی جا رہی تھی۔
اس وقت سلاطیس خیمے کے دوسرے حصے میں کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ کہ مالینوس نے میری طرف جھک کر مجھے آواز دی۔
"لیپاس!"
"ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"جوش جذبات میں اتنی دور بہہ جانا بھی اچھا نہیں ہوتا۔"
"کیا مطلب؟"
"اب تم وہ زلزلہ کہاں سے لاؤ گے؟"
"تمہارا مطلب ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔"
"ہاں، تم بہک گئے تھے۔ کوئی چھوٹی موٹی چیز ہوتی تو دوسری بات تھی۔ میں بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا۔ لیکن زلزلہ جیسی چیز کسی کے بس میں نہیں ہوتی۔"
ابھی مالینوس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ گھوڑوں کی زوردار ہنہناہٹ کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ وہ اپنے کھر زمین پر مار رہے تھے۔ اور یہ اس بات کی نشانی تھی کہ کوئی آفت آنے والی ہے۔ جانور انسانوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں اور ان کے کان دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ زیادہ دیر نہ لگی اور چند ہی ساعت کے بعد ہولناک سنسناہٹ فضا میں پھیل گئی۔

سلاطیس جلدی سے اپنے خیمے میں واپس آ گیا تھا۔ اس نے خیمے کے دروازے میں کھڑے ہو کر باہر کے مناظر پر نگاہ جما دی۔
درحقیقت زمین میں گردش پیدا ہو گئی تھی اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں گڑگڑاہٹیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ پہاڑ جس کے دامن میں سلاطیس خیمہ زن ہوا تھا ہل رہا تھا اور بڑی بڑی چٹانیں اوپر سے عین اسی جگہ آ کر گری تھیں جہاں کچھ دیر پہلے سلاطیس خیمہ زن ہوا تھا۔ میری پیش گوئی کے مطابق وہاں سے لشکری تک ہٹ گئے تھے اور کوئی بھی ان چٹانوں کی زد میں نہیں تھا۔
سلاطیس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ متحیرانہ نگاہوں سے اس خوفناک منظر کو دیکھ رہا تھا۔ گھوڑے بری طرح چیخ دھاڑ مچا رہے تھے اور بے شمار افراد انہیں وہاں قابو میں رکھنے کے لئے کوششیں کر رہے تھے۔
گڑگڑاہٹ تین چار منٹ تک جاری رہی۔ اس کے بعد سکوت پھیل گیا۔ لیکن بالآخر اس جگہ کی شکل ہی تبدیل ہو گئی تھی۔ جگہ جگہ پتھریلی چٹانیں آ پڑی تھیں اور زمین کئی جگہ سے شق ہو گئی تھی سلاطیس گہری نگاہوں سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اور مالینوس رلھا کے چہرے پر بے پناہ خوف و دہشت کے آثار تھے۔ البتہ صرف ایک میں تھا جو اتنا مطمئن اور مسرور تھا جیسے کہ مجھے زمانے بھر کی دولتیں مل گئی ہوں۔ مالینوس نے دہشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میرے نزدیک آ کر گردن جھکا لی۔
"تو عظیم ہے لیپاس۔ بے شک تو عظیم ہے۔" اس نے گردن جھکا کر کہا۔
"نہیں مالینوس۔ یہ تو ایک بہت چھوٹی سی بات ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔
"میں شرمندہ ہوں تجھ سے بے حد شرمندہ ہوں۔" مالینوس بڑبڑایا۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تجھ سے پرخاش نہیں رکھتا بلکہ میں نے پہلے بھی تجھے دوستی کی پیش کش کی تھی۔ لیکن تو نے اسے قبول نہ کیا۔"
"یہ میری کور چشمی تھی۔ میں اندھا تھا۔" مالینوس بولا۔
"بہر صورت اب تو تیری آنکھیں کھل گئیں۔"
"ہاں۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا تیری اطاعت کروں گا۔"
"نہیں مالینوس تو میرے دوست کی حیثیت سے زندہ رہ کر مجھے زیادہ خوشیاں فراہم کر سکتا ہے۔"
"میں تیرا دوست ہوں۔" مالینوس نے کہا اور اسی وقت سلاطیس ہماری جانب متوجہ ہو گیا۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے مالینوس کی جانب دیکھا اور پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔
"لیپاس یہ تیرا دوسرا احسان ہے ہم پر۔"
"نہیں آقا، یہ میرا دوسرا فرض ہے جو میں نے پورا کیا۔" میں نے جواب دیا۔
"ہم جب تک زندہ رہیں گے تیرے اس احسان کو یاد رکھیں گے۔"
"میں جب تک زندہ رہوں گا سلاطیس اعظم کی جو بھی خدمت کر سکوں گا مجھے مسرت ہو گی۔"
"تو عظیم ہے تیرا علم عظیم ہے۔"
"نہیں، عظیم سلاطیس اعظم ہے اور میں بتا چکا ہوں کہ ایک دن نوسس اعظم کا تخت سلاطیس کے قدموں کے نیچے ہو گا۔" میں نے جواب دیا اور سلاطیس فخر و مسرت سے مسکرانے لگا۔ پھر وہ مالینوس سے بولا۔
"احمق شخص، کیا اب بھی تجھے اپنی بے وقوفی کا احساس نہیں ہوا۔؟" مالینوس نے گردن جھکا دی۔ تب میں نے اس کی طرفداری کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں سلاطیس اعظم، مالینوس اپنی بات پر تائب ہو چکا ہے اور اس کی ضرورت نہیں کہ اسے سرزنش کی جائے۔"
"بہر صورت تو نے نہ صرف ہماری بلکہ ہماری فوجوں کی بھی جان بچائی ہے۔ ہم تجھے بہت بڑا مرتبہ دیں گے۔ ہم تجھ سے بہت خوش ہیں۔" سلاطیس نے کہا اور میں مسکرانے لگا۔
اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں تھی کہ میں سلاطیس کے خیمے میں رہتا۔ چنانچہ میں اپنی رہائش گاہ میں واپس آ گیا۔ ہر طرف میرے چرچے ہو رہے تھے اور مجھے اندازہ تھا کہ اب میں ان لوگوں کے درمیان ایک نمایاں حیثیت اختیار کر گیا ہوں۔
دوسرے دن پھر سفر کا آغاز ہو گیا۔ سلاطیس کی قربت حاصل کر لینا دوسری بات تھی لیکن اسے کسی کام سے روکنا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ سلاطیس عجیب سی فطرت کا مالک تھا۔ چنانچہ میں یہ نہ کہہ سکا اس سے کہ ادریلاس کو معاف کر دیا جائے۔ البتہ سلاطیس اب میرا بہت زیادہ گرویدہ ہو گیا تھا۔ سفر کی ابتدا کرنے سے پہلے اس نے مجھ سے پوچھا۔
"لیپاس، کیا اب بارش تو نہ آئے گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"سلاطیس اعظم، میں پیش گو نہیں ہوں۔ میرے پاس کوئی خاص علم نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی مجھ پر کشف ہوتا ہے۔ میں نے تجھ

سے اپنے خوابوں کا ذکر کیا تھا۔ جن کے ذریعے مجھ پر حقیقتیں منکشف ہوتی ہیں۔ مالینوس کی اس بات پر مجھے اپنا خواب یاد آ گیا تھا اور میں نے اس دیوار کو پہچان لیا تھا جس کے سائے میں تیرا خیمہ لگا ہوا تھا۔ مجھے علم داں نہ سمجھ میں تو معمولی سا آدمی ہوں اور اس سلسلے میں تجھے بہتر مشورہ وہی دے سکیں گے جو تیرے مشیر خاص ہیں۔" میں نے کہا اور سلاطیس گردن ہلانے لگا۔

"اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ بہر صورت ہم اربلاس میں پہنچ کر دم لیں گے۔ پہلے ہی سفر میں خاصی دیر ہو چکی ہے۔" میں نے اس کی اس بات پر گردن ہلا دی تھی۔

قبیلہ اربلاس تک کا سفر بغیر کسی بات کے گزر گیا اور پھر ہم اربلاس پہنچ گئے۔ لیکن بڑی حیرت ہوئی ہمیں اس حصار کو دیکھ کر جو اربلاس کے گرد قائم کر دیا گیا تھا اور یہ بہت ہی حیرت کی بات تھی۔ طویل القامت درختوں کو ننگا کر کے ان کی ایک باڑھ بنا لی گئی تھی۔ اتنے بڑے تھے یہ درخت کہ ان کی بلندیوں کو کسی بھی طرح پھلانگنا ممکن نہیں تھا اور نہ ہی ان پر چڑھنا ——— یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے ان درختوں کے درمیان کوئی دروازہ ہی نہ رکھا ہو ——— اور یقیناً معلوم ہو گیا تھا انہیں ماساس کا حشر اور چونکہ وقت مل گیا تھا انہیں ان تیاریوں کے لئے اس لئے انہوں نے یہ حیرت ناک تیاریاں کی تھیں اور سلاطیس خود بھی حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ اس نے درختوں کے اس حصار کے گرد ایک چکر لگایا جو طویل دائرے میں پھیلے ہوئے تھے اور متحیرانہ انداز میں بولا۔

"رب راسوس کی قسم حیرت ناک واقعہ ہے۔ بہت ہی حیرت ناک واقعہ۔ یوں لگتا ہے قبیلہ اربلاس نے اپنا مقدر خود ہی دیکھ لیا تھا۔ سو اب یہ بتاؤ کہ ان درختوں کے دوسری جانب کیسے پہنچا جائے؟" اس نے کہا اور اس کے مشیر گردن جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

قبیلے کی آبادی اس حصار میں محفوظ ہو گئی تھی۔ یہ حصار قلعہ بند قسم کا تھا اور یقیناً انہوں نے اتنے غذائی اجناس جمع کر لئے ہوں گے کہ مہینوں چل سکیں۔ موٹے موٹے درختوں کو کاٹا گیا ہو گا۔ انہیں یہاں تک لایا گیا ہو گا اور پھر انہیں زمین میں گاڑ کر بستی کے گرد حصار بنا لیا گیا ہو گا ———

اور یہ اربلاس والوں کا عظیم کارنامہ تھا۔ انھوں نے یہ مضبوط قلعہ بنا کر اپنا تحفظ کیا تھا۔

سلاطیس نے اس حصار سے سو گز دور اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا اور لشکر خیمہ زن ہو گیا۔ سلاطیس اپنے مشیروں کے ساتھ حصار کے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"بلاشبہ ہم اسے حصارِ عظیم کہہ سکتے ہیں لیکن یہ کیونکر ممکن ہوا۔ کیا انہیں اپنی شکست کا یقین تھا؟"

"یہ بات اربلاس کے قیدیوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا اور ایک بار پھر سلاطیس نے تحسین آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھا

"تیرا کہا درست ہے۔ اربلاس قبیلے کے دو قیدیوں کو یہاں لایا جائے۔" اس نے حکم دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد دو قیدی یہاں آ گئے۔ ان کے چہرے خوف سے زرد ہو رہے تھے۔

"تم اربلاس سے تعلق رکھتے ہو؟"

"ہاں۔"

"نوسس اعظم کے سپاہیوں نے تمہیں اس جنگ کے لئے مجبور کیا تھا؟"

"نہیں۔"

"پھر ——— ؟"

"ہمارے سردار زراعن نے خود ہی نوسس اعظم کو پیشکش کی تھی۔"

"کیا پیشکش کی تھی؟"

"یہی کہ باغی سلاطیس کی سرکوبی میں وہ نوسس اعظم کی مدد کرنے کے خواہش مند ہیں۔"

"سو تم نے اس کا حشر دیکھ لیا ——— ؟"

"ہاں اسے سلاطیس کی عظمت کی خبر نہ تھی۔"

"یہ حصار کس وقت بنایا گیا تھا؟"

"ہمیں نہیں معلوم سلاطیس اعظم۔ جب ہم یہاں سے گئے تھے تو یہ قبیلے کے گرد نہ تھا۔"

"گویا اس مختصر وقت میں۔"

"ہاں یہی کہا جا سکتا ہے۔"

"لیکن کیا قبیلے کے مرد سب اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے؟"

"جتنے جوان تھے سب جنگ میں شریک تھے۔"

"یہاں صرف بوڑھے اور بچے تھے ——— ؟"

"ہاں ان کے علاوہ عورتیں بھی۔"

"تمہارے خیال میں درختوں کے یہ تنے کہاں سے لائے گئے؟"

"یہاں سے دس کوس کے فاصلے پر ان درختوں کے وسیع جنگل ہیں۔ کسی طرح یہ درخت وہاں سے حاصل کئے گئے ہیں۔"

"یہ عظیم کارنامہ ہے۔ بے شک میں اسے سراہتا ہوں، خاص طور سے اس لئے کہ یہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا کام ہے لیکن اس کے باوجود ان قبیلوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا جو سلاطیس کے خلاف کھڑے ہوں گے۔ اس لئے درختوں کے اس حصار کو توڑنا ہو گا۔"

"مگر کیسے؟" کسی نے دریافت کیا۔
"اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔"
"یہ بھی تعجب کی بات ہے۔"

سلاطیس وہاں سے ہٹ آیا۔ وہ اپنے جنگی مشیروں سے اس کی بابت دریافت کر رہا تھا۔ تب جنگی مشیروں نے حکم دیا کہ سپاہ پوری قوت سے انہیں گرانے کی کوشش کرے۔

اور اس کی ابتدا ہوگئی۔ سپاہیوں کے جتھے وزنی چیزیں لے کر حصار کی طرف بڑھے اور اس کے قریب پہنچ گئے لیکن اندر سے پورا بندوبست کر لیا گیا تھا۔

ان جتھوں پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ تب ہم نے دیکھا کہ ان درختوں کے درمیان ننھے ننھے سوراخ رکھے گئے ہیں اور ان سوراخوں سے تیروں کی یہ بارش ہو رہی ہے۔

سلاطیس کے بہت سے سپاہی زخمی ہو کر گرے۔ لیکن چونکہ وہ بڑی تعداد میں آگے بڑھے تھے اس لئے کئی جتھے تیروں سے بچتے ہوئے درختوں کے حصار کے پاس پہنچ گئے۔

مگر یہاں دوسری قیامت ان کی منتظر تھی۔ اوپری حصوں پر شاید بڑے بڑے مٹکے باندھے گئے تھے اور وہاں سے کھولتا ہوا تیل نیچے بہایا گیا اور نیچے کھڑے ہوئے سپاہی بری طرح جھلس گئے۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ان میں سے بہت کم لوگ زندہ بچے تھے۔

سلاطیس خاموش کھڑا ان مناظر کو دیکھ رہا تھا۔ حصار پھر محفوظ ہوگیا اور اس کے بعد سلاطیس نے اور کوئی حملہ نہ کیا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔

ساری رات خاموشی رہی۔ سلاطیس ساری رات نہیں سویا تھا۔ اور رات کا یہ جاگنا بے معنی نہ تھا۔ صبح کو جب سپاہی حملے کا انتظار کر رہے تھے تو انہیں آگ روشن کرنے کا حکم ملا اور اس حکم کی تعمیل ہونے لگی۔

دوسرا حکم ملا کہ تیروں سے کپڑے باندھ کر انہیں چربی میں ڈبو لیا جائے۔ چنانچہ بڑے بڑے کڑھاؤ آگ پر چڑھا دیئے گئے اور جتنی چربی اور تیل موجود تھا ان کڑھاؤں میں پکنے لگا۔ خاموشی سے یہ سارے کام ہوئے۔

یہ تیر چربی میں ڈبوئے گئے اور پھر سلاطیس نے چربی میں ڈوبے ہوئے پہلے تیر کو آگ لگائی اور جب تیر نے آگ پکڑ لی تو اس نے اسے کمان سے چھوڑ دیا۔

تیر حصار کے ایک درخت میں پیوست ہوگیا۔ اور یہ اربلاس کی تقدیر کا فیصلہ تھا۔ میں نے اور سب نے جان لیا کہ اب کیا ہوگا۔ سلاطیس کے سپاہیوں کو بھی یہ کام بہت پسند آیا تھا چنانچہ کام شروع ہوگیا اور جلتے ہوئے تیروں کی بارش شروع ہوگئی۔ یہ تیر درختوں کے تنوں میں پیوست ہو رہے تھے اور درخت آگ پکڑتے جا رہے تھے۔

چربی میں ڈوبے ہوئے تیروں کی یہ بارش اتنی شدید تھی کہ اربلاس والے کچھ بھی نہ کر سکے۔ بمشکل پانی اوپر لایا گیا اور تیروں سے لگی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش کی گئی لیکن اب یہ آگ کہاں بجھ سکتی تھی۔

سلاطیس نے صرف تیر اندازوں کو سامنے رہنے دیا اور باقی سپاہیوں کو حصار کے چاروں طرف پھیلا دیا گیا تاکہ اگر اربلاس والے فرار ہونے کی کوشش کریں تو انہیں سنبھالا جا سکے۔

لیکن فرار اب ان کے لئے بھی ممکن نہیں تھا۔ انھوں نے فرار کا کوئی دروازہ ہی نہیں رکھا تھا۔ اس حصار میں بیٹھ کر انہوں نے سوچا تھا کہ اب ان تک رسائی ممکن نہیں ہے لیکن وہ سلاطیس سے واقف نہ تھے۔

آگ اب پوری طرح درختوں کے تنوں کو لپیٹ میں لے چکی تھی اور اس کی اتنی تپش تھی کہ دور دور تک محسوس ہوتی تھی چنانچہ چاروں طرف سے فوجیں پیچھے ہٹ گئیں۔ اندر والوں کا نہ جانے کیا حال ہوگا۔

اربلاس کے قیدی خون کے آنسو رو رہے تھے۔ وہ اپنے قبیلے کا حشر دیکھ رہے تھے۔ اور سلاطیس نے پچھلے وار کا پورا پورا بدلا اربلاس والوں سے لے لیا تھا۔ اس کے سپاہی جلتے ہوئے تیل میں جھلس کر ہلاک ہوئے تھے۔ اس کے جواب میں اس نے پورے اربلاس کو ایک مشعل بنا ڈالا تھا۔

یہ مشعل جلتی رہی۔ اندر سے چیخوں اور کراہوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور سلاطیس قہقہے لگا رہا تھا۔

آٹھ دن تک یہ آگ روشن رہی۔ ساری فضا جلے ہوئے درختوں اور سلگتے ہوئے گوشت کی بو سے آلودہ تھی اور جب سلاطیس کا لشکر یہاں سے آگے بڑھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ عظیم الشان حصار خاکستر ہو چکا اور اکا دکا مرد کہیں جھاڑیوں میں چھپے بیٹھے نظر آتے تھے۔ لیکن ان کے بدن بھی جھلسے ہوئے تھے۔ جلے ہوئے حصار میں لکڑ بھگے لاشوں کو نوچتے کھسوٹتے نظر آتے تھے یا پھر وہ اپنے شکار کو گھسیٹتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔

اور اب سلاطیس کو کسی ایسی پُرفضا جگہ کی تلاش تھی جہاں وہ آرام کر سکے۔ اس نے کہا تھا۔

"اربلاس اور ریاساس کی کہانی ختم ہوئی اور اب کسی نئی کہانی کے آغاز کے لئے آرام ضروری ہے۔ نوسس اعظم کو ابھی شاید کس

"کہاں تھیں تم؟"
"تم سے قریب۔ بہت قریب"
"مگر میں نے تو تمہیں نہیں دیکھا"
"ہاں میں خود تمہاری نگاہوں سے روپوش تھی"
"مگر کیوں؟"
"مصلحت۔ دیوتاؤں کی خوشی"
"تم کون ہو؟"
"کہا نا اب تو تمہاری عورت ہوں۔ اب تمہارے پاس رہوں گی اس عظیم کام کی تکمیل کے لئے جو مجھے سونپا گیا ہے"
"وہ عظیم کام کیا ہے؟"
"دیوتاؤں کے لئے یہ نہ پوچھو۔ سنو لیپاس! جیسے جیسے میں تمہیں بتادوں بس اسی پر انحصار کرنا۔ اس سے زیادہ پوچھنا تمہارے لئے مضر ہوگا اور کچھ بتانا میرے لئے"
"مگر مجھے اطمینان کیسے ہوگا؟"
"جیسے بھی ہو پڑے"
"اچھا۔ ایک بات تو بتاؤ"
"پوچھو" وہ ہنس پڑی۔
"تمہارا تعلق سلاطیس کی حرم سے تو نہیں ہے"
"نہیں"
"نہ ہی قیدی عورتوں سے؟"
"ہاں ان سے بھی نہیں ہے"
"تو پھر۔ دوسرے لوگوں کو میں تمہارے بارے میں کیا بتاؤں گا؟ کیا کہوں گا ان سے؟"
"کون اتنی تفصیل پوچھے گا تم سے۔ اس کے علاوہ کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہ ہوگی کہ میں تمہاری عورت ہوں"
میں خاموش ہوگیا عجیب تھی میری عورت بے حد پُر اسرار اور میرے لئے اجنبی۔ لیکن میں اپنے دل میں اس کی محبت پاتا تھا۔ اسے دوبارہ دیکھ کر میں بہت خوش تھا اس لئے میں نے اس سے انحراف نہیں کیا۔ اور اس کے بعد میں اس کی قربت کے نشے میں ڈوب گیا۔
دوسری صبح میں بھی اتنا ہی خوش تھا جتنا دوسرے۔ اور یہ آرام و سکون کا عرصہ کافی طویل تھا۔ سلاطیس انتظار کر رہا تھا۔ اس کے مخبر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور اسے نوسس اعظم کی خبریں دیتے تھے۔
ان کے علاوہ جادوگر تھے جو دن رات سلاطیس کے لئے ستارہ گردی رہتے تھے۔ ایک شام سلاطیس نے جادوگروں کا اجلاس بلایا۔ اور اس اجلاس میں میں بھی شریک تھا۔
"میں جاننا چاہتا ہوں جادوگرو! کہ اب نوسس اعظم میرے خلاف کونسی چال چل رہا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم نے اس دوران اس سے غفلت نہ برتی ہوگی"
"ہاں ہم اس سے واقف رہے اور اسے تاکتے رہے" ایک جادوگر نے جواب دیا۔
"تو بتاؤ اس کے بارے میں"
"نوسس اعظم کو اطلاع مل چکی ہے کہ اربلاس اور ماسائی کا کیا حشر ہوا"
"اس کے بعد اس نے کیا سوچا؟"
"اس نے تیلا، ہارش، فسطاط اور دوسرے چند قبائل کو آخری جنگ کے لئے تیار کرلیا ہے۔ ان کے علاوہ قراطیس کو بھی اس نے خط لکھا ہے اور اس کے جواب کا انتظار کر رہا ہے اگر قراطیس بھی اس جنگ کے لئے تیار ہوگیا تو پھر نوسس اعظم اپنے لشکر کے ساتھ خود کوچ کردے گا"
"اوہ۔ یہ کہتے ہیں ستارے" سلاطیس نے پُرخیال انداز میں کہا۔
"ہاں سلاطیس اعظم۔ اور یہ بھی کہتے ہیں وہ کہ"
"نہیں" سلاطیس نے ہاتھ اٹھا کر جادوگروں کو روک دیا۔ "تمہیں علم ہے کہ میں بعد کی باتیں جاننا نہیں پسند کرتا۔ اس سے مجھے عمل میں دقت ہوتی ہے اور مستقبل سے واقفیت حاصل کرکے میں مطمئن ہوجاتا ہوں"
"تو ٹھیک ہے سلاطیس اعظم۔ اس سے آگے ہم خاموش ہوجاتے ہیں"
"قبیلہ ہارش اور فسطاط اس جنگ کے لئے تیار ہیں؟"
"ہاں وہ اسلحہ بندی کر رہے ہیں"
"تب ٹھیک ہے۔ ان کی جانب کوچ کرو۔ اور اس سے قبل کہ وہ نوسس اعظم کی رہنمائی میں اس طرف رخ کریں انہیں تباہ اور برباد کردو"
"ایک اور پیش گوئی ہے سلاطیس اعظم" ایک جادوگر نے کہا
"کیا۔۔۔؟"
"ستارے بتاتے ہیں کہ سلاطیس باپ بننے والا ہے لیکن شیر کی اولاد شیر کی بجائے گیدڑ کی شکل اختیار کرلے گی اور اگر یہ ممکن ہوا تو سلاطیس کو اپنے خون سے جنگ کرنی پڑے گی اور اس جنگ میں اسے شکست ہوگی"
"کیا کہتا ہے تو؟" سلاطیس دہاڑ کر کھڑا ہوگیا۔

"میں نہیں سلاطیس۔ ستارے یہ سب کہتے ہیں"۔ بوڑھے جادوگر نے کہا۔

"اس بوڑھے کو فوراً قتل کر دو۔ مار ڈالو اسے"۔ سلاطیس نے غیظ کے عالم میں کہا۔ اور دوسرے لمحے ایک لمبا نیزہ بوڑھے جادوگر کے سینے میں ترازو ہو گیا۔

اس نے مرتے ہوئے یہی الفاظ کہے۔ واہ۔ یہی پیش گوئی تھی اور یہی طے تھا کہ جو انکشاف کرے گا مارا جائے گا۔"

○

سلاطیس کئی دن تک سخت پریشان نظر آتا رہا۔ اس دوران اس نے کسی سے گفتگو بھی نہیں کی تھی بس خاموش رہتا تھا اور کسی گہری سوچ میں ڈوبا رہتا تھا۔

تیسرے دن اس نے مجھے اپنی خلوت میں طلب کیا۔ اس کے چہرے پر اب بھی گہری سنجیدگی طاری تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے طویل سانس لی اور ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کرکے بولا۔

"تم اس سلسلے میں خاموش رہے لیپاس؟"

"کیا مجھے اپنی مرضی کے مطابق بولنے کی اجازت ہے سلاطیس اعظم؟"

"ہاں بیشک میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔"

"تو پھر سنو۔ میں اس سلسلے میں اس وقت کچھ بولتا جب اس بات کا کوئی وجود ہوتا۔"

"کیا مطلب؟" سلاطیس چونک پڑا۔

"بوڑھے جادوگر نے اپنی برتری منوانے اور تجھ سے انعام پانے کے لئے ایک ایسی اختراع کی کہ تجھے ناگوار گزری۔ اور اسے اس کے لالچ کی سزا مل گئی۔"

میں نے کہا۔ اور لیپاس اچھل پڑا۔

"اختراع۔؟"

"ہاں صرف اختراع۔"

"گویا وہ حقیقت نہ تھی؟"

"قطعی نہیں۔ ایسی کوئی بات ستارے نہیں کہتے نہ اس کا کوئی وجود ہے۔ شیر کی اولاد شیر ہوتی ہے سلاطیس کا جانشین اس کا وفادار ہوگا۔ اور سلاطیس کی اطاعت کرے گا۔"

"آہ لیپاس۔ درحقیقت تو ہمارا سب سے خاص مشیر بننے کے قابل ہے۔ تو سب سے زیادہ قابل اعتماد فرد ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ابھی تک ہم نے تجھے تیرا جائز مقام نہیں دیا۔ ہم بلاوجہ اتنی دیر پریشان رہے۔ ہم نے تجھ سے مشورہ کیوں نہیں کیا۔"

میں خاموش رہا تھا۔ اور یہ جو کچھ میں نے کیا تھا اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔ وقت کسی کے تابع نہیں ہوتا۔ کون جانتا تھا کہ آنے والے وقت میں کون کہاں ہوگا۔ یہ تو طویل داستانیں تھیں جو وقت کے تابع تھیں۔ اور میں ان داستانوں میں اپنا نام چھوڑ رہا تھا۔ میرے یہ الفاظ ایک خاص جذبے کی نشاندہی کرتے تھے اور یہ حقیقت تھی کہ یہ میں نے اپنے لئے نہیں بلکہ اپنی بہن علایہ کے تحفظ کے لئے کوشش کی تھی۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ میری زمانہ ناشناس بہن سلاطیس کے حرم میں داخل ہو چکی ہے اور اب اس کے مفادات کی نگرانی بھی مجھے ہی کرنی ہے۔

ہاں یوں ہوا کہ میرے ان الفاظ کے بعد سلاطیس کے ذہن سے وہ تمام تشویش اور اداسی چھٹ گئی جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا اور وہ پھر زندگی میں پوری پوری دلچسپی لینے لگا۔

اسی دوران لوسس اعظم کے بارے میں خبریں ملتی رہتی تھیں اور تازہ ترین خبر یہ تھی کہ دونوں قبیلوں کی تباہی نے لوسس اعظم کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ سلاطیس اب کوئی باغی نہیں بلکہ ایک خطرناک حقیقت ہے جس کا مطلب یوں بھی ہو سکتا ہے — سرزمین یونان پر لوسس اعظم کے بجائے سلاطیس کے نام کا سکہ رائج ہو جائے۔

چنانچہ وہ اس خطرے کے لئے اب کوئی مناسب کاروائی سوچ رہا ہے اور شائد بہت جلد وہ عمل کرے۔ اس اطلاع کے بعد سلاطیس نے حسب معمول مجھے اپنے حضور طلب کر لیا۔

"تیرا کیا مشورہ ہے لیپاس اور یوں ہوا ہے کہ ہم نے ان سب سے مشورے لے لئے ہیں جو جنگی چالیں چلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور اس طرح ہم نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ تیار کیا ہے۔ گویا وہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔ لیکن ہم اس پر عمل درآمد کرنے سے قبل آخری رائے کے طور پر تیرے خیالات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"آخری فیصلہ تمہارے ذہن میں ہے سلاطیس؟"

"ہاں۔" اس نے جواب دیا اور میں الجھن میں پھنس گیا۔ کڑی آزمائش کا وقت تھا۔ مجھے وہی کہنا تھا جو سلاطیس کے ذہن میں تھا ورنہ اس سے میری وقعت کم ہوتی تھی۔ میں

اسی الجھن میں تھا کہ دفعتاً میرے ذہن میں عشطار کی آواز ابھری
"پریشان کیوں ہو لیپاس؟" اور اس آواز کو سن کر میں
دنگ رہ گیا۔

عشطار بلاشبہ ایک پُراسرار ہستی تھی۔ وہ اس طرح سے
اچانک میری زندگی میں داخل ہوئی تھی کہ میں ششدر رہ گیا
تھا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اس طرح ذہنوں تک
پہنچنے کی قوت رکھتی ہے۔ بہر طور میں نے ذہن ہی ذہن
میں اسے اپنی الجھن بتائی۔ بظاہر میں نے اپنی آنکھیں بند
کر لیں تھیں تاکہ سلاطیس میرے اس خاموش رویے کو میرے
خوف پر محمول نہ کرے اور یہ سوچے کہ شاید میں اس کے سوال
پر غور کر رہا ہوں، لیکن درحقیقت عشطار سے میرا ذہنی رابطہ
قائم ہو گیا تھا۔

میں نے ذہن ہی ذہن میں اس کے سوال کا جواب
دیا۔ "تو جانتی ہے عشطار میں کیوں پریشان ہوں؟"

"کیا سلاطیس کا سوال تجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے؟"
عشطار نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس نے مجھ سے جو کچھ پوچھا ہے کیا تیرے علم میں
ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں" عشطار بولی۔

"تو پھر بتا میں اس کا کیا جواب دوں؟"

"تو نے عشطار سے رہنمائی مانگی ہی کب ہے؟"

"تو اب میں تیری رہنمائی کا طالب ہوں۔"

"ہوں۔ تو چند لمحات کے بعد تو سلاطیس کو جواب
دے کہ وہ خاموشی سے یہاں سے سفر کرتا ہوا بنیاس کے جنگلوں
میں پہنچ جائے گھنے درختوں کے درمیان وہ اپنے لئے ایک
جگہ کا انتخاب کرے اور یہاں سے پوشیدہ ہو کر اپنے جاسوسوں
کے ذریعے توسس اعظم کی کارروائیوں کی خبر لیتا رہے پھر جب،
توسس اعظم اپنا لشکر لے کر بنیاس کی طرف چل پڑے تو پھر وہ
خاموشی سے اس کا انتظار کرے اور جب توسس اعظم بنیاس
کے پاس سے گزرے تو جنگلوں کو اس کے لئے قبرگاہ بنا دے
اور اس طرح اپنے آدھے لشکر کو عقب سے بھیج کر یونان
کے اس شہر پر قابض ہو جائے جو توسس اعظم کا مسکن ہے۔
اس طرح اگر ہاری ہوئی فوج شہر کی جانب بھاگتی ہے تو پھر شہر
میں موجود فوجی، میرا مقصد ہے باغی توسس اعظم کی شکست
خوردہ فوج کو قتل کر دیں گے اور یوں توسس اعظم کی بدترین
شکست ہو گی۔"

عشطار کی یہ تجویز سن کر میں نے بمشکل تمام اپنے
اعصاب پر قابو پایا تھا، ورنہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں شدتِ
جوش سے اچھل پڑتا، لیکن اس طرح سلاطیس شبہے کا
شکار ہو سکتا تھا۔

بہرصورت جب عشطار سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو
گیا تو میں نے آنکھیں کھول کر سلاطیس کو دیکھا۔ وہ میری ہی
جانب نگراں تھی اور میری طویل خاموشی سے شاید برگشتہ بھی۔
اس نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شکر ہے تو جاگ گیا۔"

"نہیں سلاطیس اعظم میں سو نہیں رہا تھا۔" میں نے
جواب دیا۔

"مگر تیری خاموشی بہت طویل تھی۔"

"ہاں۔"

"وجہ بتائے گا۔"

"ہاں۔ دراصل میری روح ایک طویل سفر کر رہی تھی
سلاطیس اعظم میں نے ایتھنز تک کا سفر طے کیا ہے اور
اس دوران میں نے جو راستے تلاش کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ
سلاطیس اعظم کے لشکر کو راہ میں کوئی قباحت نہ ہو اور وہ
باآسانی اپنی منزل تک پہنچ سکے اس کے لئے اتنا وقت تو درکار
تھا کیونکہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن جو کچھ میں کہہ
رہا ہوں اس پر پورے غور و خوض سے توجہ کی جائے سلاطیس اعظم
کیونکہ یہی کامیابی کا راستہ ہے اور یقینی طور پر کامیابی ہمارے
ساتھ ہم رکاب ہے۔" میں نے کہا۔ اور میرے الفاظ نے سلاطیس
کو خوش کر دیا۔ اور وہ پُرمسرت انداز میں بولا۔

"یقیناً تیرا ماضی بتاتا ہے کہ تو نے اب تک جو کچھ کہا ہے
وہ کبھی غلط نہ ثابت ہوا، بلکہ جو کچھ تو کہہ رہا ہے وہ تو ایک مسلمہ
حیثیت رکھتا ہے اور اسے کوئی بھی نہیں چیلنج کر سکتا، بتا
کیا خیال ہے کیا تجویز ہے تیرے ذہن میں؟"

"جیسا کہ تم نے کہا سلاطیس اعظم کو توسس اعظم
اب باغی سلاطیس پر آخری ضربیں لگانے کا خواہش مند ہے
اور ان آخری ضربوں کے لئے وہ اپنا لشکر اکٹھا کر رہا ہے
اپنی قوتیں مجتمع کر رہا تھا۔ اور اس کے بعد وہ سفر شروع کرے
گا تاکہ راستے ہی میں سلاطیس کی فوجوں سے ٹکرا سکے۔"

"ہاں بالکل یہی بات ہے۔" سلاطیس نے کہا۔

"تو پھر سلاطیس اعظم، ہمارے جاسوسوں کی سرگرمیاں
کچھ اور تیز ہونی چاہئیں۔"

"کیا مطلب ہے تیرا؟"

"میرا خیال ہے سلاطیس اعظم فوری طور پر جاسوسوں کا ایک جتھہ ایتھنز کی جانب روانہ کر دیا جائے۔ جو وہاں جا کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ لوسس اعظم کب تک اس موت کے سفر پر روانہ ہونے والا ہے۔ سو اس دوران ہم بھی یہاں سے سفر شروع کر دیں گے اور ہونا یوں چاہیئے سلاطیس اعظم کہ ہم ایسے راستوں کو منتخب کریں جو قبائل اور آبادیوں سے ہٹ کر ہوں گویا تباہی و بربادی ہمارے راستوں کا اعلان نہ کرے بلکہ ہم اپنے طور پر اس طرح خاموشی سے سفر جاری رکھیں کہ لوسس اعظم کو ہماری صحیح سمت کا اندازہ نہ ہو سکے۔"

"واہ۔" سلاطیس نے بے چینی سے پہلو بدلا اس کے چہرے پر خوشی اور اضطراب کے آثار تھے، اور میں جانتا تھا کہ یہ اضطراب کیسا ہے۔

جیسا کہ عشطار نے مجھے بتایا کہ سلاطیس اعظم نے اپنے طور پر بھی کچھ فیصلے کئے ہیں اور میں اسے جو کچھ بتاؤں گا وہ ان فیصلوں سے مختلف نہیں ہوگا، چنانچہ یہی تمام باتیں جو میں سلاطیس سے کہہ رہا تھا خود اس کے ذہن میں محفوظ تھیں یوں سلاطیس کا یہ جوش ناقابل برداشت تھا۔

اس نے بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد۔ اس کے بعد۔ جلدی بول لیپاس آگے تو کچھ؟"

"تو سلاطیس اعظم جب ہمارے بہادر نوجوان اس علاقے تک پہنچیں گے جہاں انہیں ایک طویل وقت پوشیدہ رہنا ہے تو لوسس اعظم کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم ہوتے ہیں۔ خاصی آسانیاں رہیں گی اور ہم باخبر رہیں گے اس کی ان حرکات سے اور اس کے بعد جب وہ گزرے گا اس علاقے کی جانب سے جو یقینی طور پر اس کی گزرگاہ ہوگا تو پھر سلاطیس اعظم ہم اس جگہ کو اس کا مقبرہ بنا دیں گے۔"

"میں تھوڑی سی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔" سلاطیس جوش کے عالم میں کھڑا ہو گیا، اس کی آنکھیں شدت حیرت سے سرخ ہو رہی تھیں۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی زبان سے کہا۔

"جلدی آگے بول۔ جلدی آگے بول۔ تو نہیں جانتا ہے لیپاس کہ جو کچھ تو کہہ رہا ہے وہ کیا حیثیت اور نوعیت رکھتا ہے اور میری نگاہ میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ بہتر تو یوں ہوگا کہ تو ان جنگجوؤں کا تعین بھی کرتا چل اور یہ تعین ضروری ہے۔"

سو میں نے عشطار کے کہنے کے مطابق اپنی بے پناہ ذہانت کے مظاہرے یوں شروع کئے۔ میں نے کہا۔

"عظیم سلاطیس میری اس پیش گوئی کو ذہن نشین کرے کہ وہ وقت بالکل قریب ہے کہ جب لوسس اعظم کا سر تیرے سامنے سرنگوں ہوگا اور میری یہ پیش گوئی تجھے خوش کرنے کا باعث نہیں ہے سلاطیس بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلانا ممکن ہی نہیں ہے۔ لوسس اعظم اب یونان کے تخت کا وارث نہیں ہوگا بلکہ اب تاریخ یونان میں سلاطیس اعظم کے نام کا اضافہ ہونے والا ہے اور وقت بتا دے گا کہ میں نے جو کچھ کہا غلط نہیں کہا۔ لیکن اس کے لئے ہمیں حکمت عملی سے کام لینا ہوگا۔ مثلاً یوں ہو کہ ہم یہاں سے بنیاس تک کے جنگلوں کا سفر کریں۔ یہ جنگلات کناروں سے گھنے اور درمیان سے ہلکے ہیں کہ میرا علم مجھے یہی بتاتا ہے اور ہمارے لئے نہایت ہی بہتر ہوگا، وہاں پر قیام کرنا کہ درختوں کے بیچ ہوگا ہمارا ٹھکانہ اور کوئی اس کے بارے میں نہیں جان سکے گا سوائے ہمارے ان جاسوسوں کے جو ہمیں اطلاعات فراہم کر رہے ہوں گے لوسس اعظم کے خلاف سو پھر یوں ہوگا کہ جب لوسس اعظم کا لشکر عظیم گزرے گا بنیاس کے جنگلات کی جانب سے تو درخت اس کے لئے لائیں گے قہر کا پیغام اور اسی دوران جب لشکر کے چل پڑنے کی اطلاع ملے گی تو درختوں کے پیچھے پیچھے ہمارا آدھا لشکر ایتھنز کی جانب روانہ ہو جائے گا اور اس کی عقبی سمت سے ایتھنز میں داخل ہو جائے گا کہ وہاں نہایت مختصر فوجیں ہوں گی اور ہمیں اس پر قبضہ کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ یوں جب لوسس اعظم جنگلات کی جانب سے گزرے گا تو ہمارے تیار شدہ تیر انداز، نیزہ بردار اور دیگر خطرناک افراد اس کے استقبال کے لئے بھرپور تیاریاں کر چکے ہوں گے۔ بہتر تو یہ ہو کہ ہم اسے اسی جنگل میں شکست دے دیں لیکن اگر لوسس اعظم کو راہ فرار مل گئی تو پھر وہ کہاں جائے گا، ایتھنز ہی کی جانب نا، وہاں جہاں ہماری فوجیں شکست خوردوں کا مناسب استقبال کرنے کے لئے تیار ہوں گی اور اس کے بعد کوئی وجود باقی نہ رہے گا ان شکست خوردوں کا۔ اور ایتھنز کے تخت پر قابض ہوگا سلاطیس اعظم۔ اور یونان کی تاریخ میں یہ نام ناگزیر ہے کہ میرا علم یہی کہتا ہے۔" میں نے کہا اور سلاطیس بے چین ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اس نے آگے بڑھ کر میرے دونوں شانے پکڑے اور مجھے سینے سے لگا لیا، وہ پھولا پھولا۔

"میں نے غلط نہ کہا تھا تیرے ساتھ میری محبت اور میرا کمال بے جا نہ تھا اور جو اس بات پر نازاں ہیں کہ میری محبت تجھ سے کچھ زیادہ ہی ہے تو وہ بدبخت آئیں اور دیکھ لیں

کہ ذہنوں میں یوں قربت ہوتی ہے۔ تجھے حیرت ہوگی لیباس،
مجھے ضرور حیرت ہوگی، لیکن میں اس کا اظہار نہ کروں گا۔ میں
یہ نہ کہوں گا کہ یہ جو کچھ تو نے مجھے بتایا ہے مکمل طور پر میرے ذہن
میں تھا اور میں اسی انداز میں اس کے بارے میں سوچ رہا
تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یوں ہی کروں گا اور انتہائی
حیرت کی بات ہے کہ ہم دونوں نے ایک ہی انداز میں سوچا
کیا یہ تعجب خیز بات نہیں ہے؟"

"مجھے مسرت ہے سلاطیس اعظم کہ تو مجھ سے متفق
ہے اور میں اس خوش بختی پر نازاں ہوں۔"

"ہاں۔ میں بھی تیرے قرب پر نازاں ہوں کہ تجھ جیسا
صاحبِ علم مجھے ملا۔" سلاطیس نے کہا۔

"یہ سلاطیس کی عزت افزائی ہے۔"

"نہیں۔ یہ تیرا حق ہے۔"

"شکریہ سلاطیس اعظم۔" میں نے فرطِ مسرت سے
گردن خم کر کے کہا۔ عشطار کی رہنمائی نے مجھے بڑا مرتبہ دے دیا تھا۔

سلاطیس نے اس کے بعد کسی سے مشورہ مناسب
خیال نہ کیا اور خاموشی سے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا۔

تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اور میری ــــ عشطار
حسبِ معمول رات کو میرے پاس تھی۔

"میں نے فطرتِ انسانی سے مجبور ہو کر اس پر سوالات
کی بوچھار شروع کر دی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے
خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"گویا تم کچھ نہ بتاؤ گی۔"

"ابھی نہیں۔"

"پھر کب؟"

"جب وقت آئے گا۔" اس نے اسی انداز میں کہا جس
طرح آہنگ بنتی آئی تھی اور میں خاموش ہوگیا۔ اس ہستی سے
کوئی اختلاف بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔

بنیاس کے جن جنگلات کا میں نے سلاطیس سے ذکر
کیا تھا ان کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے تو یہ
نام بھی پہلی بار سنا تھا۔ اس سے قبل بنیاس کے جنگلات کے
بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ تھا اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے اس
علاقے کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ بس ایک مخصوص حصہ
تھا جس سے میں شناسائی رکھتا تھا، اس سے زیادہ میں
ان علاقوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

بہرصورت سلاطیس نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا
تمام تر تیاریاں مکمل ہوگئیں اور ہم وہاں سے چل پڑے۔

سلاطیس نے جاسوسوں کا ایک گروہ مختلف ٹولیوں
میں بانٹ کر توسیس اعظم کی طرف روانہ کر دیا تھا اور اپنی مخصوص
ہدایتیں دے دی تھیں۔

یہ تمام کے تمام جاسوس سلاطیس کے ایسے آدمیوں
میں شمار ہوتے تھے جن پر وہ مکمل اعتبار کرتا تھا اور درحقیقت
یہ شعبہ ہی ایسا تھا اگر اس میں کوئی غدار جا ملا تو سلاطیس کی
ساری کاوشیں خاک میں مل جاتیں۔

بہرصورت اس کے بعد ہم بنیاس کے جنگلوں کی جانب
دن رات سفر کرتے رہے اور جب میں نے اس علاقہ کو دیکھا
تو ششدر رہ گیا۔

سفر کے دوران عشطار ایک بار بھی مجھے نظر نہیں آئی
یہ پُراسرار شخصیت میرے لئے بڑی الجھی تھی اور میں ہمیشہ اس
کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔

عشطار نہ جانے کون تھی وہ کہاں سے آتی تھی کہاں
چلی جاتی تھی بہرصورت وہ میری رہنما تھی اور اگر یہ کہا جائے تو
غلط نہیں ہوگا کہ اس کی وجہ سے مجھے بے پناہ عزت حاصل ہوگئی
تھی اور عزت کے ساتھ ساتھ ہی وہ میرے دل کی گہرائیوں
میں بھی چھپی ہوئی تھی۔ رات کی تاریکی میں جب وہ میرے
پاس نہ ہوتی تو میں اسے یاد کرتا تھا۔

وہ میری تنہائیوں کی رفیق تھی۔ اس کی یاد میرے دل
میں چٹکیاں لیتی رہتی تھی۔ بہر طور میں اس کا قرب حاصل
کرنے پر قادر نہیں تھا۔ یہ تو تقدیر کی بات تھی کہ وہ جب بھی
نظر آجاتی تو ہم بنیاس کے جنگلوں کے پاس پہنچ گئے۔

اور عجیب و غریب جنگل تھے یہ۔ بلاشبہ اتنے گھنے کہ
ان سے گزرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ خار دار جھاڑیوں نے
درختوں کے گرد ایسا حصار قائم کیا ہوا تھا کہ ان سے گزرنے
کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا
تھا کہ اس جنگل میں خوفناک درندے نہیں ہوں گے۔

بہرصورت ہم جس طرح خاموشی سے دروں اور
گھاٹیوں میں سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اس سے
اندازہ ہوتا تھا کہ ابھی تک کسی کو یہ علم نہیں ہو سکا ہے کہ ہمارا
مسکن کونسی جگہ ہے۔

چنانچہ ہم سفر کرتے رہے سلاطیس بے پناہ خوش تھا
اس نے اپنے آدمیوں کو احکامات جاری کئے اور یہ لشکر عظیم
بنیاس کے جنگلوں کے ان مخصوص حصوں سے جھاڑیاں

ھٹانے لگا جو بعض اوقات انسانی زندگی کے لئے جان لیوا بھی ثابت ہوئی تھیں یعنی ان جھاڑیوں میں اتنے بڑے بڑے دروازے بنائے گئے کہ ہمارے گھوڑے اور دوسرا سامان ان سے اندر داخل ہو سکے۔

جھاڑیوں کو کاٹ کر جو سب سے پہلا دروازہ بنایا گیا تھا اس سے میں سلاطیس اور ہمارے چند دوسرے بہادر اندر داخل ہوئے اور سلاطیس یہ دیکھ کر مسرت سے اچھل پڑا کہ اندر کا منظر بیحد خوبصورت تھا۔

بیرونی درخت کے کنارے کے حصے ایک حصار کی مانند کھڑے تھے لیکن اندر کے درخت کافی چھدرے سے تھے اور ان کے درمیان کھلی کھلی جگہیں موجود تھیں جو تقریباً مسطح تھیں، ہاں ان پر گھاس اُگی ہوئی تھی اور انتہائی سرسبز و شاداب گھاس تھی جسے دیکھ کر آنکھوں کو فرحت محسوس ہوتی تھی۔ اور آسمان کی بلندیوں سے سورج کی شعاعیں بآسانی نیچے آجاتی تھیں جس کی وجہ سے یہاں کا ماحول انتہائی خوشگوار اور فضا ٹھنڈی ٹھنڈی سی تھی۔

درختوں میں پھلوں کے درختوں کی کثرت تھی البتہ جانور یہاں موجود نہیں تھے۔ غالباً اس لئے کہ وہ نہ تو ان جھاڑیوں کے حصار سے باہر نکل سکتے تھے اور نہ ہی اندر آسکتے تھے۔

سلاطیس کو یہ جگہ بیحد پسند آئی اور اس نے پُرمسرت انداز میں قہقہہ لگا کر کہا۔

"یوں لگتا ہے کہ نوسس اعظم کے خلاف یہ ہمارا آخری قلعہ ہے۔ اور اس قلعے سے ہم اس کا غرور توڑیں گے اور اس پر فتح حاصل کریں گے۔"

"بیشک۔" میں نے پُرمسرت انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور سلاطیس مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"ویسے ایک بات میں اور بھی کہنا چاہتا ہوں لیاس۔"

"وہ کیا۔" ؟ میں نے پوچھا۔

"میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جب سے مجھے تیرا قرب حاصل ہوا ہے مجھ پر سائبانوں کے دروازے کھل گئے ہیں، بیشک اس سے قبل بھی میں دشمنوں پر فتح حاصل کرتا آیا ہوں لیکن جب سے تیرا ساتھ نصیب ہوا ہے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ہر طرح سے کم نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور فتح حاصل ہو جاتی ہے۔"

"یہ تیری محبت ہے سلاطیس۔ میں پھر یہی کہوں گا۔"

میں نے کہا اور سلاطیس ہنس پڑا۔

بہرصورت دروازے بنائے جارہے تھے۔ سلاطیس نے حکم دیا تھا کہ کم سے کم دروازے بنائے جائیں تاکہ انہیں بند کرنے میں بہت زیادہ دقت نہ ہو۔

دروازے بنائے گئے اس کے بعد شکار کا بندوبست کیا گیا۔ چنانچہ ایسے علاقے منتخب کر لئے گئے، جہاں سے باہر نکل کر شکار کیا جا سکتا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک تیز رفتار ندی بہہ رہی تھی، جہاں سے پانی کا حصول مشکل نہیں تھا۔ پانی کے علاوہ یہاں سے مچھلیاں بھی حاصل کی جا سکتی تھیں جو خوراک کا کام دیتیں۔

چنانچہ ایک ایسی لائن بنادی گئی جو عام نگاہوں سے محفوظ رہے۔ یعنی ایک زمین دوز درّہ جس سے گزر کر ندی تک پہنچا جاسکے۔ یا پھر شکار کا بندوبست کیا جاسکے۔

سلاطیس نے یہ بہت بڑی جنگی چال چلی تھی اس طرح کسی کو یہاں ہماری موجودگی کا علم بھی نہیں ہوسکتا تھا اور ہم یہاں اپنی جنگی کاروائیوں کے لئے مورچہ بندی کر سکتے تھے اس کے بعد ایسے ایسے کام کئے گئے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ جو پیش گوئی عشطار نے کی ہے وہ حرف بحرف درست ہوگی۔

یوں تو عشطار کی کوئی پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوئی تھی اور اس نے آج تک جو کچھ کہا تھا اس کے تحت میں سلاطیس اعظم کے سامنے سرخرو ہوا تھا، لیکن نوسس اعظم کا معاملہ ذرا دوسرا تھا، بشرطیکہ اس کے جاسوس اسے ہمارے بارے میں صحیح اطلاع نہ دیدیں۔

درختوں کے اوپر چوٹیوں پر مچان بنائے گئے جن پر تیراندازوں کو بٹھا دیا گیا اور ان کی ذمہ داری تھی کہ دن رات آنے جانے والے راستوں پر نگاہ رکھیں اور ان جاسوسوں کو اشارات نشر کریں جنہیں سلاطیس نے نوسس اعظم کی طرف روانہ کیا ہے۔

اس دوران بہت سی اور بھی باتیں ہوئیں مثلاً سلاطیس اعظم نے اب خیمے میں سکونت اختیار کر لی تھی، گویا اس وقت وہ عیش کی زندگی میں داخل ہو گیا تھا۔ اس وقت تک کے لئے جب تک نوسس اعظم کی طرف سے روانگی کی اطلاع نہ مل جائے۔

اور یہ وقفہ طویل رہا، مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس وقت سلاطیس اعظم کی منظور نظر میری بہن علایہ ہے۔ علایہ اس کے خیمہ خاص میں موجود تھی۔ اور یہ خیمہ خاص ایک بہت بڑے درخت کے سائے میں لگایا گیا تھا جو ایک وسیع و عریض علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کے گرد چوبدار پہرے دیتے رہا کرتے تھے۔

علایہ کی خوشیاں اور مسرت میں اس

نما اں دیکھتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے سارے جہاں کے خزانے مل گئے ہوں اور درحقیقت میں اس بات پر خوش تھا۔

ابھی تک کسی کو میرے اور عشطار کے بارے میں کچھ معلومات فراہم نہیں ہو سکی تھیں، اور یہ بھی حقیقت تھی کہ عشطار تین بار یہاں مجھ سے مل چکی تھی۔ وہ ایک خاصے وقفے کے بعد میرے پاس آئی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے مجھے اپنی کچھ مجبوریاں بھی بتائی تھیں جن کی وجہ سے میں اس سے اصرار نہیں کر سکا تھا۔

اس رات جب وہ میرے پاس آئی تو اس کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور آنکھوں میں ایک شرارت آمیز چمک تھی۔

میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا، "کیا بات ہے عشطار، کیا کوئی خاص بات تمہارے ذہن میں پرورش پا رہی ہے؟"

"ہاں خاص ہے بھی اور نہیں بھی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کیا تمہارے علم میں یہ بات ہے کہ سلاطیس اعظم ایک وہم کا شکار ہو گیا ہے۔"

"کیسا وہم؟"

"یہ وہم اسے اس کے جادوگروں نے دیا تھا۔" عشطار مسکرا کر بولی۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا عشطار۔" میں نے کہا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو، تم اس کے سدباب کے طور پر بھی بہت کچھ کر چکے ہو۔"

"اوہ۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "شاید تمہارا اشارہ اس جانب ہے جب ایک جادوگر نے سلاطیس اعظم سے کہا تھا کہ سلاطیسِ اعظم کا بیٹا اس کی مانند شریر ہو گا۔ لومڑی صفت ہو گا اور اسی کے ہاتھوں سلاطیس ہلاک بھی ہو جائے گا۔"

"ہاں، میں اسی کی بات کر رہی ہوں۔"

"بیشک عشطار، جادوگروں نے یہ بات کہی تھی۔"

"اور تم نے اسے جھٹلا دیا تھا۔" عشطار ہنس کر بولی۔

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"بس عشطار، میرے ذہن میں بس ایک ایسا ہی خیال تھا۔"

"میں بتاؤں کیا خیال تھا؟" عشطار مسکرا کر بولی۔

"بتاؤ۔"

"تمہارے ذہن میں یہ خیال تھا کہ تمہاری بہن علایہ بھی اس کے حرم میں داخل ہے۔" عشطار بولی۔ اور پھر میں نے گردن جھکا دی تھی۔

"ہاں تمہارا خیال درست ہے عشطار، میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا۔"

"میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بولتے لیکن جادوگرنی کا کہا بھی غلط نہیں تھا۔"

"کیا مطلب ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"علایہ کے شکم میں سلاطیس کا قاتل جاگزیں ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں حیرت اور خوف سے چیخ پڑا۔

"ہاں۔ جو داستانیں رقم ہو جاتی ہیں ان میں تحریف ممکن نہیں ہوتی۔"

"کیا کہہ رہی ہو عشطار؟"

"میں غلط نہیں کہہ رہی لیپاس، سچ کہہ رہی ہوں۔ دیوتاؤں کی مرضی یہی ہے، دیوتاؤں کا کہنا یہی ہے۔" عشطار پُراسرار انداز میں بولی۔

"آہ علایہ تو کیا۔ تو کیا سلاطیس کا قاتل میری بہن کا بیٹا ہو گا؟"

"نا صرف تمہاری بہن کا بلکہ سلاطیس کا اور علایہ کا۔"

"اوہ، بہت ہی خوفناک بات ہے یہ تو۔"

"بہر صورت اس جہان میں بے شمار خوفناک باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔"

"مگر عشطار کیا کوئی ایسی ترکیب نہیں ہے جس سے اس بُری گھڑی کو ٹالا جا سکے۔"

"نہیں، بُری گھڑیاں ہمارے ہاتھوں تحریر نہیں ہوتیں، جو ہونا ہوتا ہے اس کا عمل کہیں اور سے ہوتا ہے۔"

"بیشک، بیشک۔" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ "پھر اب کیا ہو گا؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے علایہ۔ علایہ۔ کیا علایہ۔ اوہ عشطار بہت ہی پریشان کن بات ہے، مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"خاموشی اختیار کرو لیپاس۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔"

"اوہ۔ اوہ میں کیا کروں، میں کیا کروں۔" میں نے

دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ میں علایہ کو بالکل ایک ننھی سی بچی کی طرح چاہتا تھا۔ وہ میری بہن تھی، لیکن میں نے اسے اولاد کی طرح پالا تھا، اس کی نگہداشت کی تھی، اور اب اس کے مستقبل کے بارے میں ایسی باتیں سن سن کر میرے ہوش و حواس اُڑے جا رہے تھے۔

عشطار نے شاید میری یہ کیفیت محسوس کر لی تھی کیونکہ اُس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"یہاں تمہیں حوصلہ کرنا چاہیے۔ ویسے تمہارا بھی ایک کردار اس میں شامل ہے۔"

"میرا۔" میں نے خوف سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"وہ کیا۔"؟ میں مزید پریشان ہو گیا تھا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سلاطیس نے تمہارے کہنے پر وہ بات اپنے ذہن سے ہمیشہ کے لئے مٹا دی ہے۔"

"مم... میرا تو یہی خیال ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر... پھر کیا بات ہے۔"؟ میری حالت خاصی خراب ہو رہی تھی۔

"سلاطیس کے ذہن میں ایک خوف بیٹھ گیا ہے، حالانکہ فطرتاً وہ ایک دلیر انسان ہے، موت سے نہ ڈرنے والا، میدانِ جنگ میں زندگی کی بازی لگا دینے والا، تلواروں، نیزوں اور کسی بھی ہتھیار کی پرواہ نہ کرنے والا، خواہ اس کے اُوپر ہزاروں افراد یورش کر دیں۔ لیکن انسان کے دل کی گہرائیوں میں اگر کوئی ایسی بات بیٹھ جائے جو اس کے مستقبل سے متعلق ہو تو وہ پھر اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"تو کیا تمہارا خیال ہے کہ سلاطیس اس بات سے خوفزدہ ہے۔"

"نا صرف خوفزدہ ہے بلکہ محتاط بھی ہے۔"

"میرے اطمینان دلا دینے کے باوجود۔"

"ہاں۔ ہر چند کہ اسے تم پر بھروسہ ہے لیکن بس یہ احساس اس کے ذہن کی گہرائیوں میں بیٹھ چکا ہے اور وہ اس کا سدِباب کر رہا ہے۔"

"سدِباب۔" میں نے پوچھا۔

"ہوں۔"

"وہ کیسے۔"؟

"بس وہ نہیں چاہتا کہ اس کے ہاں کوئی اولاد پیدا ہو۔ لیکن یہ بات اس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔"

"تم پہیلیاں بجھوا رہی ہو عشطار۔"

"نہیں میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اس کا قاتل تمہاری بہن کے پیٹ میں موجود ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ گویا۔ گویا۔"

"ہاں بس اس سے زیادہ میں تمہیں اور کچھ نہ بتاؤں گی۔"

"لیکن عشطار یہ بات تو بڑی پریشان کن ہوگی۔"

"بیشک۔"

"پھر اس سلسلے میں کیا ہونا چاہیے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"؟

"میں تو عجیب پریشانی کا شکار ہوں۔"

"وہ کیوں۔"؟

"عشطار میں دل سے سلاطیس کا دوست ہوں، حالانکہ میری اور اس کی دوستی بڑی عجیب سی ہے، وہ حکمران ہے، قادر ہے ہم پر، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ میرا محسن اور مربی بھی ہے، میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے۔"

"تو ٹھیک ہے اسے اطلاع دے دو کہ علایہ کے بطن میں اس کا بچہ موجود ہے، وہ بچہ جو اس کے مستقبل کے لئے انتہائی خوفناک ہو سکتا ہے۔"

"نہیں نہیں، یہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"وہ کیوں۔"؟

"علایہ میری بہن ہے۔ تم جانتی ہو۔"

"تو پھر یہ دوغلی پالیسی تم کیسے چل سکو گے۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہوگا کہ سلاطیس کو قائم رکھو گے یا علایہ کو۔"

میں واقعی پریشانی کا شکار ہو گیا تھا، عشطار دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"اگر تم چاہو تو میں تمہاری رہنمائی کر سکتی ہوں۔"

"تم۔"؟

"ہاں میں۔"

"یہ تو ٹھیک ہے عشطار، تمہارے علاوہ بھلا کون میرا ساتھی اور ہمدرد ہے، تم نے جس مشکل کا انکشاف کیا ہے، بیشک وہ بہت ہی اُلجھی ہے اور پریشان کن بھی، تم ہی میری مدد بھی کرو۔"

"میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں، لیکن اس کے لئے تمہیں ایک لمبا جال پھیلانا ہوگا۔"

"بھلا وہ کیا۔"؟

"تمہیں علایہ کے بچے کی حفاظت کرنا ہوگی۔"

"مجھے۔"

"ہاں انہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"کچھ عرصے کے بعد علایہ کے جسم کی تبدیلیاں اس بات کا اظہار کریں گی کہ وہ سلاطیس کے بچے کی ماں بننے والی ہے، اور سلاطیس اپنے خوف پر قابو نہ پا سکے گا، وہ انتظار کرے گا اس بات کا کہ اس بچے کو قتل کر دے جو علایہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے، وہ علایہ کو بھی قتل کر سکتا ہے اگر علایہ نے اس سلسلے میں مزاحمت کی، لیکن تم اپنی بہن کو سمجھانا، اس سے کہنا کہ وہ سلاطیس کی دلجوئی کرے اور اس کی ہاں میں ہاں ملائے، تم اس سے کہنا کہ وہ ماں بعد میں ہے اور بیوی پہلے، چنانچہ وہ اپنے شوہر کی زندگی کی طلب گار ہے، اس طرح علایہ کی جان بچ جائے گی اور پھر جب وہ بچہ پیدا ہو جائے تو اس کے بعد تمہارا کام شروع ہوگا۔"

"وہ کیا؟"

"یہ میں تمہیں اسی وقت بتا دوں گی۔"

"اوہ عشطار کیا تم مجھے اتنے عرصے تک ذہنی الجھن میں مبتلا رہنے دو گی۔"

"ہاں یہ ضروری ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے لیپاس کہ انسان بڑی عجیب و غریب شے ہے، ممکن ہے کسی وقت تمہارے منہ سے اس بات کا انکشاف نہ ہو جائے۔ اور اس کے بعد تمہارے ہاتھ میں کچھ نہ رہے۔"

"میں خاموش ہو گیا، عشطار کو اس سے زیادہ میں مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یوں ہوا کہ تقریباً ایک ماہ کے بعد عشطار میرے پاس آئی اور اس نے کہا۔

"اس سلسلے کے دوسرے عمل کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا مطلب؟"

"میں اب تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہاری زندگی میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟"

"علی اعلان۔" اس نے جواب دیا۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"تو یوں کرو اپنے حلیف و مربی، محسن و غمگسار سلاطیس اعظم سے کہو کہ تم بھی اپنی زندگی میں ایک عورت کے خواہاں ہو۔ تو جب سلاطیس تمہیں اس کی اجازت دیدے تو تم ان عورتوں میں آ کر اس کی جانب اشارہ کر دینا جس کے بال سنہرے ہوں اور چہرہ بدنما۔ وہ میں ہوں گی۔ جو اس وقت بدلی ہوئی شکل میں ہوں گی، لیکن تمہاری آغوش مجھے میری اصل شکل میں تمہارے سامنے پیش کرے گی۔"

"اوہ عشطار۔"

"ہاں بس فی الحال تمہیں اتنا ہی کرنا ہے۔" عشطار نے جواب دیا۔ اور فیصلہ کن انداز میں خاموش ہو گئی۔ گویا اس کے بعد مجھے اس سے کچھ نہیں کہنا تھا۔ سو میں نے یہی کیا۔

یعنی جب سلاطیس اعظم سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دبے الفاظ میں اپنی خواہش کا اظہار کیا اور وہ ہنس پڑا۔

"تو تم نے اب تک انتظار کیوں کیا۔ اپنی پسند کی عورت کا انتخاب کر لیتے اور مجھے اس کی اطلاع بعد میں دیدیتے۔"

"نہیں سلاطیس اعظم آپ کی اجازت ضروری تھی۔"

"میری اجازت ہے تمہیں۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ اور عورتوں کے ریوڑ میں سے اس کو تلاش کر لو جسے تم اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے خواہاں ہو۔"

اور یونہی ہوا اور ہم عورتوں کے ریوڑ میں پہنچ گئے جہاں سنہرے بالوں والی بدنما شکل کی ایک لڑکی بھی تھی۔ اور یہ لڑکی ایسی تھی کہ اس کے بالوں کو تو خوبصورت کہا جا سکتا تھا لیکن اس کے چہرے کو کوئی خوبصورت نہیں کہہ سکتا تھا۔

سلاطیس نے میرے اشارے پر حیرت سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"یہاں بے شمار خوبصورت لڑکیاں ہیں اس لڑکی میں تمہیں کیا خوبی نظر آئی۔"

"بس سلاطیس میں اسے ہی چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور اس نے گردن خم کر دی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اگر یہ تمہاری پسند ہے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یوں عشطار میری بیوی کی حیثیت سے میرے پاس پہنچ گئی اور جو کچھ اس نے کہا تھا غلط نہیں کہا تھا یعنی رات کی تنہائی میں وہ اپنی اصلی صورت میں میرے سامنے نمایاں تھی۔

حیرت انگیز عورت جس کے بارے میں مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کون ہے۔ بہر صورت وقت گزرتا رہا تقریباً تین یا چار ماہ گزر گئے۔ سو ایک دن سلاطیس نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اس کے چہرے پر تفکر کی گہری پرچھائیاں تھیں اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"تو مجھے ہمیشہ صحیح اور اچھے مشورے دیتا ہے لیپاس لیکن اس وقت ایک ایسا امتحان آ گیا ہے تیرے ساتھ جس

پرشانہ تو پورے طور پر پورا نہ اتر سکے۔"

"ہو سکتا ہے سلاطیس اعظم۔ میں نے کبھی اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ میں ہر امتحان میں پورا اتر سکتا ہوں' لیکن میں انتہائی کوشش کروں گا کہ تجھے میری ذات سے مایوس نہ ہونا پڑے۔" میں نے جواب دیا۔

"سوچ لے۔"

"میں نے سوچ لیا سلاطیس اعظم۔"

"تو پھر سن' تیری بہن علایہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے' اس کی علامات اس کے جسم سے ظاہر ہو چکی ہیں' اور یہ زیادہ بہتر نہیں ہوا۔"

"میں نہیں سمجھا سلاطیس اعظم۔"

"دیکھو لیپاس میں مرے خیالات کا مالک نہیں ہوں میں نے کبھی بزدلی کی زندگی نہیں اپنائی ہے' لیکن جادوگر جو کچھ کہہ گئے ہیں اس نے میرے ذہن پر ایسا تسلط جمایا ہے کہ میں کوشش کے باوجود اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔ یعنی بچے کی بات یہ کہ میرا بچہ میرا قاتل ہوگا۔"

"اوہ حالانکہ میں نے تجھے اس کے لئے منع کیا تھا' سلاطیس اعظم۔"

"مجھے افسوس ہے لیپاس بلکہ میں شرمندہ ہوں تیرے سامنے کہ تیری بات پر اعتبار کرنے کے باوجود میرے ذہن میں خوف کا ایک احساس موجود ہے۔"

"تو پھر مجھ سے کیا چاہتا ہے۔"

"مشورہ۔ ہمیشہ کی مانند۔" سلاطیس نے جواب دیا اور میں نے گردن جھکالی۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تو ٹھیک ہے سلاطیس' پھر صرف ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا۔"؟

"علایہ کو قتل کر دے۔" اور سلاطیس عجیب نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگا' پھر مسکرا کر بولا۔

"تیرا مشورہ نہایت مناسب ہے' لیکن اس میں ایک گنجائش موجود ہے۔"

"وہ کیا۔"؟

"کیا تجھے علایہ سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر تو اس کا قتل کیوں چاہتا ہے۔"

"اس لئے کہ میں تیرا غمگسار ہوں اور تیری سلامتی کا خواہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"بیشک تو ایک قابل اعتماد دوست اور ایک سچا مشیر ہے' لیکن یہاں جذبات سے کام نہ لے بلکہ سوچ سمجھ کر کوئی اور ایسا مشورہ دے جو کارآمد ہو سکے۔"

"میں مشورہ نہیں دے سکتا سلاطیس' صرف ایک سوال کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیا۔"؟

"کیا علایہ تجھے چاہتی ہے۔"

"ہاں بہت زیادہ۔"

"کیا وہ اس بات کو پسند کرے گی کہ اس کا بیٹا تیرا قاتل ہو۔" میں نے پوچھا۔

"ناممکن۔ وہ کبھی پسند نہیں کرے گی۔"

"اور اگر تو یہ بات اسے بتا دے تو۔"

"تو۔" سلاطیس مسکرایا اور پھر ہنس پڑا۔ "میں اسے یہ بات بتا چکا ہوں۔"

"اوہ تو پھر کیا کہا اس نے۔"

"وہ خودکشی کرنے پر آمادہ تھی' خود اس کی یہ خواہش تھی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ بیشک تم دونوں بہن بھائی اس قدر قابل اعتماد اور سچے انسان ہو کہ میں دل و جان سے تمہاری قدر کرنے پر مجبور ہوں۔ میں نے علایہ سے کہا کہ اگر وہ اجازت دے تو اس کے بجائے اس کے بچے کو قتل کر دیا جائے لیکن یہ تو اس وقت ممکن ہے جب اس کا وجود اس دنیا میں آ چکے۔" سلاطیس نے کہا اور میری آنکھوں میں حیرت کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔

عشطار نے بھی تو یہی سب کچھ کہا تھا۔ تب میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے سلاطیس' اگر علایہ خوشی سے اس بات پر آمادہ ہو کہ پیدائش کے بعد اس کے بچے کو قتل کر دیا جائے تو یہی بہتر ہے لیکن کہیں اس کے ذہن میں ماں نہ جاگ اٹھے۔"

"تیرا علم کیا کہتا ہے لیپاس' کیا اس کے ذہن میں ماں جاگ اٹھے گی۔"

"میں نہیں کہہ سکتا' عورت بڑی عجیب ہوتی ہے وہ جسے پسند کرتی ہے اس کے اوپر ساری دنیا نچھاور کر دیتی ہے۔ ممکن ہے ایسا نہ ہو۔"

"بس تو ٹھیک ہے ہم انتظار کریں گے۔" سلاطیس نے کہا اور میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی پھر سلاطیس مسکراتا ہوا میری طرف دیکھ کر بولا۔

"تجھے چنداں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے کہ
تجھے اس بچے سے پیار نہ ہوگا جو پیدا ہو کر تیری نظروں کے سامنے نہ
رہے گا لیکن بہر صورت اسے قتل کرنا لازمی ہوگا، تیری زندگی کی
۔۔۔ کی ضمانت تجھے میں دیتا ہوں۔"
میں نے تشکر کے انداز میں گردن جھکا دی۔

وقت گزرتا رہا۔ جاسوسوں کا ایک آدھ آدمی کبھی نہ کبھی آنکلتا
تھا اور توسس اعظم کی تیاریوں کی اطلاع دیتا تھا۔ توسس اعظم ہر طرح
سے یہ کوشش کر رہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ قبیلے اس کے گرد جمع ہوں
اس کے بعد وہ سلاطیس کی تلاش میں نکلے اور جب واپس آئے تو
سلاطیس کا سر اس کے نیزے پر لٹکا ہوا ہو یعنی وہ کوئی ایسا قدم نہیں
اٹھانا چاہتا تھا جس میں اسے شکست کا شائبہ بھی ہو۔ نا لیکن وہ اس
بات سے بے خبر تھا کہ سلاطیس اس کے لئے جو بندوبست کر چکا ہے
وہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ ہے۔
سو یوں ہوا کہ علایہ بچے کی ولادت کے دن پورے کرتی
رہی سلاطیس اب دوسری بیگمات کی جانب راغب ہو گیا تھا علایہ
کو کچھ دن کے لئے اس نے نظرانداز کر دیا تھا لیکن یوں بھی ہونا تھا
کہ میں علایہ سے ملتا رہتا تھا۔ علایہ کے چہرہ پر پژمردگی چھائی رہتی تھی
غالباً اسے احساس تھا کہ یہ بچہ جو اس کے شکم میں پرورش پا رہا ہے
جانبر نہ ہو سکے گا اور اسے اس سے ہاتھ دھونا پڑیں گے کیونکہ وہ
اپنے شوہر کی زندگی کی بھی خواہاں تھی۔ یہ دوہری کشمکش اسے
زرد کئے دے رہی تھی، لیکن ایک دن عشطار نے مجھ پر ایک
عجیب و غریب انکشاف کیا۔ وہ ہنس کر بولی۔
"تم نے کچھ محسوس کیا الیپاس؟"
"کیا"؟ میں نے سوال کیا۔
"تم احمق ہو الیپاس۔"
"ہاں ہوں" میں نے اعتراف کیا۔
"میں بھی ماں بننے والی ہوں۔"
"ایں"۔ میں نے حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر
مجھے احساس ہوا کہ واقعی میں ایک بڑی حقیقت کو فراموش کر بیٹھا تھا۔
"اوہ عشطار یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے۔"
"مسرت کی بات ہے لیکن انتہائی قابل افسوس بھی۔"
"بھلا وہ کیوں؟"
"میں ابھی تم پر یہ انکشاف نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے تجھے
ذرا انتظار کرنا ہوگا۔"
"تو پھر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔"
"بس میں نے تجھے اتنا بتا دیا تاکہ تو تیار رہے۔"
"عشطار تو میرے لئے ذہنی کرب کا باعث بن چکی ہے تیری
باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"
"کیا کہہ رہے ہو الیپاس ذرا سوچ سمجھ کر بات کرو۔"
"تو سمجھتی ہے عشطار تو میری ذہنی کیفیت اچھی طرح سمجھتی ہے"
"ہاں اچھی طرح سمجھتی ہوں لیکن نہیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو
وقت نے لکھ دیا ہے اور وقت نے جو لکھا تھا بالآخر وہ سب مجھے
کرنا پڑا۔"

وہ دن نزدیک آگئے جب علایہ اور عشطار دونوں ہی
ماں بننے والی تھیں۔ عشطار نے اسی شام مجھے پراسرار انداز میں مجھ
سے کہا۔
"وہ بچہ جو میرے شکم سے پیدا ہوگا مردہ ہوگا۔"
"کیا مطلب"؟ میں اچھل پڑا۔
"ہاں، وہ مردہ ہوگا اور جو بچہ علایہ کے بطن سے پیدا ہوگا وہ
اس کی جگہ لے گا۔"
"کیا"؟ میں ششدر رہ گیا۔
"یہ کام تمہیں کرنا ہوگا کیسے؟ یہ کام نہایت چالاکی سے تمہیں کرنا
ہوگا کہ دونوں بچوں کو آپس میں تبدیل کر دو۔"
"اوہ۔ اوہ۔ عشطار لیکن لیکن۔"
"بس یہی سب کچھ لکھا ہے تقدیر میں اور دیوتاؤں کی یہی
مرضی ہے۔ اگر تم اس میں کچھ مداخلت کرنا چاہتے ہو تو پھر تباہی تمہارا
اور علایہ کا مقدر ہوگی نہ صرف تم دونوں کا بلکہ سلاطیس بھی اس سے
نہ بچ سکے گا چنانچہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہی کرو اور پھر اس
سارے کام کے لئے مجھے جو کچھ کرنا پڑا وہ انتہائی ہولناک تھا۔
میں نے پہلی بار سلاطیس کو دھوکا دیا یہ اتفاق نہ تھا بلکہ عشطار
کی پیشن گوئی تھی۔ دونوں بچے بیک وقت پیدا ہوئے سلاطیس کو
اس کی اطلاع مل چکی تھی، وہ خیمہ کے باہر تلوار لئے ٹہل رہا تھا اور
اندر میری خاص عورتیں اپنے کام میں مصروف تھیں خیمہ کے عقبی
حصے میں پہنچ کر میں نے مردہ بچہ ان کے حوالے کر دیا اور زندہ بچہ
اپنی بغل میں دبائے تیز رفتاری سے اپنے خیمہ کی جانب چل پڑا جہاں
عشطار موجود تھی۔
عشطار نے مسکرا کر اس حسین بچے کو گود میں لے لیا جو میری
بانہوں میں تھا اور جو میری بہن کا بچہ تھا اسے اپنے بچے کی موت کی
چنداں پرواہ نہیں تھی، مردہ بچہ علایہ کے پہلو میں لٹا دیا گیا اور اس
کے بعد عورتوں نے سلاطیس کو بیٹے کی پیدائش کی مبارکباد دی لیکن
سلاطیس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بیٹا نہیں
اس کا قاتل ہے چنانچہ وہ تلوار لئے خیمہ میں داخل ہوا۔
مردہ بچہ علایہ کے نزدیک موجود تھا۔ سلاطیس نے گہری
نگاہوں سے علایہ کی شکل دیکھی اور پھر بچہ کی بند آنکھوں کو دیکھنے لگا،
اسے ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ یہ بچہ زندہ نہیں ہے۔ پھر اس نے

اشارہ سے عورتوں کو ایک طرف چلے جانے کے لئے کہا اور عورتیں علایہ کے پاس سے ہٹ گئیں۔

علایہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں اس کا چہرہ اب بھی خوف سے زرد ہو رہا تھا۔

"کیا کہتی ہو علایہ کیا میں اس وقت بھی تم سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟"

"ضرور۔" علایہ نے آنکھیں بند کئے کئے جواب دیا۔

"آنکھیں کھولو۔" اور علایہ نے آنکھیں کھول دیں۔ ان آنکھوں میں ایک ایسا خوف ایک ایسی بے بسی تھی کہ سلاطیس ایک لمحہ کے لئے ڈگمگا گیا۔ لیکن پھر اس کا عزم دوبارہ زندہ ہو گیا۔

"بولو علایہ مجھے چاہتی ہو یا اپنے بچے کو۔"

"تمہیں۔" علایہ نے جواب دیا۔

"تو پھر مجھے اجازت دو کہ میں اسے قتل کر دوں۔"

"اجازت ہے۔" علایہ نے رخ بدل لیا اور سلاطیس بے رحمی سے آگے بڑھا اس نے تلوار بلند کی اور دوسرے لمحہ بچے کی گردن اس کے شانوں سے جدا ہو گئی۔

سلاطیس نے ایک پُر غرور قہقہہ لگایا "میرا قاتل، میرا قاتل۔"

اور اس کے بعد وہ خون آلود تلوار لئے باہر نکل گیا۔

عجیب و غریب واقعہ ہوا تھا جس کی تفصیل شاید علایہ کو بھی معلوم نہیں تھی، سوائے اُن دونوں عورتوں کے جو میری رازدار تھیں لیکن عشطار نے یہ بھی کہا تھا کہ ان دونوں عورتوں کی زندگی ممکن نہیں ہے، چنانچہ انہیں بھی کسی مناسب وقت پر قتل کر دیا جائے اور میں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ بلاشبہ اپنی ان دونوں رازداروں کو قتل کر دینا ہی بہتر ہو گا کیونکہ عشطار کا یہی حکم تھا اور میں جانتا تھا کہ اگر عشطار کے حکم سے انحراف کیا گیا تو تباہی یقینی ہے۔

سو یوں ہوا کہ ایک رات ان دونوں عورتوں کو زہر دے دیا گیا۔ البتہ سلاطیس نے مجھے میرے کی پیدائش پر مبارکباد دی تھی اور کسی قدر افسردگی سے کہا تھا۔

"میرا خیال تھا میرا سب سے پہلا بیٹا سلطنت کا وارث ہو گا، نوسس اعظم کا جو تخت میں حاصل کروں گا اس کے وارث کے طور پر میرا بیٹا میرے سامنے ہو گا، لیکن افسوس میرا یہ تخت کسی اور کی تحویل میں جائے گا کیونکہ میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ میرا بیٹا یا میری ہی اولاد مجھے قتل کر دے۔ آہ ان جادوگروں نے میرے ذہن کو کیسے شدید کرب سے دوچار کیا ہے۔ کاش میں اس شخص کو قتل نہ کرتا کہ جس نے یہ پیشن گوئی کی تھی، بلکہ بار بار میں اس کے جسم میں ایک نہ ایک سوراخ کرتا اور اسے اذیت سے تڑپنے دیتا جیسی اذیت وہ مجھے دے گیا ہے اس کا نعم البدل اس کی موت نہیں تھی۔"

دوسری طرف عشطار خوش تھی، ایک حسین و جمیل بچہ اس کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا، اور میں اس عورت کے کردار پر حیران تھا، ایک رات میں نے اس سے سوال کر ڈالا۔

"عشطار کیا تمہیں اس بچے سے مامتا محسوس ہوتی ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تم اس کی اتنی دیکھ بھال اتنی نگہداشت کیسے کر لیتی ہو؟"

"اس لئے کہ دیوتاؤں کا حکم ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے کہا نا کہ میں تمہاری زمین کی مخلوق نہیں ہوں، میں وہ نہیں ہوں جو تم ہو۔ میں تمہارے درمیان بھیجی گئی ہوں، ایک خاص مقصد کے تحت، اور میں اسی مقصد میں پورا کر رہی ہوں، اس سے زیادہ کچھ معلوم کرنے کی کوشش مت کرنا لیپاس، ورنہ یہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہو گا۔"

"اگر میں نے تمہیں اپنے بارے میں بتا دیا تو پھر تمہیں بھی شدید مشکلات کا شکار ہونا پڑے گا، تم مجھ سے اس کے بارے میں مزید کوئی سوال نہ کرنا۔ یہ آخری حدود تھیں جو میں نے تمہیں بتا دیں اس کے بعد میں تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گی۔"

لیکن میرے دوستو انسان بہت بے صبر ہوتا ہے حقیقتوں کو جاننے کے لئے بعض اوقات اپنی زندگی اپنا مستقبل داؤ پر لگا دیتا ہے۔ سو میں نے بھی ایسا ہی کیا تھا، لیکن اس کا تذکرہ میں تم سے بعد میں کروں گا۔

سلاطیس کا بیٹا عشطار کی آغوش میں پرورش پاتا رہا اس کے چہرے کے نقوش دیکھ دیکھ کر بار بار مجھے خوف محسوس ہوتا تھا کہ کہیں سلاطیس کی نگاہ اس پر نہ پڑ جائے۔ اور وہ ان نقوش میں اپنی شباہت تلاش نہ کرے۔ چنانچہ یونہی ہوتا تھا کہ بچے کو عام نگاہوں سے پوشیدہ رکھا جاتا تھا، عشطار یوں بھی کم ملنے جلنے کی عادی تھی۔ اس کے ملنے جلنے والوں میں چند ہی افراد تھے جن سے عموماً وہ بچے کو چھپاتی رہتی تھی، بلکہ عورتیں اس سے کہتی بھی تھیں کہ عشطار تم اپنے بچے کو اس طرح چھپائے رکھتی ہو جیسے کوئی اسے اڑا لے جائے گا۔ اور عشطار ایک خاموش مسکراہٹ کے علاوہ کچھ نہ کرتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ جاسوسوں کی ایک ٹیم نے آ کر اطلاع دی کہ نوسس اعظم کا مقصد پورا ہو چکا ہے اور اب ہتھیار بندی کی جا رہی ہے، گویا اس کی فوجیں روانہ ہونے والی ہیں اور سلاطیس نرم نکل کر رزم گاہ کی طرف آ گیا۔ اب اسے کوئی احساس نہیں تھا کہ اس کے ساتھ عورتیں بھی ہیں، درختوں پر مچان باندھے جانے لگے، بڑے بڑے تختے بنائے گئے تھے، فوج کا ایک حصہ ایک مخصوص راستے سے نکالنے کے لئے مخصوص کر دیا گیا اس راستے پر بظاہر خسارہ

جھاڑیاں لگا دی گئی تھیں، لیکن یہ اس طرح سے تھیں کہ ایک تختے پر جڑی ہوئی تھیں اور باہر سے دیکھنے پر یہی معلوم ہوتا تھا کہ جھاڑ جھنکاڑ کا یہ شہر ویران پڑا ہوا ہے۔ لیکن اس کے دوسری جانب جو کچھ تھا اس کا اندازہ آپ لوگوں کو بخوبی ہو چکا ہے۔

کئی دروازے رکھے گئے تھے تاکہ نوسس اعظم کی فوجوں کو جب تیروں سے چھلنی کر دیا جائے اور نیزوں سے چھید دیا جائے یعنی وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان میں جنگ کی سکت نہ رہے تو پھر ان پر باہر نکل کر فیصلہ کن حملہ کیا جائے۔ اور ان کی پسپائی کا مناسب بندوبست کر دیا جائے اور اس کے بعد درختوں کی بلند ترین چوٹیوں پر نقیب نگاہیں گاڑ کر بیٹھ گئے۔

جاسوس سب کے سب واپس آ چکے تھے، انہوں نے آخری اطلاع یہی دی تھی کہ نوسس اعظم ہزار ہا لشکر کے ساتھ چل پڑا ہے اس کے ساتھ چودہ قبائل شامل ہیں، ان چودہ قبیلوں کے تمام جوان اس کے لشکر میں شامل ہو کر باغی سلاطیس کو شکست دینے کے لئے چل پڑے ہیں۔ سلاطیس اعظم نے ان قبائل کے نام اپنے ذہن میں درج کر لئے تھے، خوب اچھی طرح دوہرا لیا تھا اس نے کیونکہ اس کے بعد ان قبائل کا نام و نشان اس روئے زمین سے مٹ جانا تھا اور یہی سلاطیس اعظم کا وطیرہ تھا، وہ ہمیشہ ان قبائل کو ختم کر دیتا تھا جو اس کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت زندگی میں ایک بار بھی کرتے تھے۔

نوسس اعظم کی فوجوں کا انتظار تھا۔ دن رات نگاہیں قرب و جوار میں بھٹکتی رہتی تھیں اور درختوں کی بلند شاخوں پر بنے ہوئے مچانوں پر موجود نگہبان اور ماحول کے محافظ پوری تندہی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

پھر یوں ہوا کہ آسمان کی وسعتوں میں صبح کا ستارہ نمودار ہوا اور اس کے ساتھ ہی سب سے بلند درخت سے چند مخصوص آوازیں ابھریں۔ یہ اشارہ تھا اس مہیب طوفان کا جو ایک سے کچھ دیر کے بعد آنے والا تھا۔

نوسس اعظم کا لشکر آ پہنچا تھا اور اس کے ہراول دستے کا پہلا سوار ان لوگوں نے دیکھ لیا تھا اس کے بعد جو کچھ انہیں نظر آ رہا تھا وہ بلاشبہ دل دہلا دینے والا تھا۔ اس سے قبل سلاطیس کی فوجوں نے بڑے بڑے قبائل کو تباہ کیا تھا، بہت بڑے بڑے لشکر سامنے آتے تھے اور انہوں نے انہیں شکست فاش دی تھی، لیکن اس وقت جو طوفان بلاخیز سامنے سے نظر آ رہا تھا کوئی لشکر نہ تھا بلکہ انسانوں کا ایک سمندر تھا جو لہرو لہر آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا جیسے سمندر میں طغیانی آ گئی ہو۔ ان مخصوص آوازوں کا اثر پیچھے بھی بڑا ہی خوفناک ہوا تھا۔

تمام سپاہی بجلی کی سی تیزی سے سامنے گئے۔ اور فوری طور پر سلاطیس کو اس کے بارے میں اطلاع دی گئی۔ سلاطیس ہتھیاروں سے لیس اس خیمے سے باہر آ گیا جس میں اس کی رہائش گاہ تھی لیکن یہ وہ خیمہ نہ تھا جس میں وہ عیش گاہ بنا چکا تھا، بلکہ اس سے ہٹ کر رزم گاہ کے لئے ایک اور خیمہ تیار کر لیا گیا تھا اور سلاطیس اب دن رات اسی خیمے میں گزارتا تھا۔

ہتھیاروں سے لیس ہو کر سلاطیس باہر نکلا اور اس نے ان اشارات کے بارے میں پوچھا۔ درختوں کی چوٹیوں سے موصول ہونے والے اشارے اب زمین تک پہنچ گئے تھے اور ان اشاروں کا مفہوم کچھ یوں تھا۔

نوسس اعظم کا لشکر قریب آ رہا ہے۔ وہ رواں دواں ہے، اور یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنی منزل پر جلد پہنچ جانے کا خواہاں ہو۔

سلاطیس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، ایسے لمحات میں میں اس کے قریب نہ ہوتا یہ کیسے ممکن تھا۔ اس نے اپنی دلکش آنکھوں سے میری جانب دیکھا۔ میں بھی اس بہادر شخص کی طرف دیکھ رہا تھا جو کبھی کسی چیز سے خوفزدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"گویا ہماری سربلندی کا وقت قریب آ گیا ہے۔"

"ہاں سلاطیس اعظم میں تجھے اس کی بشارت دیتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تیرا بہت بہت شکریہ لیباس، صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہم نے یہ خبر سنی ہے اور شام کے ڈوبتے سورج کے ساتھ ہم دوسری خبر سننا چاہیں گے۔" سلاطیس نے کہا۔ اور اس کے ان الفاظ کا مفہوم مجھے بخوبی معلوم تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ دوسری خبر کیا سننا چاہتا ہے چنانچہ میں نے اس کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا۔

"اور یقیناً تیری اس خواہش کی تکمیل ہو گی سلاطیس اعظم۔"

"بیشک تیرا جیسا ساتھی اور دوست میرے پاس موجود ہے مجھے اس سلسلے میں کوئی فکر نہیں ہے۔" سلاطیس نے کہا۔ اور پھر وہ اپنی فوجوں کی تنظیم کرنے لگا۔

جس راستے سے اس لشکر کو گزرنا تھا اس کے بعد یہاں اور کوئی راستہ نہ تھا جہاں سے گزرگاہ ہو سکے، تب سلاطیس نے عقبی سمت کا جھاڑ جھنکار تھا یکایک اپنی جگہ سے ہٹوا دیا اور فوج کو حکم دیا کہ چار سپاہی نکلیں اور جنگل میں روپوش ہو جائیں۔ ان کا رہنما اس نے ایک خاص شخص کو مقرر کر دیا تھا جس کا نام سوبارہ تھا۔ اور سوبارہ بلاشبہ ایک خطرناک اور چالاک جرنیل تھا اور سلاطیس کو اس پر اعتبار تھا۔

اس جرنیل کے سپرد یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنی فوجوں کو اکٹھا

کر کے ایتھنز کی جانب روانہ ہو جائے۔ جنگ کرنا پڑے تو جنگ کرے جبکہ وہاں اس بات کا امکان نہیں تھا کیونکہ نوسس اعظم نے زیادہ سے زیادہ محل کے محافظ وہاں چھوڑیں ہوں گے یا پھر ایتھنز کے نواح میں جو چھوٹے موٹے انتظامی محکمے ہوں گے وہ حالات کو سنبھالے ہوئے ہوں گے کیونکہ جب نوسس اعظم وہاں سے نکلا ہوگا اس نے اپنی ساری قوت اپنے ساتھ مجتمع کر لی ہوگی، ایسے حالات میں ایک فرد کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا سوائے اس کے کہ وہ معذور لوگوں کو وہاں چھوڑ دے۔

چنانچہ سوبارہ کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی کہ جا کر ایتھنز پر قبضہ کرے اور ادھر سلاطیس نوسس اعظم کی ان فوجوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔

سو یوں ہی ہوا۔

کہ درختوں کے ان مچانوں پر تیروں کے انبار لگا دیئے گئے ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ایسی جگہیں منتخب کر لی گئی تھیں جہاں سے نوسس اعظم کے لشکر پر تیر اندازی کی جا سکے۔ نیزے اور بھالے خصوصی طور پر اس دوران تیار کئے گئے تھے۔ اول تو تھے ہوئے قبائل کا اسلحہ اتنا ہوتا تھا کہ سلاطیس اعظم کی فوجوں کے ہر سپاہی کے پاس بیس بیس نیزے اور تیروں کے دو دو تین تین گٹھڑ ہوا کرتے تھے لیکن نوسس اعظم کے ٹھاٹھیں مارتے لشکر سے نمٹنے کے لئے درختوں کی شاخوں کو نوکدار بنا بنا کر بہت سے ہتھیار تیار کئے گئے تھے اور ان کے پھینکنے کے لئے ایسے موٹے رسے بنائے گئے تھے جو درختوں کی دو شاخوں میں اس قدر بندھے ہوئے تھے کہ انہیں ہلانا ممکن نہیں تھا گویا یہ مخصوص قسم کے تر تھے جن میں درختوں کی موٹی موٹی شاخیں تیروں کی شکل میں استعمال کی جاتی تھیں اور یقیناً ان میں سے چلا ہوا ایک ہی تیر کئی کئی آدمیوں کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ اور نوسس اعظم کی فوجوں کو یہ گمان بھی نہ ہوگا کہ یہ خوفناک جنگل مینا س کا یہ علاقہ ان کے لئے قہر کا علاقہ بن جائے گا۔

یہ دستے خراماں خراماں چلے آرہے تھے اور ان کی صفیں بالکل درست تھیں۔ گھوڑ سوار آگے تھے ان کے پیچھے پیدل تھے اور طے یہ کر لیا گیا تھا کہ جب گھڑ سواروں کا آخری آدمی جنگل کے اس حصے تک پہنچ جائے گا جہاں سے بھاگ کر وہ آخری درخت سے آگے نہ نکل سکے، تب اِن پر تیر اندازی شروع کی جائے گی، تاکہ پورا لشکر سلاطیس کے تیر اندازوں کی زد میں ہو۔ بڑی بے صبری اور تیز دھڑکنوں کے ساتھ آنے والے لمحات کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ہر شخص کی آنکھیں نوسس اعظم کے اس انبوہ عظیم پر لگی ہوئی تھیں جو آہستہ آہستہ سے ہمارے سامنے سے گزر رہا تھا۔

اور کیسا عجیب منظر تھا میرے دوستو اور میں تمہیں کیا بتاؤں نوسس اعظم نے واقعی جو انتظامات کئے تھے وہ ناقابلِ شکست تھے لیکن اب اس بدقسمتی کو کیا کہا جاتا جو اس کے جلو میں آہستہ آہستہ سفر کر رہی تھی، اور اس شخص کے بارے میں کیا کہا جاتا جس کے بارے میں دیوتاؤں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ ایک دن یونان کا سب سے بڑا آدمی بن جائے گا اور یونان کا سب سے بڑا آدمی، قہر آلود نگاہوں سے نوسس اعظم کے اس لشکر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ آخری لمحات کا منتظر تھا۔

پھر سلاطیس کا اشارہ ہوا۔ دور دور سے قرنے پھونکے گئے اور اس کے ساتھ ہی درختوں کے رخنوں سے موت کے تیر سنسناتے ہوئے باہر نکلے۔ مرنے والے یہ سوچتے ہی رہ گئے کہ یہ کیا ہوا۔ بھلا جنگل بھی اس طرح دشمنِ انسان ہوتے ہیں۔

اور جو زندہ تھے وہ بھی نہ سمجھ پا رہے تھے کہ جو مر رہے ہیں ان کی موت کی وجہ کیا ہے۔ یہ خونی تیر آسمان سے برس رہے ہیں یا زمین سے نکل رہے ہیں، ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی، البس وہ مر رہے تھے۔ نوسس اعظم جوانوں کی رہنمائی کر رہا تھا بیشمار افراد کے درمیان گھرا ہوا تھا لیکن اس کی بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ تیر ان کے چھتوں سے نکل آنے والی بھیڑیں کس طرف سے آرہی ہیں ان کے بھالے بلند ہو رہے تھے اور سپاہیوں کے بھالوں پر سورج کی کرنیں کروٹیں بدل رہی تھیں، لیکن انہیں کوئی نظر آتا تو وہ اس پر حملہ آور ہوتے! جبکہ دوسری جانب درختوں کی سمت سے خوفناک بارش ہو رہی تھی۔ اور میرے دوستو میں اپنی آنکھوں سے صدیوں پہلے کا وہ منظر پوری تفصیل کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں اور تمہیں بھی وہی تصویر دکھا رہا ہوں، دیکھو نوسس اعظم کی فوج زوال پذیر ہے تیر پر تیر برسائے جا رہے ہیں، نیزے پھینکے جا رہے ہیں، ادھر چیخوں اور پکاروں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہاں دیکھو ان کے پیروں کی دھمک سے زمین ہچکولے کھا رہی ہے۔

دیکھو شاید انہوں نے اب صورتحال کو کسی حد تک سمجھا انہوں نے اپنے بھالوں کا رخ درختوں کی جانب کر لیا ہے۔ وہ پوری قوت سے بھالے درختوں کی جانب پھینک رہے ہیں لیکن بھلا گھنی دار جھاڑیوں سے بھالوں کا گزر کہیں ممکن ہے سوائے ان جگہوں کے جنہیں پہلے سے منتخب کر لیا گیا ہو، اور شاید ایک بھی بھالا کسی درخت تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ درختوں کی چوٹیاں خاصی بلند ہیں۔ مرنے والے جوان موت کے خوف سے ہراساں ہیں۔ ان سب کی آوازوں سے جنگلی گیت کی آواز سنائی دے رہی ہے، جنگ ہو رہی ہے، زور و شور سے ہو رہی ہے اور صرف نوسس اعظم کے آدمی مر رہے ہیں، ان کے اگلے دستوں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں لیکن وہ کہاں جائیں کدھر بھاگیں ایک جانب پہاڑ ہے جس کی بلندیاں بھی ان کے لئے حفاظت گاہ نہیں ہیں، وہ پسپا ہو رہے ہیں، اور ادھر سے قوتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور دیکھو

یہ کہا ہوا، ادہر شاہ سلاطیس کو احساس ہو گیا کہ اب وقت آ گیا
ہے کہ لوسس اعظم پر کاری ضرب لگا دی جائے۔ زیادہ وقت نہیں
ہوا، لیکن لوسسِ اعظم کی فوج کے بے شمار افراد تیروں اور بھالوں کا
شکار ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ دروازے کھلے جن کے دوسری جانب وہ
خاردار جھاڑیاں اس طرح لگا دی گئی ہیں کہ انہیں باہر سے دیکھنے
پر پتہ نہ چلے کہ یہاں پر کوئی دروازہ ہے۔ اور ان دروازوں سے
سلاطیس کے فوجی باہر نکل رہے ہیں، وہ پوری قوت سے آگے
بڑھ رہے ہیں اور دوسری جانب سے لوسس اعظم کے آدمی بھی نکلنے
کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سلاطیس نے صرف
قوت اور جوش کے عالم میں یہ سب کچھ کیا ہے ورنہ بہتر یہی تھا کہ
انہیں تیروں اور نیزوں پر رکھا جاتا، ہاں یہ امکان تھا کہ اس طرح تھوڑی
دیر کے بعد ان کے پاس تیروں اور نیزوں کا ذخیرہ ختم ہو جاتا اور پھر
انہیں صرف تلواروں سے جنگ کرنا پڑتی اور اگر یہ احساس ہے
سلاطیس کے ذہن میں تو پھر ٹھیک ہے۔

لیکن پسپا ہونے والوں کو قتل کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔
لوسس اعظم کے فوجیوں کے پاؤں اکھڑ رہے ہیں، وہ پسپا ہو رہے
ہیں اور سلاطیس کے آدمیوں نے قوت سمیٹ کر ایک اور حملہ کیا اور
لوسس اعظم کے پاؤں اکھڑ گئے، اب اس کے فوجی بُری طرح دوڑ رہے
تھے۔ لوسس اعظم کا کہیں پتہ نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے اس کا
آدھا لشکر موت کی نیند سو چکا ہے اور اب سلاطیس بھی باہر نکل آیا ہے
سلاطیس کی تلوار فیصلے کر رہی ہے لوسس اعظم کے سپاہیوں کی لاشوں
کے انبار لگ گئے ہیں لیکن اس کے باوجود بہت سے زندہ ہیں اس
کے فوجی اس کی غیر موجودگی سے ہراساں ہیں، وہ سب مر رہے ہیں جنگی
نعروں سے زمین و آسمان ہل رہے ہیں، بھالوں کی چمک سے آنکھیں
چندھیا رہی ہیں اور سلاطیس کے سپاہی طوفان کی طرح بڑھ رہے
ہیں۔ لوسس اعظم کی فوجوں کو روند رہے ہیں اور بچے کھچے سپاہی
بھاگ رہے ہیں اپنی بستیوں کی جانب ایتھنز کی جانب۔

پھر جنگ ختم ہو گئی، وقت سے بہت پہلے یہ کھیل ختم ہو گیا
جس کے بارے میں توقع تھی کہ شام تک ہو گی اور ممکن ہے کل تک
ہو اور جنگ ختم ہوئی تو وادی خون کا تالاب بن چکی تھی جس میں
انسانی لاشیں تیر رہی تھیں۔

تاحدِ نگاہ خون کا سمندر موجزن تھا جو دل میں امنگیں لے کر
آئے تھے جو فتح کے نشے میں چور آگے بڑھ رہے تھے وہ یہ احساس کھو
چکے تھے اور اب اپنی کیفیت سے بے خبر تھے۔

کافی دیر تک سلاطیس کے سپاہی خون کے اس تالاب میں
غوطے لگا کر لوسسِ اعظم کی لاش تلاش کرتے رہے تاکہ اسے ہم تھا
کر اپنے ساتھ ایتھنز لے جائیں۔

پھر سلاطیس نے جنگ کے اختتام کی تقریب کرتے ہوئے کہا
"میرے دوستو! میرے بازو، میرے ہم نشینو، دیوتاؤں کی
مہربانیوں سے اور تمہاری دلیری اور بہادری سے میری زندگی کا سب
سے بڑا مشن پورا ہو چکا ہے لوسسِ اعظم کی شکست دیوتاؤں کی
اس پیش گوئی کا مظہر ہے جو میرے بچپن میں ہی کر دی گئی تھی، ہاں یہ
بات میرے علم میں تھی کہ ایک دن میں یونان کا حکمران بنوں گا لیکن
سمجھنے والوں نے غلط سمجھا۔ اور وہ نہ جانے جو میں انہیں سمجھانا چاہتا
تھا۔ تو میرے لوگو فتح مبارک ہو تمہیں اور اب ہمیں انتظار کئے بغیر
اپنی قلمرو سنبھال لینا چاہئے۔ اس کے لئے نہ تو انتظار مناسب ہے اور نہ
وقت کا زیاں سودمند ہے چلو۔ برق رفتاری سے ایتھنز کی جانب چلو۔"

سب نے سنا اور عمل کیا۔ درختوں کا حصار چھوڑ دیا گیا۔ اور
افراتفری میں تمام تیاریاں کی گئیں اور سوار برق رفتاری سے ایتھنز کی
جانب چل پڑے۔

جب ہم ایتھنز پہنچے تو ہمارا اندازہ درست تھا۔ وہاں جنگ
ہو رہی تھی اور سلاطیس کے سپاہی وہاں اپنی حسرتیں پوری کر رہے تھے
میدانِ جنگ سے بھاگ کر آنے والے پناہ لینے آئے تھے لیکن یہاں بھی
موت ان کی منتظر تھی۔

پھر جب عقب سے سلاطیس کا خون آشام لشکر پہنچ گیا تو پھر
انہوں نے اسے دیکھتے ہی ہتھیار پھینک دیئے اور زمین پر اوندھے گر کر
امان مانگنے لگے۔

سلاطیس جنگ تلوار بلند کئے کھڑا رہا، ان کا قتلِ عام جاری رہا
اور جب وہ تھک گیا تو اس نے تلوار نیام میں رکھ لی گویا یہ اشارہ تھا کہ اب
قتلِ عام بند کر دیا جائے۔

اس کے بعد سلاطیس نے شاہی محل میں قدم رکھا۔ اور لوسسِ اعظم
کی عظمت کے ہر نقش کو مٹا ڈالا۔ خوبصورت کنیزوں کو ٹھکرا کے اپنی
تحویل میں لے لیا۔ اور خوب عیش و عشرت کا پروگرام بنایا۔ تین ماہ
تک دن رات جشن منائے جاتے رہے۔

معبدوں کے کاہن پیشگوئی کے لئے پہنچ گئے اور انہوں نے
سلاطیس کے مستقبل کی پیش گوئیاں شروع کر دیں۔ سلاطیس ان
سب کی سنتا تھا۔ اور مجھے سناتا تھا۔ اس نے مجھے بہت بڑی حیثیت
دی تھی، عشتار اب بھی میرے ساتھ تھی اور خاموش تھی۔

پھر سلاطیس دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اس نے
ایک باقاعدہ حکومت کے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ اپنے دشمنوں
اور مخالفوں کو وہ بے دریغ قتل کر دیتا تھا اور دوستوں کو مراعات سے
نوازتا تھا۔

اس دوران یہ فطری بات تھی کہ اس کی توجہ میری طرف سے کم ہو گئی
تھی، دوسری طرف کاہنوں کی یہ کوشش تھی کہ وہ کسی طور سلاطیس کے

دربار میں رسائی حاصل کر سکیں، اور اس کے لئے سازشوں کے جال بچھ گئے تھے، اور طرح طرح کی ترکیبیں کی جا رہی تھیں۔ پھر ایک دن یوں ہوا کہ عشطار مجھے افسردہ ملی اور میں اسے ملول دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

"کیا بات ہے عشطار، میں تمہارے اندر نمایاں تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے لیپاس، بس تم سے کافی اُنسیت ہو گئی ہے مجھے۔"

"تو پھر اس میں کیا خاص بات ہے؟"

"تمہاری جُدائی کے تصور سے ہراساں ہوں۔"

"جُدائی ...؟"

"ہاں۔ ہماری رفاقت کے لمحات ختم ہو گئے۔"

"مگر کیوں ...؟"

"اس لئے کہ میں تمہیں اس بارے میں بتا چکی ہوں۔"

"کیا ...؟"

"یہی کہ میں تمہاری سرزمین سے تعلق نہیں رکھتی۔ دیوتاؤں کی ہی سرزمین سے مجھے ایک خاص مشن پر بھیجا گیا تھا اور تب تک وہ مشن پورا کر رہی تھی۔ اور میرا وہ مشن پورا ہو چکا ہے۔"

"وہ کیسے ...؟"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔"

"کیا مطلب ...؟"

"ہمارے تمہارے درمیان مفاہمت اور رفاقت کے لئے ایک وقت کا تعین تھا اور وہ وقت پورا ہو چکا ہے لیپاس۔"

"مگر میں تمہارا عادی ہو چکا ہوں عشطار۔"

"اور میں تمہاری، مگر یہ دیوتاؤں کی مرضی ہے۔"

"نہیں عشطار تمہیں کچھ کرنا ہوگا۔"

"کاش کچھ کرنا ممکن ہوتا۔ لیکن اس بات کا امکان ہے کہ اس میں کچھ وقت کی مہلت مل جائے۔ اور ... اور ..."

عشطار کی اس گفتگو نے مجھے افسردہ اور ملول کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ عشطار کون ہے حالانکہ وہ میری بیوی کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن بس صورتحال ایسی ہی تھی۔

میں ان دنوں پریشان رہنے لگا تھا، اسی وجہ سے سلاطیس کی مصاحبت کے مواقع بھی کم سے کم نصیب ہوتے تھے۔ اور یہ اتفاق تھا کہ اس نے بھی میری ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ کافی وقت گزر گیا۔ عشطار اگر اچانک غائب ہو جاتی اور میں اس کی جدائی کے بارے میں سوچتا رہ

جاتا۔ تو شاید میری ذہنی کیفیت اس قدر خراب نہ ہوتی لیکن اب جبکہ مجھے یہ علم ہو چکا تھا کہ کچھ عرصے کے بعد وہ میرے پاس نہ رہے گی میری ذہنی کیفیت عجیب ہو گئی تھی، اور میں زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔

عشطار بھی میری اس کیفیت سے واقف تھی، اور اس کی بھی آنکھوں میں اداسیاں جھلکتی رہتی تھیں، ہمارے درمیان علارہ کا بچہ بھی تھا جس کی ہم نہایت خفیہ طور پر پرورش کر رہے تھے، اس کے خدوخال وہی تھے جو سلاطیس کے تھے اور یہ بات بڑی تشویشناک تھی، اس کے علاوہ اس کی جسامت اور اس کا قدوقامت بڑا انوکھا تھا حالانکہ ابھی اس کی عمر زیادہ نہیں تھی، لیکن وہ اتنا مضبوط اور توانا معلوم ہوتا تھا کہ آگے چل کر اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کیا ہو گا۔

عشطار نے اس کے بعد مزید مجھے کچھ نہیں بتایا لیکن دوسری طرف فطرت کا ردعمل شروع ہو چکا تھا۔ کاہن اعظم ارسلاؤس ایتھنز کے سب سے بڑے معبد کا سب سے بڑا روحانی پیشوا تھا۔ نوسس اعظم اس کی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔ لوگوں نے سلاطیس کو بتایا کہ ایک بار کاہن اعظم ارسلاؤس نے نوسس اعظم کو اس کی تقدیر سے آگاہ کر دیا تھا تو نوسس اعظم نے اسے معتوب کر دیا تھا اور اس کے بعد سے کاہن اعظم ارسلاؤس اپنی خانقاہ میں بند تھا، اس کی خانقاہ میں پتھر کا بہت بڑا دروازہ لگا ہوا تھا اور یہ دروازہ ایک عرصے سے بند تھا۔

نوسس اعظم کے دور میں وہ دروازہ کبھی نہیں کھلا اور جب سلاطیس کو اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں تو وہ مسکرایا اور اس نے حکم دیا کہ کاہن اعظم ارسلاؤس کو اس کی خدمت میں پیش کیا جائے، لوگوں نے بڑی کوششیں کیں لیکن کاہن اعظم اپنی خانقاہ سے باہر نہ آیا، تب سلاطیس نے اطلاع دینے والوں سے پوچھا۔

"وہ کتنے عرصے سے اس خانقاہ میں بند ہے"

"سالہا سال گزر گئے۔" جواب ملا۔

"اس کے معتقدین میں سے کسی نے اس سے ملاقات کی، یا کسی نے اسے دیکھا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو پھر تم لوگ یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ زندہ ہے۔"

"اس نے یہی کہا تھا کہ وہ زندہ رہے گا، اور زندہ رہ کر ایک مخصوص وقت کا انتظار کرے گا۔"

"اور وہ مخصوص وقت کونسا تھا؟"

"شاید وہ وقت جب سلاطیس اعظم، نوسس اعظم کی جگہ تخت نشین ہوں۔"

"تب پھر تو یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے اس خانقاہ سے نکالیں اور اسے وہ مرتبہ دیں جس کا وہ مستحق ہے" سلاطیس نے کہا۔

بہت بڑا شہنشاہ بن گیا تھا سلاطیس، بہت بڑی بڑی باتیں اس کے ذہن میں آنے لگی تھیں، چنانچہ اس نے خود اس خانقاہ پر حاضری دی جہاں ارسلاؤس بند تھا۔

پتھر کی ایک چوڑی سل جو اس قدر وزنی تھی کہ کئی آدمی بھی مل کر اسے اٹھا نہ سکیں، غار کے چوڑے دروازے پر رکھی ہوئی تھی۔ جو خانقاہ کے اندر ہی تھا ایک گہری سرنگ تھی، سلاطیس اعظم کے اشارے پر بیشمار افراد نے پتھر کی اس وزنی چٹان کو ہٹایا۔ اور جب چٹان ہٹی تو اندر تیز روشنی پھیل گئی۔

یہ روشنی دیواروں سے منعکس ہو رہی تھی۔ سلاطیس اعظم اندر داخل ہو گیا۔

غار کافی کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ حالانکہ اس میں کہیں روشنی کا گزر نہیں تھا لیکن اس کی دیواریں چمک رہی تھیں جس نے سلاطیس اعظم کو کافی متاثر کیا۔

درمیان میں ایک مرگ چھالہ بچھائے ہوئے ایک شخص محو عبادت تھا۔ اتنا بوڑھا، اتنا باریش کہ سلاطیس اعظم کو حیرت ہوئی اس کا تمام بدن جھریوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ داڑھی فرش پر پھیلی ہوئی تھی یہی کیفیت سر کے بالوں کی تھی، وہ طویل عرصے سے سجدے کے عالم میں تھا۔

سلاطیس اعظم نے ڈرتے ڈرتے اسے اٹھایا اور اس نے آنکھیں کھول دیں، اس کی ڈراؤنی اور خوفناک آنکھیں سلاطیس اعظم پر بہت اثر انداز ہوئیں اور سلاطیس اس کا معتقد ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔

"میں ارسلاؤس کی خدمت میں حاضری دینے آیا ہوں"

"کیا تو سلاطیس ہے۔" بوڑھے کی آواز ابھری۔

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے مجھے تیری ہی آمد کا انتظار تھا، میری تپسیا کا وقت ختم ہوا۔"

"تو پھر میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا" سلاطیس نے کہا۔

"بیشک میں تیرے ساتھ چلوں گا" ارسلاؤس نے کہا۔

اور سلاطیس اسے نہایت احترام سے اپنے محل میں لے آیا۔ یہاں ارسلاؤس کے لئے اس کے شایان شان بندوبست کیا گیا تھا۔ بوڑھے کی ظاہری کیفیت جو تھی اس سے سلاطیس بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا اور اس کی عزت کرنے پر مجبور تھا۔

ان اوقات میں وہ مجھے بھی بھول گیا تھا، البتہ اس کا زیادہ تر وقت ارسلاؤس کی خدمت میں گزرتا تھا اور وہ ارسلاؤس سے ماضی و حال کی پیشگوئیاں لیتا تھا۔

ماضی کے بارے میں ارسلاؤس نے اسے جو کچھ بتایا اس نے سلاطیس کو دنگ کر دیا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ارسلاؤس نے

ایک اور بات کہی۔

"میں نے تیرا ماضی تیرے سامنے کھول دیا ہے سلاطیس لیکن اس کا ایک ورق ابھی میرے ذہن میں پوشیدہ ہے' اس کا انکشاف میں بعد میں کروں گا۔" ارسلانوس نے کہا۔

لیکن کسی الجھن میں رہنا تو سلاطیس کی فطرت میں ہی نہ تھا وہ بضد ہو گیا کہ ارسلانوس اسے اس وقت کے بارے میں بتائے۔ ارسلانوس نے اس سے کافی معذرت کی تھی لیکن سلاطیس نے اس سے کہا۔

"تم میری کیفیت کو نہیں جانتے معزز کاہن' میں ہمیشہ الجھنوں سے بچنے کا عادی ہوں' میں سب سے پہلے اپنی الجھن رفع کرتا ہوں اور اس کے بعد زندگی کے دوسرے کاموں میں دلچسپی لیتا ہوں۔"

"مجھے مجبور نہ کر سلاطیس ورنہ تو غم کے عالم سے دوچار ہوگا۔" ارسلانوس نے کہا۔

"مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے۔ ارسلانوس میں صرف حقیقتوں کو جاننے کا خواہاں ہوں۔"

"تو سن' طویل عرصے قبل اس وقت جب تو بہت چھوٹا تھا تو تیرے باپ کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ یہ قتل ایک قبیلے کی دوسرے قبیلے سے جنگ کی بنا پر ہوا تھا۔ سو جس شخص نے تیرے باپ کو قتل کیا تو اس سے واقف نہیں ہے لیکن سن لے اس شخص کو ابھی طرح جانتے ہیں اور تو نہیں جانتا وہ کون تھا۔"

"ہاں' لیکن میں نے اس قبیلے کو فنا کر دیا' لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کے میرے باپ کا قاتل کون تھا۔؟"

"قاتل مر چکا' لیکن اس کا بیٹا آج بھی زندہ ہے۔"

"اوہ کہاں ہے وہ۔ کون ہے وہ۔"

"تیری قربت میں سب سے پسندیدہ شخص' وہ شخص جس پر تو آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتا ہے' تیرے باپ کے قاتل کا بیٹا ہے اور سازشوں کا یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ جاری ہے اور طویل عرصے تک جاری رہے گا بشرطیکہ اس شخص کی زندگی باقی رہی۔"

"وہ کون ہے ارسلانوس مجھے اس کے بارے میں بتایا جائے۔" سلاطیس نے پوچھا۔

"سوچ لے۔ ارسلانوس کو زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن اس شخص کا نام ممکن ہے ارسلانوس کی موت کا باعث بن جائے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں ایسا نہ ہوگا۔"

"میں تیرے وعدے پر اعتبار کرتا ہوں۔ انکشاف چاہتا ہے تو سن اس کا نام لیپاس ہے۔"

میرا نام سن کر سلاطیس پر کیا بیتی میں نہیں جانتا چونکہ میں اس وقت اس کے قریب موجود نہیں تھا۔ لیکن بہرحال اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"اس کا کوئی ثبوت ارسلانوس۔؟"

"میں خود اس کا ثبوت ہوں' میرا علم اس کا ثبوت ہے' ہر چند کہ لیپاس اس حقیقت سے ناآشنا ہے لیکن اس کے اندر وہی قوتیں کام کر رہی ہیں اور وہ ایک نئی سازش کو جنم دے چکا ہے۔"

"سازش۔؟"

"ہاں۔"

"وہ کیا سازش ہے۔؟"

"اس نے اس بچے کی پرورش کی ہے جو تیرا قاتل ہوگا یعنی تیرا بچہ جس کی پیش گوئی کر دی گئی تھی۔ یہ بچہ اس کے گھر میں پرورش پا رہا ہے اور تو اسے دیکھ سکتا ہے۔"

"وہ بچہ۔ وہ بچہ کہاں سے آیا۔؟"

"اس کی بہن علایہ نے اسے جنم دیا ہے۔"
"اوہ۔ مگر میں نے اسے قتل کر دیا تھا۔"
"ہرگز نہیں۔ وہ خود لیپاس کا بچہ تھا۔"
"مگر ایسا کیوں ہوا؟"
"تاریخ خود کو دہراتی ہے۔"
"یہ نہیں ہوگا، میں تاریخ میں تحریف کر دوں گا۔" سلاطیس نے کہا اور اس کے بعد سلاطیس مجھ سے بدظن ہو گیا۔ مجھے علم نہیں ہو سکا کہ میری بہن پر کیا گزری۔

علایہ سے پوچھا گیا کہ یہ بات درست ہے کہ وہ بچہ اس کا نہ تھا جسے قتل کیا گیا۔ اور نہ جانے کیا کوشش کی ہوگی اس نے کہ علایہ نے اعتراف کر لیا اور اس کے بعد علایہ کو قتل کر دیا گیا۔ اس طرح کہ مجھے بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ جب سلاطیس کا دربار لگا ہوا تھا اور تمام امرا بھی حاضر تھے۔

دربار میں کوئی خاص مقدمہ پیش ہونا تھا۔ جب سپاہی ملزم کو لے کر آئے تو میں دنگ رہ گیا۔ وہ عشطار تھی اور بچہ اس کی گود میں موجود تھا۔

میں پاگلوں کی طرح یہ منظر دیکھ رہا تھا تب سلاطیس نے کہا۔
"لیپاس۔ اعتماد کا خون کرنے والے۔ یہ عورت تیری کون ہے؟"
"میری بیوی۔"
"اور یہ بچہ۔؟"
"میرا رنگ زرد ہو گیا۔" یہ سوال میرے لیے بے حد تباہ کن تھا۔ میں خوف سے لرزنے لگا۔
"جواب دے یہ بچہ کس کا ہے؟"
"میرا۔" میں نے بمشکل کہا۔
"کیا علایہ کے بطن سے؟" سلاطیس نے کہا اور میں شدت غضب سے سرخ ہو گیا۔
"یہ تیرا بچہ ہے سلاطیس جسے میں نے پرورش کیا ہے۔"
"میرے اعتماد کا خون کر کے۔"
"ہاں۔"
"تو نے ایسا کیوں کیا؟"
"اس لیے کہ میں اپنی بہن کی اولاد کی موت نہیں چاہتا تھا۔" میں نے مجرمانہ انداز میں کہا۔ اس سے قبل کہ سلاطیس کچھ اور کہتا عشطار آگے جھک کر بولی۔
"اس نے آگے کی کہانی مجھ سے سن سلاطیس۔ قصور کسی کا بھی نہیں مقدر اور ستاروں کا ہے، ہاں تیرا قتل اسی بچے کے ہاتھوں ہوگا اور ستاروں کی اس چال کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ دیکھ یہ بچہ دیوتاؤں کی تحویل میں جا رہا ہے۔ اور یہ اس وقت ظاہر ہوگا جب جوان ہو جائے گا اور تجھے قتل کرنے کے قابل ہو جائے گا۔" عشطار نے اپنی اوڑھنی بچے پر ڈھک لی۔ اور اس کے بعد اس کا وجود گم ہو گیا۔

سلاطیس نے کیا کوشش نہ کی تھی اس کی تلاش کی لیکن عشطار تو اس دنیا کی انسان ہی نہ تھی۔ سلاطیس مجھ سے بھی نفرت کرنے لگا تھا اور میرے لیے سزا تجویز ہوئی کہ مجھے ہاران کے برفانی گڑھوں میں پھینک دیا جائے جہاں گرنے والے کبھی نہیں بچتے۔ اور میرے دوستو یہی ہوا مجھے ایک نیزہ دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ برف کی ان گہرائیوں میں چھلانگ لگا دوں۔ جہاں موت ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا چنانچہ میں نے ان گڑھوں میں چھلانگ لگا دی، آہ کیسی خوفناک گہرائیاں تھیں، لیکن شائد وہاں موت نہ تھی اور میری زندگی باقی تھی۔

آج میں تمہارے درمیان ہوں اور تمہیں صدیوں پرانی کہانی سنا رہا ہوں۔ نہ جانے یہ کہانی کتنی طویل ہوگی۔ نہ جانے میری زندگی اب کون سے رخ پر کرگے چلے گی۔

کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ وہ سب قدیم یونان کی پراسرار کہانی میں گم تھے، کسی کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس ماحول سے واپسی ہو۔ لیکن مجبوری تھی۔